اُمّتِ محمّدیہ
زوال پذیر کیوں؟

DARULIBLAGH
دارالابلاغ

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

نامِ کتاب .... اُمتِ محمدیہ زوال پذیر کیوں؟

تالیف .... اکبر شاہ خان نجیب آبادی

نظرِ ثانی .... ابوالحسن مبشر احمد ربانی

تحقیق وتخریج .... نصیر احمد کاشف

ترمیم واضافہ .... محمد طاہر نقاش

اشاعتِ اول .... اپریل 2006ء

قیمت .... روپے

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

• لاہور۔ دارالاندلس۔ مرکز القادسیہ 7230549۔ دارالسلام شوروم 7232400۔ مکتبہ قدوسیہ 7230585۔ مکتبہ سلفیہ 7237184۔ کتاب سرائے 7320318۔ اسلامی اکیڈمی 7357587۔ نعمانی کتب خانہ 7321865۔ مکتبہ رحمانیہ 7224228۔ مکتبہ دارالھدیٰ 7639557۔ الکریمیہ کیسٹ لائبریری 6365526۔ • راولپنڈی۔ تعلیمات طیبہ کشمیری بازار۔ 5535168۔ • اسلام آباد۔ المسعود اسلامک سنٹر 2261356۔ • فیصل آباد۔ مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار، 631204۔ • کراچی۔ مکتبہ نور حرم 4965724۔ دی بک ڈسٹری بیوٹرز 7787137، مکتبہ دارالقرآن، 021-2211998 علمی کتب خانہ اردو بازار۔ • پشاور۔ معراج کتب خانہ 214720۔ • حیدر آباد۔ مکتبہ دعوت السلفیہ 0333-2607264

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان 0300 4453358

امتِ محمدیہ
زوال پذیر کیوں؟
تالیف
اکبر شاہ خان نجیب آبادی
نظرِ ثانی
ابو الحسن مبشر احمد ربانی
دار الابلاغ
DARULIBLAGH

فہرست

باب دوم ...... خلافت عباسیہ کے ابتدائی سو سال

باب سوم ...... ۵۰۰ھ تک کے نہایت مختصر اور سرسری حالت

باب چہارم .... اسلام ہندوستان میں

باب پنجم .... حاصل مطالعہ و مشاہدہ

باب ششم .... رسول اللہ ﷺ کے متعلق فرامین الٰہیہ

باب ہفتم .... قرآن مجید

باب ہشتم .... قرآن اور تفسیر قرآن

حرف تمنا

قومیں زوال پذیر کیوں ہوئیں؟

مختلف قوموں میں مختلف اوقات میں عروج و زوال کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کبھی کوئی قوم ابھر کر دنیا پر چھا گئی تو دوسری قوم مغلوب ہو کر ناپید و مقہور ہو گئی۔ مختلف اقوام کے عروج و زوال کے اسباب مختلف رہے ہیں لیکن مسلمان قوم جب بھی زوال پذیر ہوئی تو اس کے دیگر ضمنی اسباب کے ساتھ ساتھ ہمیشہ سب سے بڑا اور غالب سبب قرآن و حدیث کی منصوص تعلیمات کو ترک کر دینا ہے۔

جب تک مسلمانوں نے قرآن و حدیث کو مضبوط تھامے رکھا، اس پر عمل پیرا رہے۔ حاکم و غالب رہے۔ دنیا پر ان کی سطوت و ہیبت کا سکہ چلتا رہا۔ وہ ساری دنیا کو فتح و مغلوب کرنے کے لیے ہر روز آگے سے آگے ہی بڑھتے رہے، ان کے لشکر مختلف اقوام کو تسخیر کرتے گئے۔ ان کے گھوڑے سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں اور خشکی کے میدانوں میں آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ کفار ان کی غلامی قبول کرتے گئے یا پھر کلمہ پڑھ کر جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ یوں اسلام کو قوت ملتی گئی اور وہ مزید آگے بڑھتا گیا اور دنیا والوں کے دلوں کو بھی فتح کرتا گیا۔ یہ تمام کا تمام محض قرآن و حدیث کے پرچم کو تھامنے کی بنا پر تھا۔

جونہی مسلمانوں نے قرآن و حدیث کی روشن شمع کو چھوڑا، یونانی و عیسائی فلسفوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیا۔ قرآن و سنت کی تعلیمات پر نہ صرف یہ کہ اعتقاد متزلزل ہوا بلکہ وہ عملی طور پر بھی اس سے دست بردار ہو گئے۔ اب وہ خود بھی اسلام پر عمل پیرا ہونے میں کمزور تھے اور پھر اس کی دعوت کو پھیلانے کی جدو جہد میں بھی ضعیف و ناتواں ہو گئے۔ یوں قرآن و حدیث سے ان کے ایمانی رشتہ کا کمزور ہونا

ان کی فکری، اعتقادی، عملی اور عسکری سطح پر بربادی و تباہی کا باعث بن گیا۔
وہ مختلف گمراہ فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو کر اسلام کی تعلیمات کو مزید دنیا والوں کے سامنے پیش کرنے اور اسلام و اہل اسلام کے پشتیبان بن کر اس کو مضبوط کرنے کی بجائے اس کی جڑوں کو کاٹنے لگے۔ یوں اہل اسلام، جہاد کے ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر پوری دنیا کے کفار کے لیے چیلنج بننے کی بجائے خود گروہ در گروہ ہو ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں ہو گئے...... لہٰذا کر ایک دوسرے کو تہہ تیغ کرنے لگے، ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگے، لشکروں کے لشکر کٹنے لگے. تاکہ ایک مسلمانوں کے فرقہ و گروہ کی فکر، دوسرے گروہوں پہ حاوی و غالب ہو جائے اور مقبول عام ہو جائے۔ نہ کہ اسلام کی روح حاوی ہو۔
اس فکر اور طرزِ عمل کا مسلمانوں میں آنا تھا کہ وہ کمزور ہونے لگے۔ اور پھر یہ کمزوری و ناتوانی کا عمل کم ہونے کی بجائے دن بدن بڑھنے لگا روز آخرکار یہ خلفشار امت محمدیہ کے زوال کا باعث بن گیا۔ اس لیے کہ یہ ضابطہ الٰہی کا نتیجہ تھا کہ جس کی نشاندہی رسول اللہ ﷺ نے یوں فرما دی ہے کہ:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَ الْكِتَابِ وَ يَضَعُ بِهَا اٰخَرِيْنَ))

[صحیح مسلم ، کتابُ صلوٰۃ المسافرین]

”بے شک مالکِ کائنات اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعہ (یعنی اس کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی بنا پر) ہی قوموں کو عروج بخشتا ہے اور اس کو چھوڑ دینے کی بنا پر (ذلیل و رسوا کر کے) مغلوب کر دیتا ہے۔“

یہی سبب (یعنی مجوریٔ قرآن و سنت) اس امت کے زوال کا سبب بن گیا۔ اور اسی کی وضاحت و نشاندہی مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اس کتاب میں نہایت علمی دلچسپ اور دلائل کے مضبوط پیرائے میں کی ہے۔ کہ امت محمد کن وجوہات کی بنا پر زوال پذیر ہوئی۔ دارالابلاغ کی ٹیم نے اس کتاب پر کام کر کے اس کو خوبصورت اور محققانہ انداز میں ایک عرصہ بعد آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اب تک

یہ کتاب نایاب تھی۔ اگرچہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے شائع ہوتی رہی۔ جس میں ''قول حق'' کا نام بھی شامل ہے۔ دارالابلاغ کے سٹیج سے اسے کتاب میں بیان کردہ موضوع کی مطابقت کے حساب سے ''امت محمدیہ زوال پذیر کیوں ہوئی'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔

جہاں کتاب کی تخریج کردی گئی ہے وہاں اس کی نظر ثانی کے لیے مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کا شکرگزار ہوں اور تخریج کے لیے جناب محترم نصیر احمد کاشف صاحب کا اور فارسی اشعار و عبارات کی تفہیم و توضیح کے لیے ادیب ملت اور شاعرِ اسلام محترم علیم ناصری حفظہ اللہ کا اور دیگر افراد کا جنہوں نے اس کتاب کو مؤثر بنانے میں بندہ کی راہنمائی کی جن میں جامعہ سلفیہ کے ہونہار طالب علم عابد محمود قدوسی بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب پر کام کرنے والی ٹیم کو دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں بہتر اجر دے۔ اللہ کریم سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں قرآن و سنت کی اشاعت کے لیے مزید ہمت دے اور ہماری کوششوں کو خالص اپنی رضا کے لیے خاص کردے۔ آمین یا رب العالمین

خادم کتاب و سنت

محمد طاہر نقاش

۲۰ مئی ۲۰۰۴ء

لاہور

تقریظ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ . اَمَّا بَعْد:

امت مسلمہ کی حقیقی راہنمائی قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ ثابتہ میں موجود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وحی کے ان دو صافی چشموں میں انسانیت کی جسمانی و روحانی تروتازگی رکھی ہے ۔ اور ہر طرح کی پراگندگی و خباثت سے بعد و دوری کا گوہر گراں مایہ ان مناہل میں موجود ہے۔ جب سے لوگوں نے قرآن و حدیث کو پس پشت ڈال کر عقائد و اعمال کو خبیث و خسران کے حوالے کیا ہے اسی وقت سے رفعت و عروج کی منازل سے زمین بوس ہو گئے ہیں۔ انہیں تقلید جامد کے طوفان نے عقل و خرد اور فہم و فراست سے عاری کردیا ہے۔ آباء پرستی اور تحمد تقلیدی نے کتاب و سنت کی روشن و واضح نصوص سے کوسوں دور کردیا ہے ۔ یہ اندھی تقلید کے بحر ظلمات میں غوطہ زن ہو کر فراست کش اور ضلالت آفرین قید و بند میں غرق ہو گئے ہیں۔ تاویلاتِ فاسدہ و آرائے کاسدہ اور خیالاتِ عاطلہ کے ذریعہ کتاب و سنت کی بیش بہا نصوصِ صحیحہ و صریحہ کو ترک کردیتے ہیں اور گمراہی درگمراہی میں مشغول و مصروف نظر آنے لگے ہیں۔ اور بعض لوگ جو بظاہر نماز روزہ جیسے فرائض عالیہ کے پابند نظر آتے ہیں وہ کج بحثی ، تنگ نظری، ضد و ہٹ دھرمی کی ضرب المثل بن چکے ہیں۔ ان کے دماغ ماؤف اور قلوب و اذہان معطل ہو چکے ہیں۔ وہ تقلیدی حصار اور شرکی وبدعی رسومات میں جکڑے گئے ہیں۔ مخصوص چار دیواری اور گھٹے ماحول سے باہر نکل کر فہم و فراست اور عقل و خرد کو بروئے کار لانے سے یکسر عاری ہو چکے ہیں ،مساجد و مدارس کو خانہ جنگی کے قلعے و مورچے بنا چکے ہیں اور افتراق و تشتت کی بھول بھلیوں میں گم ہو گئے ہیں۔

ان حالات میں اس بات کی شدید حاجت ہے کہ انہیں گور پرستی ، پیر پرستی، اور تقلیدی و تعصبی ماحول سے نکال کر قرآن و حدیث کے گلستان میں آباد کیا جائے اور انہیں اس بات کا احساس دلایا جائے کہ تباہی و بربادی کے خارستانوں سے خروج کرکے جادۂ مستقیم اور راہ صواب کے ساتھ تمسک لازم ہے اور ملت اسلامیہ کے زوال کے اسباب ذکر کرکے صحیح و سچے اسلام کو دل و دماغ میں جگہ دی جائے۔ تاکہ ایک صحیح اسلامی سوسائٹی اور دینی معاشرہ پھر سے وجود میں آجائے۔ اور شیطانی وساوس اور شرارتی چالوں سے بچ کر سکون وطمانیت کی راہ پا جائیں۔

امتِ مسلمہ میں اصل شعور کی بیدار اور سچے اسلام کی عملی تصویر اجاگر کرنے کے لیے قرآنی و حدیثی علوم کی ترویج و اشاعت ایک لازی امر ہے۔اسی غرض سے زیر تبصرہ کتاب کی اشاعت کی جا رہی ہے۔ اس میں ملت اسلامیہ کے زوال کے اسباب اور اس سے نکلنے کی راہیں واضح کی گئی ہیں۔مؤلف نے اپنی وسعت و ہمت کے مطابق اس دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا اور اصلاح کی بھرپور سعی بلیغ کی ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ فاضل نوجوان متحرک داعی کئی کتب کے مؤلف ومحشی محترم طاہر نقاش صاحب نے اس کی مزید اصلاح کرکے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔فللّٰہ الحمد اور کتاب کی تنقیح وتوضیح اور حک و اضافہ میں اچھی خاصی محنت کی گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے علم وعمل میں مزید برکت ڈالے اور اصلاحی وتحریکی امور پر لکھنے اور شائع کرنے کے اسباب ومحرکات مہیا کیے رکھے۔

ہر مسلم کو اس کتاب کا مطالعہ کرکے زوال سے خروج اور رفعت و بلندی کے حصول میں کوشاں رہنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ، مؤلف، ناشر، مصحح اور راقم وغیرہ کو امت کی اصلاح وخیر خواہی کا جذبہ صادقہ نصیب کرے۔ آمین

ابو الحسن مبشر احمد ربانی عفااللہ عنہ
این بلاک سبزہ زار سکیم موڑ لاہور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الَّذِيْ اُرْسِلَ اِلٰى سَائِرِ النَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَ عَلٰى جَمِيْعِ الصَّالِحِيْنَ

کچھ عرصہ سے یہ سوال مسلمانوں کے سامنے بار بار پیش ہوتا رہا ہے کہ مسلمانوں کی قوم "من حیث القوم" تمام صفات محمودہ میں تنزل اور ہر ایک صفت مذمومہ ومشؤمہ میں ترقی کیوں کر رہی ہے؟...... یا بالفاظِ دیگر ساری اچھی اور کام کی چیزیں مثلاً حکومت، دولت، عزت، غیرت، علم نافع، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ ایک ایک کر کے مسلمانوں سے رخصت ہو رہے ہیں اور تمام وہ باتیں جو کسی قوم کی ہلاکت کا موجب ہوسکتی ہیں۔ مثلاً بے حیائی، افلاس، جہالت، عادات رذیلہ اور بد اعمالیاں دن بدن پیدا ہوتی اور ترقی کرتی جاتی ہیں۔ آخر اس کا سبب کیا ہے اور حسنات رفتہ کو سیئات موجودہ کی جگہ کس طرح واپس لایا جاسکتا ہے؟ اس ضروری سوال کا جواب دینے کی کوشش قریباً پچاس سال سے برابر ہو رہی ہے۔ مشہور اسلامی انجمنوں اور کانفرنسوں کے سالانہ جلسوں میں خطبات صدارت عموماً اسی سوال کا جواب ہوتے ہیں۔ ہر سال دو چار چھوٹی موٹی کتابیں بھی اس سوال کے جواب میں شائع ہو جاتی ہیں۔ ماہانہ اسلامی رسالوں، پندرہ روزہ اور ہفتہ وار اخباروں اور اسلامی روزناموں میں بھی آئے دن یہی سوال زیر بحث رہتا ہے۔ جامع مسجدوں کے ہفتہ وا

مواعظ و خطب پڑھے لکھے مسلمانوں کی نشست گاہیں، ریل گاڑی کے طویل سفر میں درمیانہ درجہ کے مسلمان مسافروں کی گفتگوئیں بھی مذکورہ سوال کا جواب معلوم و متعین کرنے کی کوشش سے عموماً خالی نہیں ہوتیں۔

اس پچاس سال کے عرصہ میں مذکورہ موضوع پر جو کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے اگر سب کو کتابی شکل میں لکھ کر ترتیب دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار ہو جائے۔ جس میں صدہا بڑے بڑے لیڈروں، صدہا فاضل اجل مولویوں، صدہا مصنفوں، صدہا ایڈیٹروں، ہزارہا واعظوں، ہزارہا لیکچراروں، ہزارہا شاعروں اور لاکھوں پڑھے لکھے اور سوچنے سمجھنے والے مسلمانوں کے خیالات و مقالات و ملفوظات موجود ملیں گے اور اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی، سیاسی، علمی وغیرہ ہر ایک نقطہ نظر کو کام میں لا کر بحث کی گئی ہوگی، جب کہ اس ضروری سوال کے جواب یعنی بیماری کے اسباب و علامات و معالجات کے معلوم و متعین کرنے میں اس قدر عظیم الشان کوشش بروئے کار آ چکی ہے تو اب یہ سلسلہ ختم کیوں نہیں ہو جاتا اور کیوں پہلے سے بھی زیادہ لوگ اس کی طرف متوجہ نظر آتے ہیں؟...... اس دوسرے سوال کا جواب بجز اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ابھی تک چور پکڑا نہیں جا چکا اور بیماری چونکہ بدستور ترقی کر رہی ہے لہٰذا تیمارداروں کی گھبراہٹ اور صحیح معالجہ کی جستجو ترقی کرتی جاتی ہے ایسی حالت میں کسی غیر معروف شخص کو بھی جرأت ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی تیر بہدف دوا یہ کہہ کر پیش کرے کہ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے علاج کو تو آپ آزما چکے اگر جی چاہے تو یہ میری مجرب دوا بھی مریض کو استعمال کرا دیکھئے۔ یہ سن کر مریض کے رشتہ دار تھوڑے سے تامل کے بعد عموماً رضامند ہو جاتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس دوا کے استعمال سے مریض کی تندرستی واپس آ جاتی ہے۔ میرا مدعا اس گزارش سے یہ ہے کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے مجھ کو بھی اجازت ملنی چاہیئے کہ مذکورہ سوال کے جواب میں مذکورہ بیماری کے علاج کی نسبت کچھ عرض کروں۔ ممکن ہے کہ میرا ہی پیش کردہ نسخہ کام کر جائے اور کچھ بھی کام نہ آئے تو کم از کم میرا اسلامی فرض تو ادا ہو جائے۔

مسلمانوں کی سود و بہبود کی نسبت اب تک جو کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے اس کو بیسیوں

عنوانوں کے ماتحت اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے:

١ مسلمان صنعت وحرفت اور تجارت کی طرف سے بے اعتنائی اختیار کر کے افلاس اور بداخلاقیوں میں مبتلا ہو گئے لہٰذا ان کو صنعت وتجارت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

٢ مسلمانوں نے پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی۔ چنانچہ ہمسایہ قوموں سے علمی مسابقت میں پیچھے رہ کر اپنی عظمت وفضیلت کو ضائع کر دیا۔ لہٰذا تعلیم کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہونا چاہیے۔

٣ مسلمانوں میں فضول خرچی بہت بڑھ گئی ہے اور تمام جائدادیں بیچ بیچ کر قلاش ہو گئے، ان کو کفایت شعار بننا چاہئے۔ وغیرہ

اس قسم کی باتیں خواہ کتنی ہی مفید اور اچھی کیوں نہ ہوں۔ ان میں حقیقی، اصلی اور اصولی کوئی بات نہیں۔ مثلاً: اس ملک میں اب سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے پارچہ بافی، نجاری، آہنگری، معماری، کفش دوزی، خیاطی، خیمہ دوزی، رفوگری، تیر گری، اسلحہ سازی، رنگریزی، خوشنویسی وغیرہ قریباً تمام صنعتیں مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھیں۔ صبح سے شام تک دوکان پر بیٹھ کر غلہ اور آٹا، دال، نمک، مرچ وغیرہ بیچنے کی ادنیٰ تجارت کے علاوہ تمام بڑی بڑی اور اعلیٰ قسم کی تجارتیں، جن میں مال ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جانا پڑتا تھا، عموماً مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں۔ علم وفضل کے اعتبار سے بھی تمام دوسری قوموں پر مسلمانوں کو برتری حاصل تھی۔ اعلیٰ مدارس اور ہر قسم کی تعلیم گاہوں پر مسلمانوں کا قبضہ واقتدار قائم تھا۔ فضول خرچی سو یا ڈیڑھ سو سال پہلے بھی مسلمانوں میں ایسی ہی تھی۔ لہٰذا ان چیزوں کو اصل مرض کے عوارض تو شاید کہا جا سکے لیکن ان میں سے کسی کو اصلی مرض نہیں کہا جا سکتا۔ غور وتامل اور بحث ونظر میں یہاں تک پہنچ کر بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اصلی بیماری غیر ملکی یا غیر مذہبی حکومت اور مسلمانوں کی محکومی ہے۔ ایسا کہنے والے یقیناً دوسروں کی نسبت زیادہ ذہین اور زیادہ دقیقہ رس ہیں اور ان کے اس قول کی تردید ممکن نہیں۔ لیکن ان کی تشخیص کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد بھی اس بات سے

انکار نہیں ہوسکتا کہ بیماری کا صحیح علاج وہ بھی آج تک نہیں بتا سکے۔

غیر ملکی یا غیر مذہبی حکومت کے رفع اور دفع کرنے کے لیے جو تدبیریں اب تک سوچی اور زیر عمل لائی گئی ہیں ان میں سے کوئی بھی ابھی تک کامیاب اور موجب انجاح مرام ثابت نہیں ہوئی اور اس ناکامی کے اسباب آج تک محدود و متعین نہیں ہوسکے نہ آئندہ ان اسباب ناکامی کے متعین و محدود اور مرفوع و مسدود ہونے کی توقع۔ مثلاً: سب سے زیادہ مضبوط اور پختہ بات یہ کہی گئی ہے کہ ہندو، مسلمانوں کو متفق ہوکر غیر ملکی حکومت کو اپنے اوپر سے اٹھا دینا چاہئے۔ لیکن ہندو، مسلمانوں میں ایسا اتفاق آج تک نہیں ہوا اور کوئی شخص یہ نہیں بتا سکا کہ یہ مطلوب اتفاق کس خاص وجہ سے نہیں ہوسکا، اور وہ خاص وجہ کب تک دور ہوسکے گی، اور اس کے دور ہونے کے بعد دوسری کوئی وجہ نااتفاقی کی پیدا نہ ہوگی۔ یہ سب کچھ بھی ہو جائے تو غیر ملکی حکومت قائم ہوگی وہ بھی غیر مذہبی یعنی غیر اسلامی ہوگی یا زیادہ سے زیادہ یوں کہہ لیجئے کہ نیم اسلامی ہوگی۔ قیاس یہ کیا جا رہا ہے کہ اس نیم اسلامی ملکی حکومت میں مسلمان اپنے آپ کو سنبھالنے اپنی شوکتِ رفتہ کو واپس لانے اور کھوئی ہوئی عزت و دولت وفضیلت کو دوبارہ حاصل کرنے میں بآسانی کامیاب ہو جائیں گے۔

یہاں تک اگرچہ محض خیالات و قیاسات ہی کا ایک سلسلہ ہے اور کامیابی حاصل کرنے یعنی بیمار کے تندرست ہونے کی کوئی یقینی اور حتمی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن ان تمام ممکنات کو واجبات تسلیم کرلینے کے بعد بھی ایک اور زبردست خدشہ یا اہم سوال سامنے آتا ہے جس کا حل اور جواب سوچنے اور تلاش کرنے کے بغیر چارہ نہیں۔ وہ یہ کہ ہندوستان کے جن مسلمانوں نے اس ملک کی قائم شدہ اسلامی حکومت کو کمزور بنا کر بالآخر فنا ہونے دیا ان مسلمانوں سے آج کل کے مسلمان کن کن باتوں میں فوقیت وفضیلت رکھتے ہیں اور ان میں کون کون سی قابلیتیں ان ڈیڑھ یا دو سو سال پہلے کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ یہ بھی سوچنے اور تلاش کرنے کی بات ہے کہ دو سو سال پہلے کے بزرگوں میں جس طرح اسلامی سلطنت کے برباد کرنے اور خود برباد ہونے کی قابلیت پیدا ہوگئی تھی موجودہ مسلمانوں میں

مِن حیث القوم اس کی جگہ نئی اسلامی یا نیم اسلامی سلطنت پیدا کرنے کے بعد اس کے قائم رکھنے اور مسلمانوں کی قوم کو زندہ اور مضبوط قوم بنانے کی اہلیت پیدا ہو چکی ہے۔ اہلیت کی تعیین جن دلائل کی بنا پر کی جائے گی وہ بجائے خود قابل نقد ونظر ہوں گے۔ تخیل کے اس صحراء میں آوارہ و سرگرداں ہونے سے بچانے کے لیے صاحب بصیرت حضرات نے ان مسلمانوں کو جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام یقین کرتے ہیں، مخاطب کر کے اس معقول بات کی طرف توجہ دلائی کہ:

اللہ تعالیٰ نے حکومت وسلطنت کے لیے قرآن مجید میں کچھ شرائط بیان فرمائی ہیں۔ ان شرائط کو پورا کرنے کے بعد ہر ایک قوم اس بات کی مستحق ہو سکتی ہے کہ اس کو بادشاہت و سلطنت عطاء کی جائے اور کچھ ایسی غلطیاں اور نالائقیاں ہیں کہ جس قوم میں ان کی کثرت ہو جاتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ حکومت وسلطنت چھین لیتا ہے۔ قوموں کے زندہ ہونے اور مرنے کے اسباب و علامات بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصولاً بیان فرما دیئے ہیں۔ قرآن مجید کی تمام تعلیمات اور اس کے بیان کردہ اصول کا غلط اور نادرست ہونا آج تک کبھی ثابت نہیں ہوا اور ان کے درست اور صحیح ہونے کی شہادتیں ہر زمانہ میں ظاہر وہویدا ہوتی رہی ہیں۔ لہٰذا ہمیں قرآن مجید کے معیار پر اپنی حالت کیوں نہ پرکھنی چاہیے۔ قرآن مجید نے سچے پکے مسلمانوں کے من حیث القوم حکومت وسلطنت پر فائز ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سچے پکے مسلمان اور قرآن مجید کی کسوٹی کے موافق سب سے بہتر مسلمان تھے۔ دنیا میں سب سے بڑی حکومت اور سب سے اچھی سلطنت کے مالک اور سب سے بہتر فرمانروا تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مسلمان جس زمانہ میں جس قدر اسلام میں ناقص ہوئے اسی قدر ان کی حکومت وسلطنت کمزور و ناقص ہوتی گئی۔ اور نکبت و ذلت ان کو تلاش کرنے لگی۔ چنانچہ ساڑھے تیرہ سو سال کی تاریخ کا ایک ایک ورق اس کی صداقت پیش کر رہا ہے۔ اسلام اور کلام الٰہی سے من حیث القوم غفلت اختیار کر لینے کے باوجود مسلمانوں کے کامیاب و فائز المرام ہونے کی کوئی مثال کسی زمانہ میں تلاش نہیں کی جا سکتی۔ پس ایسے عظیم الشان استقرائی ثبوت کے موجود ہوتے ہوئے آج مسلمانوں کا اپنی

زبوں حالی کے دور کرنے کے لیے ادھر ادھر ٹاپک ٹوئیے مارنا اور قرآن مجید کی طرف متوجہ نہ ہونا اور قرآن مجید میں اپنے درد کی دوا تلاش نہ کرنا نہایت ہی تمسخر افزا اور حیرت انگیز ہے۔

اس سے زیادہ اچھی اور صحیح بات مسلم قوم کے مرض اور اس کے علاج کی نسبت اب تک نہیں کہی گئی اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ازالۂ مرض کا بس یہی ایک صحیح علاج ہے۔ دس بارہ سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ میں اپنا یہی خیال اپنے چھوٹے سے رسالہ ''اکابر قوم'' کے خاتمہ میں ظاہر کر چکا ہوں۔حکومت وسلطنت کا حصول اور صفاتِ حسنہ کا وصول نتیجہ ہے صحیح اسلام پر قائم ہونے اور قرآن مجید کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لینے کا۔ مسلمانوں کا فرض تو صرف سبب کا موجود ومہیا کر دینا ہے نتیجہ اللہ تعالیٰ خود مرتب فرمائے گا۔ یہ باتیں بھی نئی نہیں ہیں بلکہ تحریر وتقریر کے ذریعہ شائع ہوتی اور مسلمانوں کی سماعت ومطالعہ میں آتی رہی ہیں لیکن تعجب اور افسوس ہے کہ ایسی نیک اور پاک بات کا کوئی خصوصی اثر اور ایسے صحیح مشورہ پر عمل کی کوئی سرگرمی مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔

بس یہی احساس ہے جو اس کتاب کی نگارش کا موجب ہوا

میں نے جب اس بات پر غور کیا کہ مسلمان قرآن مجید اور سنت ثابتہ واحادیث صحیحہ کی طرف کیوں متوجہ نہیں ہوتے تو مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچا:

① ..... مسلمانوں میں اس وقت تک تاریخ اور مذہب بالکل جدا اور ایک دوسرے سے اجنبی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ وہ جب تاریخ پڑھتے تو خلفاء اور سلاطین کے حالات، جنگ وپیکار کے ہنگاموں، دربار اور درباریوں کے کاموں کو پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس وقت مذہب احکام قرآنی، احادیث نبوی، عام مسلمانوں کی مذہبی زندگی، بدعات ومراسم اور ان کے بد نتائج وغیرہ کا ان کو بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ بخلاف اس کے جب مذہبی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں اور فقہی اختلافات، علماء کے مباحثات، ائمہ کے اجتہادات وغیرہ پڑھتے ہیں تو حکومت وسلطنت کے حالات کی طرف سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں اور کسی کو

یہ خیال نہیں آتا کہ جس عالم یا جس امام یا جس صوفی کے اقوال واعمال کا حال ہم مطالعہ کر رہے ہیں یہ کس زمانہ میں تھا کس شہر میں رہتا تھا، کس کی حکومت میں تھا، دربار سلطنت سے اس کا کیا تعلق تھا، اس وقت کے دوسرے علماء کی کیا حالت تھی، اس زمانہ میں کون کون سی رسمیں ایجاد ہو چکی تھیں، کون سی کتاب، کس زمانہ اور کن حالات میں تصنیف ہوئی۔ سلطنت کا اثر عوام کے اعمال وعقاید پر کس قدر اور کس قسم کا تھا۔ کون سی رسم کس نے ایجاد کی، کون سی بدعت کس زمانہ میں کس طرح رائج اور مقبول ہوئی وغیرہ یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وقت سے لے کر اب تک اسلام کن کن حالات میں ہو کر مسلسل گزرتا رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی تعلیمات کا صحیح خاکہ اکثر ''اعلم العلماء'' کہلانے والوں کے دماغ میں بھی قائم نہیں اور وہ اسلام کے متعلق بآسانی صحیح تعلیم دینے اور لوگوں کو اسلام سے واقف بنانے میں عموماً ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ تبلیغ مذہب اور اصلاح اعمال وعقاید میں تاریخ جو کام کر سکتی ہے اس کا اندازہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا تاریخی واقعات اور گزشتہ لوگوں کے حالات کو وعظ وتذکیر کے لیے بیان فرمایا اور ان تاریخی حالات کو سامان عبرت قرار دیا ہے۔ لیکن اپنی مکمل ومفصل تاریخ موجود رکھتے ہوئے نصیحت گیری میں اس سے کام نہیں لیتے۔ پس ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو تاریخ سے کام لینا بتایا جائے اور بدعاتِ سیئہ اور مراسم مذمومہ اور ان کے بدنتائج کی صحیح تاریخ سنائی جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کر سکیں۔

② .....عربی کا رواج اس ملک میں شروع ہی سے ایک قلیل طبقہ تک محدود رہا ہے قرآن مجید سے واقف ہونے کے لیے بہت سے اردو ترجمے موجود ہیں جن میں بعض بہت اچھے اور صحیح ہیں۔ لیکن جیسا کہ چاہئے تھا مسلمانوں نے قرآن مجید کے ترجموں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ باترجمہ قرآن عموماً بطور فیشن یا بطور تبرک خریدے اور الماریوں کے سب سے اونچے خانوں میں خوبصورت غلافوں کے اندر رکھے جاتے ہیں۔ پڑھنے سمجھنے اور تدبر کرنے کے کام میں نہیں لائے جاتے۔ ناولوں، افسانوں، تذکروں، سیاسی کتابوں، ادبی رسالوں کے لیے تو پڑھے لکھے مسلمانوں کا بہت سا وقت صرف ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کے

ایک یا آدھے پارے بلکہ ایک یا آدھے رکوع کا ترجمہ روزانہ تدبر کے ساتھ پڑھنے کی گنجائش اپنے اوقات میں نہیں نکال سکتے ایسی حالت میں جاہلوں اور بے پڑھے لکھے لوگوں سے شکایت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں میں جو جماعت زیادہ بااثر خوش حال، تعلیم یافتہ اور عوام کو اپنا ہم خیال و مطیع بنانے میں کوشاں ہے وہ اکثر انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے جو عموماً بیرسٹر، پلیڈر، ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، انسپکٹر ڈپٹی کلکٹر، منسٹر ماسٹر اور مسٹر وغیرہ ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی باتیں عام مسلمانوں کو زیادہ ماننی پڑتی ہیں۔ لیکن اس انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کا قرآن مجید سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں۔ لہٰذا سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کس طرح اس بااثر طبقہ کو قرآن مجید کے حسن دلربا کا تماشائی بنا کر اس کا شیدائی بنایا جائے۔

③...... تقلید جامد اور آباء پرستی نے عام طور پر مسلمانوں کے قوائے عقلیہ اور فہم و فراست کو ماؤف و معطل کر دیا ہے۔ شرکیہ و بدعیہ مراسم میں مبتلا ہونے کی مصیبت کے ساتھ ہی کسی معاملہ کو فہم و خرد کی کسوٹی پر پرکھنے اور صداقت و راستی کی حمایت میں جرأت کے ساتھ مستعد ہو جانے کی قابلیت و ہمیت بھی عام طور پر مسلمانوں سے رخصت ہو چکی اور رخصت ہو رہی ہے اور اسی لیے قرآن و حدیث سے عام طور پر مسلمان بیگانہ و بے تعلق نظر آتے ہیں۔ پس ضرورت ہے کہ اندھی تقلید اور اسلاف و آباء پرستی کی فہم کش اور حماقت آفرین قید و حراست سے مسلمانوں کو آزاد کیا جائے، تاکہ وہ اس سچے اسلام کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسلام تھا اپنا مذہب قرار دے سکیں اور ان میں دماغی نشو و نما جو لازمۂ اسلام ہے موجود و نمایاں ہو۔

④...... جاہل گور پرستوں، مراسم پرستوں، پیر پرستوں، عجائب پرستوں اور ان احمقوں کے سرپرست پیشہ ور پیروں، صوفی نما چالاک و شعبدہ باز فقیروں، گدی نشینوں اور شرارت پیشہ نفس پرستوں نے مسلمانوں کی توجہ کو کتاب و سنت اور فہم و فراست کی طرف سے روکنے کے لیے نہایت زبردست مورچے قائم کر رکھے ہیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد انسانیت اور انسانی مجد و شرافت کے حاصل کرنے سے رکی ہوئی ہے پس ضرورت ہے

کہ اس طلسم کو توڑ دیا جائے اور راستے کے اس پتھر کو اٹھا کر مسلمانوں کے لیے حقیقی اسلام سے واقف ہونے کی سہولت بہم پہنچائی جائے۔

⑤...... مسلمانوں میں جو لوگ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور متبع شریعت کہلاتے ہیں انہیں سے بہترین توقعات وابستہ ہوسکتی تھیں۔ لیکن وہ عموماً کور دماغی، کج بحثی، پست خیالی، تنگ حوصلگی اور ضدی پن کی نحوست میں ضرب المثل بن چکے اور مسلم قوم کی خیر وخوبی میں کوئی اضافہ نہیں کررہے، جس کا سبب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ لوگ جن پیشہ ور مولویوں کے زیر اثر ہیں انہوں نے غالبًا اپنے اثر و اقتدار کی حفاظت کے لیے گروہ بندی اور اکابر پرستی کے آہنی حصار قائم کرکے ان لوگوں کو کتاب وسنت سے بے پروا اور ان کی فہم وفراست کو مفلوج بنا دیا ہے۔ ناقابل التفات الحاقی عقاید اور نہایت معمولی فروعی مسائل کو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں قطعاً کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے، دوکاندار اور پیشہ ور مولویوں نے فرائض و واجبات اور اصولی عقائد کی اہمیت دے کر آپس کی لڑائیوں اور گروہ بندیوں کا مستقل سامان بنا دیا ہے اور اس آگ پر تیل ڈالتے رہنے کا اہتمام اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ اس طلسم کو بھی توڑ دیا جائے۔

مذکورہ تاثرات کے ماتحت مذکورہ ضرورتوں کو مدنظر رکھے ہوئے میں نے اس کتاب کا مسودہ لکھنا شروع کیا۔ اور چند ہی روز میں ختم کرلیا۔ مسودہ لکھتے وقت میں نے ابواب و فصول کی تقسیم مطلق نہیں کی تھی بلکہ ساری کی ساری کتاب مسلسل لکھ کر ختم کرلینے کے بعد حواشی پر ابواب کے نشانات قائم کیے اور خاص خاص حصوں پر مضامین کے اعتبار سے سرخیاں لکھیں۔ اس طرح ممکن ہے کہ مضامین کی تقسیم وترتیب کسی قدر کمزور نظر آئے لیکن کتاب کا اوّل سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان مقاصد کو جن کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے بہت کچھ پورا کردے گا۔ آخر کے ابواب میں اس بات کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید کی عظمت دلوں پر چھا جائے اور نئی روشنی کے تعلیم یافتہ نوجوانوں اور دوسرے لوگوں کو قرآن مجید کے پڑھنے اور اس پر تدبر کرنے کی ترغیب ہو۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ایک حصہ کو تاریخی اور ایک کو قرآنی کہہ سکتے ہیں۔

میں نے اصل مسودہ میں قرآنی حصہ (جس میں قرآن مجید کی آیات بکثرت موجود ہیں) شروع میں لکھا تھا اور تاریخی حصہ آخر میں پورا ہوا تھا۔ لیکن بعد میں جب ابواب کی تقسیم عمل میں آئی تو کتاب کی ضخامت کم اور مختصر کرنے کے لیے بہت سے مضامین کو خارج اور کم کرنے کے علاوہ تاریخی ابواب کو مقدم کر کے شروع کے قرآنی ابواب کو اس لیے آخر میں رکھا گیا کہ کتاب پڑھنے والا جب کتاب کو ختم کرے تو اس کے دل پر قرآن مجید کی محبت و عظمت کا نقش باقی ہو۔

میں ان سمجھ دار لوگوں کے لیے جو عربی نہیں جانتے قرآن مجید کے لفظی ترجمہ کو پسند کرتا اور اسی لیے اپنے دوستوں کو مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کے ترجمۃ القرآن سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیا کرتا ہوں، تاکہ عربی زبان اور قرآن مجید کے اصل الفاظ سے تعلق پیدا ہو کر فکر و تدبر کا بھی لازماً کچھ نہ کچھ موقع ملتا رہے۔ لیکن میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ عربی زبان کا لفظی ترجمہ جس میں الفاظ کی تعداد زیادہ نہ ہو ممکن ہی نہیں۔ اس کتاب میں آیات قرآنی کا جو ترجمہ میں نے درج کیا ہے اس میں سب سے زیادہ خیال اور لحاظ اس بات کا رکھا گیا ہے کہ عربی کے الفاظ اور جملات کا جہاں تک ممکن ہو پورا اور نہایت صحیح مفہوم کم سے کم الفاظ میں ادا ہو جائے۔ تاہم جہاں کہیں اردو زبان کی بے بضاعتی کے سبب زیادہ الفاظ ادا کیے بغیر اصل مفہوم ظاہر ہی نہیں ہو سکتا تھا وہاں زیادہ الفاظ اور تفسیری جملے بھی استعمال کر لیے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ جو لوگ عربی زبان بالکل نہیں جانتے ان کو مطمئن رہنا چاہیے کہ آیات قرآنی کا اردو ترجمہ نہایت احتیاط اور پوری دیانت و امانت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ یہ بھی عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کتاب بہت ہی تھوڑے عرصہ میں جب کہ میں فارغ البال اور مطمئن بھی نہ تھا گویا قلم برداشتہ پوری ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کو نقشِ اوّل سمجھنا چاہیے۔

میں اس بات سے ناواقف نہیں کہ اس کتاب کے شائع ہوتے ہی بہت سے حلقوں میں کھلبلی مچ جائے گی اور شیطان اپنی ذریت کو مسلح کر کے میدان میں صف بستہ کر دے گا اور اپنے قلعوں کا انہدام خاموشی سے نہ دیکھ سکے گا۔ لیکن میں غوغائیوں کے جوش خروش، کفر

یہ فتووں، معاندانہ اور جاہلانہ تنقیدوں، مضمون آفرینیوں اور افترا پردازیوں کا پہلے ہی سے بہت بڑھا چڑھا کر اندازہ کر چکا ہوں اور نہایت سکون قلب کے ساتھ اس کتاب کو شائع کررہا ہوں۔ میں نے الحمد للہ اس کتاب میں ایک جملہ بلکہ ایک لفظ شرارت اور ہنگامہ پردازی کی راہ سے نہیں لکھا۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے بطور عبادت اس کام کو انجام دیا ہے اور مجھ کو امید ہے کہ سعید روحیں ضرور میری تائید پر آمادہ ہو جائیں گی۔ میری تمام تر توقعات اپنے اللہ سے وابستہ ہیں۔اسی کی حمایت اور اسی کی حفاظت میرے لیے کافی ہے۔

سالہا سال سے زمین پر ایک جگہ پڑی ہوئی پتھر کی سل کو جب اٹھایا جاتا ہے تو اس کے نیچے کی پرنم زمین پر بہت سے باریک باریک کینچوے اور چھوٹے چھوٹے کیڑے جو تاریکی میں پیدا ہوئے تھے اس پتھر کے یکا یک اٹھنے سے بے تاب ہو جاتے اور ان میں کھلبلی سی مچ جاتی ہے لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہ غائب ہو جاتے اور اپنے لیے تاریک سوراخ تلاش کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مجھ کو توقع ہے کہ اس کتاب کے شائع ہونے سے جو تلاطم برپا ہوگا وہ عارضی اور چند روزہ ہوگا اور تاریکی کے فرزندوں کو مستقبل خود بتا دے گا کہ حق وصداقت کس کے ساتھ ہے۔

یہ بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اصولاً اسلامی ضرورت کو مدنظر رکھ کر لکھا ہے افراد یا اشخاص کے تصور سے میرا دماغ بالکل پاک اور صاف تھا۔ میں نے کسی معلوم و متعین شخص کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہا۔ ہاں! بُری باتوں کو بُرا ثابت کرنے سے اگر کسی کو نقصان پہنچتا ہو تو مجھ کو اس کی مطلق پروا نہیں۔ یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں سب سے زیادہ اپنے آپ کو مستحق اصلاح سمجھتا، اپنے اندر سب سے زیادہ عیوب پاتا اور اوّلین مخاطب اپنی ہی ذات کو قرار دیتا ہوں۔

اس کتاب کے ابتدائی ابواب کی نسبت کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے عیوب کو اس طرح بے پردہ کرنا مصلحت کے خلاف اور شماتت ہمسایہ کا موجب ہوگا ایسے معترض کو آگاہ رہنا چاہئے کہ اس کا اندیشہ بالکل بے حقیقت اور اس کی احتیاط و مصلحت سراسر غیر

ضروری، بزدلانہ، جاہلانہ اور تعلیمات اسلامیہ کے خلاف ہے۔اس وقت اس کتاب کے ذریعہ امت مسلمہ کے جس خاص پہلو کو نمایاں اور بے پردہ کیا گیا ہے اس کے بے پردہ ہونے کی دواء نہایت سخت ضرورت پیش آ گئی ہے اور اس کے بغیر مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔لہٰذا اس تلخ دوا کو اس کے اثر شیریں کا تصور اور یقین کرتے ہوئے اللہ شافی کہہ کر پی جایئے۔ والسلام

اکبر شاہ خان
نجیب آباد
۳۱۔اگست ۱۹۲۹ء

باب اوّل:

ملتِ اسلامیہ میں فتنوں کی ابتداء

مسلمانوں میں جن فتنوں نے رونما ہو کر شیرازۂ ملت کو منتشر اور کمزور کیا ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک اندرونی اور دوسرے بیرونی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم برائے نام ہی ہے کیونکہ منافقوں اور کافروں کا برپا کیا ہوا کوئی فتنہ ایسا نہیں جس کو خود مسلمانوں کی غلطی اور بے راہ روی نے تقویت پہنچا کر کامیاب نہ بنایا ہو، اور مسلمانوں کی کوئی قابل تذکرہ غلط کاری اور نالائقی ایسی نہیں جس میں منافقوں اور کافروں کی سعی و کوشش کو دخل نہ ہو، آدم و شیطان کی جو مخالفت شروع ہوئی تھی وہ گویا نور وظلمت کی معرکہ آرائی تھی۔ جو آج تک برپا ہے انبیاء علیہم السلام اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے والے آدم علیہ السلام کی ذریت اور نور کے مظاہر ہیں۔ ان انبیاء اور تعلیمات انبیاء کے مخالفین کو ذریت شیطان اور فرزندانِ ظلمت سمجھنا چاہیے۔ ان دونوں گروہوں کی کشمکش قیامت تک باقی رہے گی۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب دنیا کے پردہ پر موجود نہ ہوگا اور کفر و اسلام یا نور وظلمت کی یہ کشمکش بالکل ختم ہو جائے گی۔ انہوں نے آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کا اصل مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہے کیونکہ کلام مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی وقت اسلام کے سوا باقی تمام ادیان باطلہ فنا ہو کر دنیا میں کفر و اسلام کی کشمکش ختم ہو جائے گی بلکہ:

﴿ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾

[المائدہ: ۵/۱۴]

سے قیامت تک غیر مسلموں اور گمراہ لوگوں کے باقی رہنے کا صاف ثبوت موجود ہے اور

﴿ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾ [ص:۳۸/۷۹]

''کہنے لگا:'' اے میرے رب! مجھے لوگوں کے (مرنے کے بعد) دوبارہ (زندہ ہوکر) اٹھ کھڑے ہونے کے دن تک مہلت دے۔''

وغیرہ آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے پیش گوئیوں سے تعلق رکھنے والی حدیثوں کے ذخیرہ میں موضوعات کی جو کثرت ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ آئندہ کی کوئی خبر آیات قرآنی کی خبر تو احادیث نبوی میں آسکتی ہے لیکن مفہوم قرآنی کے مخالف کوئی خبر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ہرگز بیان نہیں ہوسکتی۔ بہر حال یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ نور وظلمت کی کشمکش اور معرکہ آرائی سے اسلام کی تاریخ کا کوئی صفحہ خالی نہیں اور نہ خالی ہونا چاہیے تھا۔ اس جگہ اصل مضمون یہ بیان کرنا ہے کہ ملت اسلامیہ میں فتنوں کی ابتداء کس طرح ہوئی۔

عبداللہ بن سبا اور مختار ثقفی

رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی نصف عہد خلافت تک بظاہر ملتِ اسلامیہ میں امن وسکون تھا اور ۳۰ھ تک مسلمانوں نے دنیا کا اتنا بڑا اور اہم رقبہ فتح کرکے اپنی حکومت وسیادت میں شامل کرلیا تھا کہ باقی بچا ہوا تاریک رقبہ کے مقابلہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا اور اسلام کی دینوی طاقت اگر چاہتی تو باقی تمام دنیوی طاقتوں کے مجموعہ کو بآسانی کچل سکتی تھی لیکن راس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بروز ثانی عبد اللہ بن سبا صنعانی یہودی نے اسلامی جامہ پہن کر اور دوسرے منافقوں سے تقویت پا کر اور بہت سے نومسلموں کو فریب دے کر وہ سب سے پہلا فتنہ امتِ مسلمہ میں برپا کیا جس نے اسلام کے مٹائے ہوئے خاندانی امتیاز اور نسلی عصبیت کو تعلیمات اسلامیہ اور مقاصد ایمانیہ کے مقابلہ میں پھر زندہ اور بیدار کرکے مسلمانوں کو مبتلائے مصائب اور خانہ جنگی میں مصروف کردیا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپس کے اتفاق اور مسلمانوں کی باہمی الفت کو ایک عظیم الشان نعمت قرار دیا ہے اور اسلام نے تمام نسلی و خاندانی امتیازات مٹا کر

اور باپ دادا کے تمام مراسم بھلا کر مسلمانوں کی ایک قوم بنائی تھی جس کا مقصد زندگی اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت اور علاء کلمۃ اللہ کے سوا اور کچھ نہیں تھا لیکن چونکہ بالکل نئے نومسلموں کی بڑی تعداد قرآن مجید اور اس کی تعلیمات سے کما حقہ ابھی واقف نہیں ہو چکی تھی اور ان میں ابھی تک تقلید آباء اور حمیۃ الجاہلیہ کے جراثیم پورے طور پر ہلاک نہیں ہونے پائے تھے۔ لہٰذا منافقوں کے برپا کردہ فتنہ نے جس طرح عہد نبی میں بھی بعض مسلمانوں پر تھوڑی دیر کے لیے کچھ نہ کچھ اثر ڈالا تھا اسی طرح اب بھی ان نومسلموں پر اثر ڈالا۔ جس قدر ان مسلموں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسلام و روحانیت میں فرق تھا، اسی قدر یہ اس فتنہ سے زیادہ متاثر ہوئے۔

عبد اللہ بن سبا صنعانی نے مدینہ، بصرہ، کوفہ، دمشق اور قاہرہ تمام مرکزی شہروں میں تھوڑے تھوڑے دنوں قیام کر کے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہایت چالاکی، ہوشیاری اور شرارت سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے حقدار خلافت ہونے کو جدید الاسلام لوگوں میں اشاعت دے کر بنی امیہ اور بنی ہاشم کی پرانی عداوت اور عصبیت کو جو مردہ ہو چکی تھی پھر زندہ اور بیدار کرنے کی ناپاک کوشش کی حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صاف ارشاد فرما چکا تھا کہ:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [آل عمران:۳/۱۰۳]

''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اللہ کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے میں گر کر ہلاک ہونے والے تھے کہ اللہ نے تم کو اس

سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت یافتہ بنو۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز خانہ کعبہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر قریش اور شرفائے عرب کے اجتماع عظیم کو مخاطب کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعظِمُهَا بِالْاٰبَاءِ النَّاسِ مِنْ اٰدَمَ خَلَقَ مِنْ تُرَابٍ قَالَ اللّٰهُ ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ﴾ [1]

”اے گروہ قریش! ...... اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا کے فخر کو دور کر دیا۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبائل بنائے تاکہ الگ پہچان ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں بزرگ وہی ہے۔ جو متقی (پرہیز گار) ہے۔“

عبد اللہ بن سبا نے سب سے پہلے مدینہ منورہ یعنی دارالخلافہ میں اپنے شر انگیز خیالات کی اشاعت کرنی چاہی مگر چونکہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت اور ان کا اثر غالب تھا لہٰذا اس کو ناکامی ہوئی اور خود ہاشمیوں ہی نے اس کے خیالات کو سب سے زیادہ ملعون و مردود قرار دیا۔ مدینہ سے مایوس ہو کر وہ بصرہ کی چھاؤنی میں پہنچا۔ وہاں عراقی اور ایرانی قبائل کے نومسلموں میں اس نے کامیابی حاصل کی اور اپنی ہم خیال ایک جماعت بنا کر کوفہ پہنچا۔ اس فوجی چھاؤنی میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود تھے یہاں بھی وہ اپنے حسب منشاء ایک مفسد جماعت بنانے میں کامیاب ہوا۔ کوفہ سے دمشق پہنچا وہاں بھی اس نے تھوڑی بہت شرارت پھیلائی لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حاکم شام کے بروقت مطلع ہو جانے سے زیادہ دنوں قیام نہ کر سکا، وہاں سے قاہرہ پہنچ کر اس نے سب سے زیادہ

[1] سيرة ابن هشام (٤١٢/٢)

کامیابی حاصل کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ اور قاہرہ کے فسادی عناصر نے مل کر مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ ظہور میں آیا۔ اس فتنہ نے ۳۰ ھ سے ۴۰ ھ تک مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مصروف رکھ کر اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے کام کو نقصان پہنچایا اور مسلمانوں میں خاندانی و نسلی رقابت کو از سر نو پیدا کر کے قرآن کریم کی طرف سے ان کی توجہ کو کم کر دیا اور جس حبل اللہ کے مضبوط پکڑے رہنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی تھی اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۱ ھ میں اس تفرق و تشتت کے بد نتائج کو محسوس کر کے عبد اللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کے پیدا کردہ فتنہ کا بڑی ہمت و بہادری کے ساتھ خاتمہ کیا اور امت مسلمہ پھر ایک مرکز سے وابستہ ہو گئی۔ بیس سال کے امن و امان اور بحری و بری فتوحاتِ اسلامیہ کے بعد امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات، یزید کی تخت نشینی اور کربلا کے حسرت ناک حادثہ نے ایک طرف مشرکوں اور دوسری طرف منافقوں کو پھر جرأت دلا کر مصروف کار بنا دیا اس مرتبہ جو طوفان برپا ہوا اس میں مشرکوں اور کافروں کو تو کامیابی مسلمانوں کے مقابلہ میں حاصل نہ ہو سکی۔ لیکن منافقوں کے برپا کیے ہوئے فتنوں نے قریباً بارہ تیرہ سال تک بڑے بڑے عظیم الشان نقصانات پہنچائے۔ جو بہت دور رس اور دیر پا ثابت ہوئے۔ پہلے طوفان میں جو ۳۰ ھ سے ۴۰ ھ تک دس سال قائم رہا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد زندہ موجود تھی۔ لیکن اس طوفان میں جو ۶۱ ھ سے ۷۳ ھ تک برپا رہا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت سے فوت ہو چکے تھے۔ صرف چند نفوس قدسیہ باقی تھے اور قرآن کریم کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ کم ہو کر دوسری چیزوں کی طرف زیادہ صرف ہونے لگی تھی۔ لہٰذا منافقوں کو اسلام کے خلاف زیادہ آزادی سے کام کرنے کا موقع ملا اور مسلمانوں نے نہ صرف یہ کہ خانہ کعبہ کی بے حرمتی کو اپنے انتقامی جذبہ کے مقابلہ میں گوارا کیا بلکہ عبد اللہ بن سبا کے بروز ثانی مختار بن عبیدہ ثقفی کی مشرکانہ تعلیم اور کفریہ دعاوی کو بھی جزو اسلام سمجھ لیا۔ سلیمان بن صرد ہاشمیوں اور شیعان علی کو فراہم کر کے جنگ عین الوردہ میں ہزار ہا مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرا چکا تھا۔ کہ مختار مذکور نے محمد بن حنفیہ برادر سیدنا

حسین رضی اللہ عنہ سیدنا عبد اللہ بن عمر، کو دھوکا دے کر کوفہ میں اپنی قبولیت و رسوخ کے لیے راہ نکالی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حادثہ کربلا کے دلگداز و حسرت ناک تذکرہ کو آلہ کار بنا کر عبد اللہ بن سبا نے فتنہ خفتہ کو بیدار کر کے خاندانی امتیازات اور قبائلی عصبیتوں میں جان ڈال دی۔ پھر اس کے بعد قوت وشوکت اور کوفہ کی حکومت حاصل کر چکا تو بجائے اس کے کہ اپنے ابتدائی دعاوی و اعلانات کی موافق علویوں کو حکومت و خلافت دلاتا (اُلٹا) مسلمانوں کو ہی مشرک و کافر بنانا شروع کیا۔ اس نے نہایت چالاکی سے کوفہ والوں کو اپنی کرامتوں اور خوارق عادات طاقتوں کا یقین دلایا۔ کوفیوں کی مدد سے حاکم کوفہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے خود حاکم کوفہ بن گیا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جب کوفہ میں قیام پذیر تھے تو ان کی ایک کرسی تھی، جس پر وہ اکثر بیٹھتے تھے، وہ کرسی ان کے بھانجے جعدہ بن ام ہانی بنت ابی طالب کے قبضہ میں تھی۔ مختار نے وہ کرسی ان سے طلب کی۔ انہوں نے وہ کرسی تو نہ دی مگر ایک دوسری اسی قسم کی کرسی پیش کر دی۔ مختار نے اس کرسی کو سامنے رکھ کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر بوسہ دیا اور اپنے تمام مریدوں کو جو اس کی فوج کے سپاہی تھے، جمع کر کے کہا کہ، جس طرح اللہ تعالیٰ نے تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل کے لیے موجبِ نصرت و برکت بنایا تھا اسی طرح اس کرسی کو شعیانِ علی رضی اللہ عنہ کے لیے نشانی قرار دیا ہے اب ہم کو ہر جگہ فتح ونصرت حاصل ہو گی، لوگوں نے اس کرسی سے آنکھیں ملیں بوسے دیے اور اس کے آگے سجدے کیے۔ مختار نے ایک صندوق یعنی تابوت نہایت خوبصورت اور مرصع بنوایا۔ اس کے اندر کرسی رکھی گئی تابوت میں چاندی کا قفل لگایا گیا۔ جامع مسجد کوفہ میں تابوت کو رکھ کر اس کی حفاظت کے لیے ایک فوجی گارڈ مقرر ہوا۔ ہر شخص جو جامع مسجد کوفہ میں نماز پڑھتا اسے بعد نماز اس تابوت کو ضرور بوسہ دینا پڑتا۔ اس کے بعد مختار نے نہایت چالاکی سے بتدریج اپنے الہام و وحی کا ذکر لوگوں سے کیا اور پھر بہت جلد نبوت کا مدعی بن کر اپنے نبی ہونے کا اقرار لینے لگا۔ مختار کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے داماد سیدنا مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ، برادر سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بتاریخ ۱۴ رمضان المبارک ۶۷ھ شکست دے کر کوفہ میں قتل کیا۔

سوچنے اور غور کرنے کے قابل یہ بات ہے کہ اسلام کا کس قدر ابتدائی زمانہ ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ابھی تک تھوڑے بہت دنیا میں زندہ موجود ہیں لیکن پھر بھی مختار بن عبیدہ ثقفی کوفہ والوں کو کس طرح گمراہ کر سکتا ہے،کوفہ کی تمام تر آبادی فوجیوں اور مختلف صوبوں کے باشندوں پر مشتمل تھی، جن میں ایک حصہ حضرموت ویمن وحجاز وغیرہ کے ان عربوں کا تھا جو ایران کی مجوسی سلطنت سے جنگ چھڑ جانے کے بعد مسلمان ہو کر اسلامی لشکر میں بھرتی ہونے کے لیے مدینہ منورہ میں آئے اور آتے ہی سرحد ایران کی طرف بھیج دیے گئے۔کچھ عراق عرب کے وہ عربی النسل قبائل تھے جو اس سے پہلے ایرانی شہنشاہی کے محکوم اور اب مسلمان ہونے کے بعد اسلامی لشکر میں شامل ہو کر فوجی خدمات بجا لانے لگے تھے، ان کو مدینہ منورہ جانے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ کچھ ایرانی لوگ تھے جو ملک ایران کے مفتوح ہو جانے پر کوفہ کی چھاؤنی میں جو بہت جلد ایک شہر کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی آ بسے تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم علمائے اسلام کی تعداد بہت ہی کم اور برائے نام تھی۔فتوحات اور سامان راحت کی فراوانی اور کوفہ کے مرکزی مقام بن جانے نے ان فوجیوں کو یہیں کا باشندہ بنا دیا اور اپنے بے آب وگیاہ ریگستانوں اور گمنام بستیوں کی طرف واپس جانے سے باز رکھا۔پہلی نسل کا ایک بڑا حصہ جس کا تمام زمانہ میدان جنگ کی مصروفیتوں میں گزرا تھا۔ کسی طرح اسلامی تعلیم کا پورا عالم نہیں کہا جاسکتا تھا اور عہد جاہلیت کے جذبات سے بالکل پاک نہ تھا، نیز یہودیوں،عیسائیوں اور مجوسیوں میں جو لوگ (دل سے) قریشیوں اور عربوں سے نسلی عناد رکھتے تھے اور شوکتِ اسلام سے مرعوب ہو کر منافقانہ طور پر مسلمانوں میں شامل اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے خواہاں تھے۔ ان کے لیے کوفہ ہی سب سے بہتر تھا اور سب سے بہتر میدان عمل تھا۔یہ لوگ کسی وقت بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں رہے چنانچہ ابوزید عیسائی منافق نے مختار سے بہت دنوں پہلے ایک مسلمان گورنر کی مصاحبت میں داخل اور اس کے مزاج میں رسوخ حاصل ہونے کے بعد اس کو شراب نوشی کی ترغیب دی تھی جس کا تذکرہ تاریخوں میں موجود ہے۔ دوسری نسل جس نے خانہ جنگیوں ہی میں آنکھیں کھولی تھیں کوفہ کی مذکورہ فضا میں رہ کر کوئی ترقی نہ کر سکی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی

شہادت، سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشاجرات، جنگ جمل اور جنگ صفین، خوارج کے ہنگامے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، حادثہ کربلا وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جو عبداللہ بن سباء کی برپا کردہ شرارت کے نتیجے میں یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی رہیں۔ اور کوفہ والوں کا ان سب سے تعلق رہا۔ کوفہ کے عوام تو کیا مکہ اور مدینہ کے خواص کو بھی مذکورہ واقعات نے اپنی طرف متوجہ اور متاثر کیا۔ صحابہ کرام کی جو جماعت ان مذکورہ ہنگاموں سے جدا اور تبلیغ اسلام اور تعلیم قرآن میں مصروف رہی ان کے کاموں کو بھی ایک حد تک ان ہنگاموں نے محدود کر دیا۔

بہر حال کوفہ والے جو مختار مذکور کے فریب میں آ گئے اس کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ان کی غالب تعداد حقائق قرآنی سے غافل اور تعلیمات اسلامیہ میں ادھوری تھی۔ چند ہی روز کے بعد جب کوفہ والوں کو علم حاصل کرنے اور قرآن مجید کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا تو انہیں لوگوں کی آئندہ نسلوں میں بڑے بڑے علماء اور اتقیا اور بڑے بڑے امام پیدا ہوئے۔ میں نے اس جگہ مختار کی بے راہ روی اور کوفہ والوں کی غلط کاریوں کا تذکرہ اس لیے ضروری سمجھا کہ جو لوگ ہمیشہ باپ دادا اور اپنے اسلاف کے نام پر فدا ہونے کو فخر سمجھتے اور اپنے اسلاف کی کسی غلطی کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے وہ غور کریں اور سوچیں کہ عہد نبوی سے اس قدر قریب زمانہ کے لوگ بھی قرآن مجید اور احکام رسول سے غافل ہو کر کس قدر جلد اور کیسی قابل مضحکہ حرکات کے مرتکب ہو سکتے اور منافقین یعنی لشکر شیاطین کے ہاتھوں میں کس طرح کھلونا بن سکتے تھے۔ آج کل کے لوگ اپنے جن بزرگوں اور باپ دادوں کو محض پرانے لوگ ہونے کی وجہ سے معصوم سمجھتے اور ان کے خلافِ شرع اعمال کو اعمال صالحہ یقین کرتے ہیں ان کے مقابلے میں یہ کوفی لوگ جن کا اوپر ذکر ہوا بہت زیادہ پرانے اور قدیم لوگ تھے۔ تو کیا آج مختار کی نبوت کا اقرار کرنا اور اس کو فرستادۂ الٰہی سمجھنا جزو اسلام ہو سکتا ہے!!

مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی مسلسل کوششیں

عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے قبائلی عصبیت نسلی امتیاز اور خاندانی مخالفتوں کو بیدار اور مسلمانوں میں تشتت و افتراق پیدا کرنے کے لیے ایک ایسی زبردست جماعت بنا دی تھی۔ جس نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت وطرفداری کا اعلان کرکے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی فوج میں شامل ہوئی لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور ان کے احکام کی تعمیل کبھی نہیں کی۔ ہمیشہ عین وقت پر دھوکا دیتی اور ان کے بنے ہوئے کاموں کو بگاڑتی رہی۔ بہت ہی کم لوگوں نے اس طرف توجہ کی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں اور عہد علوی کی بے انتظامیوں کا اصل سبب کیا تھا؟ منافقوں کی اس زبردست جماعت نے جو عبداللہ بن سبا کے مرتب کردہ اصول پر قائم تھی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شروع سے آخر تک شامل رہ کر نہ ان کو قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا موقع دیا نہ انتظام ملکی کی طرف متوجہ ہونے کا موقع دیا۔ یہی جماعت تھی جس نے جنگ صفین میں سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ کو کامیابی حاصل کرنے سے روکا۔ پھر اسی جماعت نے جو خود ہی باصرار جنگ کو ملتوی کرا چکی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر جنگ کے ملتوی کرنے کا الزام لگا کر لوگوں کو ان کی مخالفت پر آمادہ کیا۔ یہی جماعت خوارج کا نام پاکر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں صف آراء اور بالآخر ان کی شہادت کا موجب ہوئی۔ پھر اسی جماعت نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بدنظمی پیدا کی، یہی جماعت تھی جس نے کوفہ و بصرہ وغیرہ لشکری مقامات کو اپنا جولانگاہ اور عراق و فارس کو جائے پناہ بنا کر امویوں اور ہاشمیوں میں مستقل عداوت اور مسلسل لڑائیوں کا سامان مہیا کیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ امویوں نے کامیاب ہوکر ایک طویل مدت کے لیے ہاشمیوں کو میدان سے نکال دیا اور فوراً فتوحات ملکی میں مصروف ہوگئے۔ منافقوں کی یہ جماعت بھی امویوں کے جاہ و جلال اور شوکت وعظمت کے مقابلہ میں اپنی اعلانیہ شرارتوں سے باز رہ کر روپوش اور پس پردہ کارروائیوں میں مصروف ہو گئی۔ امویوں نے اس جماعت کو پس پردہ کام کرنے کا خود اپنی ایک عظیم الشان غلطی کی

وجہ سے موقع دیا۔ امویوں کی وہ عظیم الشان اور نا قابل معافی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے خلافت اور اسلامی ریاست کو ایک خاص خاندان سے مخصوص و متعلق قرار دے کر اپنی اولاد کے ولی عہد بنانے کی رسم بد اسلام میں جاری کی اور یہی چیز تھی جس نے منافقوں کے لیے بھی کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا اور ہاشمیوں کے دلوں میں اور بھی زیادہ انتقام کا شعلہ بھڑکایا۔ ہاشمیوں نے ناکام رہ کر اور اکثر عربی قبائل کو امویوں کا وفادار وطرفدار پا کر جوش انتقام میں اسی مفسد جماعت کو اپنا آلہ کار بنایا اور بجائے عربوں کے ایرانیوں سے کام لینا ضروری سمجھا۔ ادھر بنی امیہ مطمئن ہو کر فتوحات ملکی کی طرف متوجہ ہوئے ادھر بنی ہاشم اپنی خفیہ جماعتیں بنانے اور خلافت بنو امیہ کا تختہ الٹ دینے کی تدبیریں سوچنے میں مصروف ہو گئے۔ ۷۳ء میں سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عبدالملک بن مروان کی خلافت شروع ہونے پر بظاہر مسلمانوں کی خانہ جنگی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ خلیفہ عبد الملک بن مروان خود بھی ذی علم اور بہت سے صحابیوں کی صحبت سے فیض پائے ہوئے تھا۔ مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، دمشق اور دوسرے مرکزی مقامات میں کوئی نہ کوئی صحابی موجود تھے۔ خانہ جنگی کے موقوف اور امن و امان کے قائم ہوتے ہی مسلمانوں کی ایک جماعت علم دین کی تحصیل میں اور دوسری جماعت ملکوں اور شہروں کی فتوحات میں مصروف ہو گئی۔ عبد الملک بن مروان کے بعد ولید بن عبد الملک اس کے بعد سلیمان بن عبد الملک اس کے بعد سیدنا عمر بن عبد العزیز ان کے بعد یزید بن عبد الملک اس کے بعد ہشام بن عبد الملک تخت نشین ہوئے۔ ہشام بن عبد الملک نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی۔ امویوں کے ان مذکور چھ خلفاء کی مجموعی مدت خلافت پچاس سال کے قریب ہوتی ہے۔ اس پچاس سال میں مسلمانوں نے ہر قسم کی دینی و دنیوی ترقی کی اور اندلس و مراکش سے لے کر سندھ، بلخ اور چین تک جو اس زمانہ کی قریباً تمام متمدن دنیا تھی، اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ امویوں کی مذکورہ پچاس سالہ خلافت اگرچہ خیر و برکت کے اعتبار سے خلافت راشدہ کے ابتدائی پچیس سالہ زمانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی تاہم یہ پچاس سال اسلام اور مسلمانوں کے لیے آئندہ اب تک کے تمام زمانوں سے بہتر اور اسلام کی عظمت اور شوکت کے لیے زرین زمانہ تھا۔ اس زمانہ

کے ختم ہونے سے پہلے تمام صحابہ کرام دنیا سے رخصت ہو چکے تھے اور ان کے شاگرد یعنی تابعی لوگ بھی جو دین کی تعلیم اور حفاظت کے کام میں مصروف تھے اکثر اسی زمانہ میں فوت ہو کر تبع تابعین کو اپنی قائم مقامی کا موقع دے چکے تھے۔ لیکن اسلام کے اس عروج اور فتح مندی کے زمانہ میں بھی منافقوں کی وہ مشتعل کی ہوئی آگ جس نے نسلی اور خاندانی رقابتوں کو بیدار کر دیا تھا اندر ہی اندر برابر سلگتی رہی اور خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے بعد چند ہی سال کے اندر اس کے شعلوں نے بلند ہو کر نہ صرف خلافت بنی امیہ کو برباد کر کے ہاشمیوں کے خاندان عباسیہ کو تخت خلافت دلوایا بلکہ اسلام کی ایک مرکزی حکومت کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کرنے اور دین اسلام کے صاف و سادہ و آسان عقائد و اعمال میں انواع و اقسام کے رخنے ڈال کر بہت سے گروہ اور جماعتیں پیدا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔

مخفی کارروائیاں اور ریشہ دوانیاں

مسلمانوں میں خاندانی اور نسلی عصبیت کا پیدا ہونا

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حادثہ شہادت سے ہاشمیوں اور امویوں میں جو معرکہ آرائیاں بلا ارادہ شروع ہو گئی تھیں۔ ان کا خاتمہ قریباً تیس چالیس سال کے بعد امویوں کی کامیابیوں پر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہاشمی تھے۔ اگر آپ نے نسلی امتیازات مٹا کر تمام مسلمانوں کو یکساں حقوق عطاء نہ فرما دیے ہوتے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان انسان سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی فوج میں محکوم سپاہی کی حیثیت سے شامل کیے جاتے۔ اور یہ کہاں ممکن تھا کہ سیدنا بلال (رضی اللہ عنہ) حبشی کو بڑے بڑے جلیل القدر قریش صحابہ سیدی کہہ کر مخاطب کرتے۔ اگر خاندان پرستی کی اسلام نے کوئی گنجائش رکھی ہوتی تو ممکن ہی نہ تھا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر تمام صحابہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت و سرداری پر متفق ہو جاتے یا ان کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے یا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تخت خلافت کے امیدوار نہ بنتے۔ چونکہ اسلام نے خلافت اور مسلمانوں کی امارت کو قابلیت اور انتخاب پر منحصر رکھ کر ایک امانت قرار دیا ہے جو تمام مسلمانوں کی طرف سے کسی قابل شخص کو سپرد کی جاتی ہے اور اسی وقت تک اس کے پاس رہ سکتی ہے جب تک وہ خیانت سے مجتنب رہ کر دیانت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہے۔ لہٰذا وہ کسی شخص کی ملکیت نہیں بن سکتی اور اس میں قانون وراثت مطلق داخل نہیں پا سکتا۔ عبد اللہ بن سبا کی تمام شرارتوں کا آخری نتیجہ یہی تھا کہ ہاشمیوں اور امویوں کی رقابتوں اور پرانی عداوتوں نے بیدار ہو کر اسلام کی اس زرین تعلیم کو فراموش کر کے خلافت و امارت کو اپنی ملکیت قرار دینا چاہا۔ ایک

طرف امویوں نے خاندانی ولی عہدی کا سلسلہ جاری کر کے تخت خلافت کو قانون وراثت کے ماتحت ایک خاص خاندان کی ملکیت قرار دیدیا دوسری طرف ہاشمیوں نے بھی خلافت کے حاصل کرنے کے لیے اسی خطرناک بدعت کو اپنا آلہ کار بنایا اور اس کام میں ایسے مصروف ومنہمک ہوئے کہ باقی تمام ضروری باتوں کی طرف سے غافل ہو کر عبد اللہ بن سبا کی تقلید پر آمدہ ہو گئے جن تدبیروں کو کام میں لا کر عبد اللہ بن سبا نے خلافت راشدہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی تھی انہیں تدبیروں اور اسی طرزِ عمل سے ہاشمیوں نے اپنی کامیابی کی امیدوں کو وابستہ کیا۔

امویوں کے خلاف ہاشمیوں کی مصروفیت

ہاشمیوں میں دو گھرانے سر برآوردہ اور مقتدا سمجھے جاتے تھے۔ ایک سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد، دوسری سیدنا عباس بن عبد المطلب کی اولاد یہ دونوں گھرانے اہل بیت نبوی میں شمار ہوتے تھے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کو چونکہ بنی امیہ کے مقابلہ میں براہ راست مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ اس لیے علویوں میں عباسیوں کی نسبت جوش انتقام زیادہ تھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سبب علویوں میں فاطمیوں کو زیادہ جوش تھا اور وہ زیادہ درپے انتقام تھے۔ علویوں میں دو گروہ تھے:

- ایک وہ جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کو مستحق خلافت سمجھتے تھے
- ایک وہ جو محمد بن حنفیہ برادر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ خلافت کا حقدار جانتے تھے
- تیسرا گروہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے ابتداً بہت ہی خاموشی اور نہایت غیر محسوس رفتار سے اپنا کام شروع کیا۔

ان تینوں صاحبوں نے ایک ہی مذکورہ راہ عمل اختیار کی کہ بظاہر امویوں کی خلافت کو تسلیم کرتے اور دوسرے لوگوں کی طرح پر امن رہتے۔ لیکن جن لوگوں کو اپنا ہمدرد اور کام کا آدمی پاتے ان سے خفیہ طور پر بیعت لیتے اور راز کے پوشیدہ رکھنے کی تاکید فرماتے امویوں

چونکہ امن و امان کے قائم رکھنے اور فتنوں کے مٹانے میں ابتداً سختی اور کشت و خون سے کام لینا پڑا تھا۔ لہٰذا کوفہ و بصرہ اور فارس میں جہاں صحابہ وتابعین اور ان کے اثر کی بھی قلت تھی اور مجوسیت کے جزبات بھی نومسلموں میں باقی تھے ایسے ہمدرد لوگ زیادہ مل گئے اور ان صاحبوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اہل بیت نبویؐ اور خاندان رسول سے ہونا سب سے زیادہ کارگر حربہ ہے جو لوگوں کو ہمارا ہمدرد و خیر خواہ بنا دیتا ہے چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر اپنے ہوشیار مشنری اور مناد جا بجا مذکورہ علاقوں میں پھیلا دیے اور تاکید کردی کہ بڑی احتیاط کے ساتھ غیر محسوس طریقہ سے لوگوں کو اہل بیت کی محبت کا وعظ سناؤ اور حسبِ توقع حکومتِ بنی امیہ کے عیوب و نقائص بھی سمجھاؤ یہ مخفی نشریہ علویوں نے بڑی ہوشیاری اور کامل مستعدی کے ساتھ عبدالملک بن مروان ہی کے زمانہ سے شروع کردیا تھا علویوں کے دونوں گروہوں نے ایک ہی اصول پر اپنا کام شروع کیا دونوں کو ایک دوسرے کی سرگرمیوں کا بخوبی علم تھا لیکن چونکہ دونوں ایک ہی دشمن (بنی امیہ) کے خلاف سرگرم کوشش تھے۔ لہٰذا ایک دوسرے کے رقیب اور مخالف نہ تھے بلکہ ایک دوسرے کے راز کو اطلاع ہو جانے پر پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے عباسیوں کے گروہ نے اپنی جداگانہ سرگرمیوں کو بالکل پوشیدہ رکھا اور علویوں کو اپنے معین و مددگار ہونے کا یقین دلاتے رہے ہر ایک گروہ کے داعی اور نقیب اگرچہ جدا جدا تھے۔ تبلیغ کے لیے احتیاطاً ان کو ایسے الفاظ استعمال کرنے کی تاکید کی گئی تھی کہ ایک دوسرے گروہ کے ساتھ تصادم لازم نہ آئے۔ مثلاً بجائے اس کے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، یا محمد بن حنفیہ یا سیدنا زین العابدین رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی جاتی صرف اہل بیت کا ایک عام لفظ استعمال کیا جاتا تھا اور اہل بیت کی فضیلت بیان کر کے ان کو مستحق خلافت ثابت کرنے کی کوشش ہوتی تھی۔ پھر یہی نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ بنی امیہ کی مخالفت کے جوش میں خارجیوں کے ساتھ بھی جو سبائی گروہ کا بقیہ تھا ہمدردی و اعانت کا برتاؤ جائز سمجھا گیا تھا کیونکہ خارجی بھی ابنی امیہ کو کافر کہتے اور ان کے خلاف کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔ حالانکہ خارجی جس طرح خلافت بنی امیہ کے دشمن تھے۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی اولا کی بھی مخالفت کر چکے تھے اور مخالف تھے۔

موضوع احادیث کس طرح وضع ہونی شروع ہوئیں؟

انہیں مذکورہ کوششوں کے سلسلہ میں مذکورہ نقیبوں اور داعیوں نے حسب ضرورت ہزار ہا جھوٹی حدیثیں اہل بیت کی فضیلت، مہدی کی آمد، امام برحق کی صفات، عباسیوں اور علویوں کے خلافت و امارت، محبت اہل بیت ذرا ذرا سی معمولی باتوں پر سینکڑوں حج ہزار ہا روزوں اور لاکھوں نمازوں کے برابر ثواب ملنے اور بعض اہم تکالیف شرعیہ کو برطرف کر دینے کے متعلق لوگوں کو سنائیں۔ بعض اصل حدیثوں میں حسب ضرورت اپنے مطلب کے فقرے بڑھا دیے۔ ان وضعی حدیثوں میں سے بعض بعض کا کتب احادیث میں بھی شامل اور موجود ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اسی زمانہ میں شیعوں کے بہت سے فرقوں کی بنیادیں قائم ہوئیں جن کا مجمل تذکرہ ان شاء اللہ آگے آنے والا ہے۔

علویوں کا اقدام عمل اور ناکامی

بنو امیہ نے اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد ہاشمیوں کے ساتھ ان کے حسب حال رعایت و تکریم کے برتاؤ میں کمی نہیں کی تھی، ہر ایک کے مناسب روزینے مقرر کر کے ان کو جاگیریں بھی عطاء کیں تھیں۔ چنانچہ محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس کو دمشق اور مدینہ کے درمیان علاقہ بلقاء میں قریہ حمیمہ بطور جاگیر ملا ہوا تھا اور وہ وہیں قیام پذیر تھے۔ ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب حجاز میں بیش قرار وظیفہ پاتے تھے۔ زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ کوفہ میں سکونت رکھتے اور خزانہ شاہی سے معقول وظیفہ پاتے تھے۔ بظاہر زید بن علی کی قیامگاہ بہت مناسب علاقہ میں تھی۔ لیکن واقعات نے رونما ہو کر ثابت کر دیا کہ سب سے بہتر مقام اس سازشی کوشش کو کامیاب بنانے کے لیے حمیمہ کا مقام تھا جس کی طرف آخر تک بنو امیہ کی توجہ مبذول نہ ہوئی اور عرصہ دراز تک کسی نے محمد بن علی کے حالات کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ علویوں کی باقاعدہ کوششیں عبد الملک بن مروان کے زمانہ سے شروع تھیں۔ لیکن عباسیوں نے

علویوں کی کارروائیوں کے طریقوں کو اچھی طرح سمجھ کر ۱۰۰ھ سے جب کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت تھا۔ اپنا باقاعدہ کام نہایت احتیاط اور پختہ اصولوں پر جاری کیا تھا نیز وہ علویوں کے دوسرے گروہ یعنی ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب والے گروہ کو اپنے ساتھ شامل کر کے خود سرگروہ بن گئے تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی تخت نشینی سے پہلے سلیمان بن عبد الملک کے عہد حکومت میں ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ خلیفہ کے پاس دمشق گئے۔ وہاں سے واپسی میں وہ محمد بن علی کے پاس حمیمہ میں بطور مہمان مقیم ہوئے اور بیمار ہو کر وہیں فوت ہو گئے۔ فوت ہونے سے پہلے انہوں نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو وصیت کے ذریعہ اپنا قائم مقام بنایا اور خلافت اسلامیہ بنوامیہ سے چھین لینے کی تاکید کی۔ اس وصیت نامہ نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی طاقت کو بہت بڑھا دیا۔ یعنی وہ تمام لوگ جو ابو ہاشم مذکور کے معتقد و ہمراز تھے۔ محمد بن علی کے ہاتھ پر آ کر مخفی طور پر بیعت ہو گئے۔ ۱۱۶ھ تک علویوں اور عباسیوں کی کوششیں ایک دوسرے کے متوازی جاری رہ کر اس نتیجہ تک پہنچیں کہ علویوں کے مشہور شیدائی حرث بن شریح ازدی نے خراسان کے شہر فاریاب میں حمایت اہل بیت کے لیے چار ہزار کی جانباز جماعت فراہم کر کے حکومت بنی امیہ کے خلاف خروج کیا اور نصر بن سیار حاکم بلخ کو شکست دے کر بلخ پر قابض ہو گیا۔ بلخ میں سلیمان بن عبداللہ بن حازم کو حاکم مقرر کر کے جرجان کی طرف بڑھا۔ جرجان پر قابض ہو کر مرو کی جانب متوجہ ہوا۔ مرو کے قریب پہنچ کر حرث بن شریح کی جمعیت ساٹھ ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ مگر مرو کے حاکم عاصم بن عبداللہ نے بڑی مستعدی کے ساتھ مقابلہ کر کے حرث بن شریح کو شکست دے کر بھگا دیا۔ آخر دو تین سال کی معرکہ آرائیوں کے بعد یہ فرو ہوا اور اس بغاوت اور معرکہ آرائی نے علویوں اور عباسیوں کو بہت سے مفید نتائج اخذ کرنے کے موقعہ دیا۔ زید بن علی کو خراسان و فارس و عراق میں اپنی کامیابی یقینی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے ۱۲۲ھ میں کوفہ کے اندر لوگوں سے مخفی طور پر جنگ کے لیے بیعت لینی شروع کی۔ چنانچہ کوفہ

ہیں، پندرہ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی جن میں سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ [1] زید بن علی کو ان کے بعض دوستوں نے ابھی خروج سے باز رہنے اور چند روز اور صبر کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن انہوں نے زیادہ تامل مناسب نہ سمجھ کر علانیہ اپنی امامت و امارت کا اعلان کیا۔ کوفہ کے حاکم یوسف بن عمر ثقفی نے اس بغاوت کے دبانے کی کوشش کی اور معرکہ آرائی تک نوبت پہنچی۔ کوفیوں نے عین وقت پر زید بن علی کو دھوکا دیا اور دوسو بیس آدمیوں کے سوا سب نے بیعت فسخ کر کے جدائی اختیار کی اور اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے۔ زید بن علی نے ان بیعت فسخ کرنے والوں کو ''رافضی'' کا خطاب دیا۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ زید بن علی مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ گورنر کوفہ کی فوج سے معرکہ آراء ہو کر مقتول ہوئے۔ ان کا سر کاٹ کر ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق بھیجا گیا۔ جہاں وہ دمشق کی شہر پناہ کے دروازے پر لٹکایا گیا۔ زید بن علی اور ان کے ہمراہیوں کی لاشیں یوسف بن عمر ثقفی گورنر کوفہ نے کوفہ میں لوگوں کی عبرت کے لیے سولی پر لٹکائیں اور برسوں اسی حالت میں لٹکی لوگوں کو بنی امیہ سے متنفر کرنے کی محرک بنی رہیں۔ ۱۲۵ھ میں زید بن علی کے بیٹے یحییٰ بن زید بن علی نے جرجان میں خروج کیا اور باپ کی طرح مقتول ہوئے۔ فاطمیوں کی اس ناکامی و بربادی نے عباسیوں کو زیادہ احتیاط اور دور اندیشی کی جانب مائل کر دیا اور ان کو ایرانی و عراقی لوگوں کے اندازہ کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ ادھر حکومت بنو امیہ کی توجہ علویوں کی طرف تو مائل ہوئی لیکن عباسیوں کی طرف سے وہ بالکل بے پروا رہے۔

عباسیوں کا خفیہ نظام

محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے ۱۰۰ھ میں اپنا ایک نقیب مسمی میسرہ عراق میں اور دوسرا نقیب ابومحمد صادق خراسان میں اپنے مقاصد کی تبلیغ کے لیے مامور کر دیا تھا۔ ابومحمد صادق کو خراسان میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور وہ ۱۰۴ھ میں وہاں کے چند با اثر لوگوں کو

---

[1] یہ بات محل نظر اور محتاج دلیل ہے مؤلف کے انداز سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے اس لیے اس نے صیغہ تمریض سے اس بات کو بیان کیا ہے۔

جنہوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ ہمراہ لے کر حمیمہ میں محمد بن علی کے پاس آیا۔ محمد بن علی نے ان لوگوں سے اپنے بڑے بیٹے ابراہیم کا تعارف کرا کر اور ان کو مناسب ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔ ابو محمد صادق کو کوفہ میں قیام کرنے کا حکم دیا اور بارہ نقیب اور مقرر کر کے مختلف ممالک اسلامیہ میں دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ کیے۔ ۱۰۵ھ میں بکیر بن ماہان جو سندھ کے گورنر جنید بن عبد الرحمٰن بن حرث بن خارجہ مزنی سے رخصت ہو کر کوفہ میں آیا ہوا تھا۔ ابو محمد صادق کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسی عباسی تحریک میں شامل اور چند ہی روز کے بعد اس قدر ذہین اور کارگزار ثابت ہوا کہ ابو محمد صادق اس کی ماتحتی میں کام کرنے لگا۔ چند ہی روز کے بعد بکیر بن ماہان کو محمد بن علی عباسی نے عراق و خراسان وغیرہ کے تمام نقیبوں کا افسر اور اپنی خفیہ تحریک کا ان ممالک کے لیے مہتمم اعلیٰ مقرر کیا۔ ۱۰۷ھ میں بکیر بن ماہان نے ابو عکرمہ، ابو محمد صادق، محمد خنیس، عمار بن زید عبادی وغیرہ چند شخصوں کو خراسان کی طرف خلافت عباسیہ کی دعوت کے لیے روانہ کیا۔ خراسان میں اس وقت خالد القسری (خالد کسریٰ) کا بھائی اسد قسریٰ حاکم تھا۔ اس کو اتفاقاً اس بات کا علم ہو گیا کہ چند آدمی باغیانہ خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں اس نے سب کو گرفتار کرا کر قتل کرا دیا۔ صرف ایک شخص عمار بن زید عبادی بچ کر بھاگ نکلا اور بکیر بن ماہان کے پاس کوفہ میں پہنچ کر اس حادثہ کی اطلاع دی حاکم خراسان نے ہر چند کوشش کی مگر یہ پتہ نہ چل سکا کہ ان باغیانہ خیالات کی اشاعت کرنے والوں کا اصل مرکز کہاں ہے؟ بکیر بن ماہان نے جب محمد بن علی کے پاس حمیمہ میں مذکورہ نقبا کے قتل کی خبر بھیجی تو انہوں نے جواب بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تمہاری کوشش کامیاب و نتیجہ خیز ثابت ہوئی اب تم کو اپنے قتل کا منتظر رہنا چاہیے۔ ۱۱۸ھ میں بکیر بن ماہان نے حرث بن شریح مذکور کا انجام دیکھنے کے بعد عمار بن زید کو ہوا خواہان بنی عباس کا سردار بنا کر خراسان کی جانب روانہ کیا۔ اس نے وہاں جا کر اپنا اصل نام چھپایا اور اپنے آپ کو خراش کے نام سے موسوم کیا۔ اس خراش نے بہت جلد لوگوں کو اپنی جانب مائل کر لیا اور ان کو بتایا کہ ہمدردیٔ اہل بیت کو نماز، روزہ پر ترجیح ہے۔ اہل بیت کی خلافت

قائم کرنے کی کوشش کرنا اور اس معاملہ کو راز داری میں رکھ کر افشاء ہونے سے بچانا، نماز روزہ سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔ اس وعظ و پند سے مجوسی النسل مسلمان بہت متاثر اور نماز، روزہ کی پابندیوں سے آزاد ہو کر خوش اور نہایت مسرور تھے۔

اس طرز تبلیغ کا حال جب محمد بن علی عباسی کو حمیمہ میں سنایا گیا تو وہ بہت ناراض ہوئے اور ان کو اس طرح راز کے افشا ہونے کا اندیشہ محسوس ہونے لگا چنانچہ انہوں نے فوراً ناراضی کا پیغام عمار بن زید المعروف بہ خراش کے پاس بھیجا لیکن اس پیغام کے پہنچنے سے پہلے اسد قسری گورنر خراسان نے خراش کو گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔ محمد بن علی نے اپنے نقیبوں کی بد احتیاطی، خراسان والوں کی ضعیف الاعتقادی اور افشائے راز کے اندیشہ سے خراسان میں تمام سرگرمیوں کو بالکل روک دیا۔ یہ دیکھ کر خراسان کے باا‌ثر معتقدین کا ایک وفد محمد بن علی کے پاس حمیمہ میں حاضر ہوا اور آئندہ ہر قسم کی بد احتیاطی سے محترز رہنے کا یقین دلایا۔ چنانچہ محمد بن علی نے خراسان کے لیے خود نقیب مقرر کیے اور ہر ایک نقیب کو ایک ایک عصا اپنے پاس سے دیا جو سرداری کا نشان سمجھا گیا۔

رفتار حوادث کا عباسیوں کے موافق ہونا

اسی اثناء میں زید بن علی نے کوفہ میں خروج کیا اور مقتول ہوئے۔ اس ہنگامہ کا بکیر بن ماہان اور اس کی جماعت کے لوگوں نے نہایت خاموشی سے تماشا دیکھا اور اپنے لیے بہت سے مفید نتائج اور قیمتی تجربے اخذ کیے۔ اس کے بعد خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے محمد بن علی کو محض شبہ اور احتیاط کی بنا پر مقید اور نظر بند کر دیا۔ قید خانہ میں بھی ان کے ہمدرد و ہمراز ان سے ملنے اور ہدایات حاصل کرنے کا موقع پاتے رہتے تھے۔ اسی زمانہ میں خراسان و عراق میں بھی بعض عباسی و علوی نقباء گرفتار اور مقید کیے گئے تھے اور بظاہر خلیفہ ہشام نے سازشی تحریک کو بالکل دبا دیا تھا۔ لیکن حقیقت میں سازشی سرگرمیوں کا سلسلہ کسی قدر کم تو ہو گیا تھا مگر موجود ضرور رہا۔ ۱۲۴ھ میں قید خانہ کے اندر محمد بن علی عباسی کا انتقال ہوا۔ انہوں نے فوت ہوتے وقت اپنے دوستوں کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا بیٹا ابراہیم

میری تمام جماعت کا امیر اور سردار تسلیم کیا جائے چنانچہ محمد بن علی کی وفات کا حال سن کر بکیر بن ماہان نے حمیمہ میں آ کر ابراہیم بن محمد بن علی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابراہیم نے ''امام ابراھیم '' کے نام سے اپنی جماعت میں شہرت پائی۔ بکیر بن ماہان، امام ابراہیم سے رخصت ہو کر خراسان پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو محمد بن علی کی وفات اور امام ابراہیم کی جانشینی کا حال سنا کر امام ابراہیم کے نام پر بیعت لی۔ پھر خراسان کے محبان اہل بیت یعنی اپنی جماعت کے لوگوں سے خفیہ طور پر چندہ فراہم کیا اور فراہم شدہ روپیہ امام ابراہیم کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ امام ابراہیم نے قحطبہ بن شبیب بن خالد بن سعدان کو خراسان کے علاقے میں دعوت عباسیہ کا مہتمم مقرر کیا۔ اگلے سال ۱۲۵ ھ میں خلیفہ ہشام بن عبد الملک کا انتقال ہوا اس خلیفہ کے فوت ہوتے ہی حکومت بنی امیہ میں تنزل اور کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ایک طرف تو علویوں اور عباسیوں کے نقیبوں نے مخفی طور پر لوگوں کو حکومت بنو امیہ کا مخالف بنا کر علویوں اور عباسیوں کا ہمدرد بنا دیا تھا۔ دوسری طرف زید بن علی اور ان کے ہمراہیوں کی لاشوں کے ساتھ جو سنگدلانہ برتاؤ کیا گیا تھا اس نے بھی لوگوں کو امویوں سے نفرت دلائی۔ علاوہ ازیں ہشام بن عبد الملک کے جانشین ولید بن یزید بن عبد الملک نے اپنے ہی رشتہ داروں کے خون سے ہاتھ رنگنے شروع کیے اور خاندان خلافت خانہ جنگی میں مبتلا ہو گیا۔ سوا سال کی حکومت کے بعد ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۶ ھ کو ولید بن یزید مقتول اور یزید بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ مگر خانہ جنگی بدستور باقی رہی۔ چھ مہینہ کے بعد وہ بھی طاعون سے فوت ہوا۔ اس کے بعد ابراہیم بن ولید بن عبد الملک تخت نشین ہوا۔ اس وقت خانہ جنگی شباب کو پہنچ گئی اور خاندان خلافت میں کئی مدعیان خلافت کھڑے ہو گئے۔ بالآخر مروان بن محمد المعروف بہ مروان الحمار نے بڑے کشت و خون کے بعد سب پر غالب آ کر اپنی حکومت کے مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ خاندان خلافت کی اس خطرناک خانہ جنگی سے فائدہ اٹھانے میں عباسیوں نے کمی نہیں کی۔ انہوں نے اپنی کوششوں میں چوگنی طاقت سے کام لیا۔ ۱۲۵ھ میں قحطبہ بن شبیب بعض ضروری خبریں سنانے کے لیے امام ابراہیم کے پاس حمیمہ آ رہا تھا۔ راستہ میں ایک

نہایت ذہین ایرانی النسل نوجوان ابراہیم بن عثمان بن بشار سے ملاقات ہوئی، جو اپنے آپ کو ایران کے مشہور وزیر بزرجمہر اور بروائت دیگر گودر زکیانی کی اولاد بتاتا تھا۔اس نوجوان کو جوہر قابل پاکر قحطبہ اپنے ہمراہ لیتا آیا اور امام ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا۔ امام ابراہیم نے اس کا نام بجائے ابراہیم کے عبد الرحمٰن رکھا اور اس کی کنیت ابومسلم تجویز کی۔ چنانچہ وہ ابومسلم خراسانی ہی کے نام سے مشہور ہوا۔امام ابراہیم نے قحطبہ کو تو خراسان کی طرف رخصت کردیا اور ابومسلم کو چند روز اپنے پاس رکھ کر اس کی فطرت کا مطالعہ کیا اور کام کا آدمی پاکر اس کی تعلیم وتربیت میں خصوصی توجہ مبذول کرکے اس کو اپنا راز دار بنایا اور اس کی شادی اپنے ایک نقیب ابونجم عمران بن اسماعیل کی لڑکی سے کی۔ ابونجم عمران ان لوگوں میں سے تھا جو خلافت کو اولاد علی میں لانا چاہتے تھے۔ امام ابراہیم نے اس رشتہ میں یہ مصلحت مدنظر رکھی تھی کہ ابومسلم کو شیعان علی رضی اللہ عنہ کی حمایت حاصل رہے اور اس کی طاقت کمزور نہ ہونے پائے۔

ایرانیوں اور خراسانیوں کا سازش کو کامیاب بنانا

اس کے بعد ابومسلم کو خراسان کی طرف تمام دعاۃ ونقباء کا افسر بنا کر روانہ کیا اور خراسان کے نقیبوں مثلاً سلیمان بن کثیر مالک بن ہثیم زیادہ بن صالح طلحہ بن زریق عمر بن اعین، قحطبہ بن شبیب، ابوعیینہ موسیٰ بن کعب، لاہز بن قریط، قاسم بن مجاشع، اسلم بن سلام، ابوداؤ دخالد بن ابراہیم شیبانی ابوعلی ہروی، ابوالنجم عمران بن اسماعیل وغیرہ کو اطلاع دے دی کہ ہم نے ابومسلم کو خراسان کے تمام علاقہ کا مہتمم بنا کر روانہ کیا ہے۔ اور تمام ضروری ہدایات اس کو بتا اور سمجھا دی ہیں تم سب کو چاہئے کہ دعوت بنی ہاشم کے کام میں ابومسلم کی فرمانبرداری اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ابومسلم ۱۲۶ھ میں خراسان پہنچ کر اپنے کام یں پوری سرگرمی سے مصروف ہوگیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ خاندان خلافت کے خانہ جنگی میں مبتلا ہونے سے رعب حکومت مٹ رہا تھا۔۱۲۹ھ میں امام ابراہیم نے ابومسلم کو لکھا کہ اس سال کے ایام حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر مجھ سے ملو اور اپنے ہمراہ قحطبہ بن شبیب کو بھی لیتے آؤ۔

بعض ضروری اور اہم مشورے کرنے ہیں۔ حج کے لیے چونکہ ہر ملک سے مسلمان آتے ہیں۔ لہٰذا ایسے نازک اور اہم مشوروں کے لیے ایام حج اور مقام مکہ سے بہتر دوسرا آزاد موقع نہیں مل سکتا تھا۔ ابو مسلم اور قحطبہ دونوں مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ یہ دونوں ابھی مقام قومس تک پہنچے تھے کہ امام ابراہیم کا دوسرا خط ابو مسلم کے پاس پہنچا کہ اب تمہارے آنے کی ضرورت نہیں اور اگر تم روانہ ہو چکے تو جہاں تم کو یہ خط ملے وہیں سے خراسان کی جانب لوٹ جاؤ اور اب اپنی دعوت کو پوشیدہ نہ رکھو بلکہ علانیہ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دو اور جن لوگوں سے بیعت لے چکے ہو ان سب کو جمع کر کے طاقت کا استعمال شروع کر دو اور ملک خراسان کو اپنے قبضہ وحکومت میں لاؤ۔ اس خط کو پڑھتے ہی ابو مسلم قومس سے مرو کی جانب روانہ ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حکومت بنو امیہ کی چول چول ہل چکی تھی اور ہر صوبہ میں بغاوت برپا تھی۔ خوارج کی جماعت بھی ضحاک خارجی کی سرداری میں اعلانیہ خلیفہ مروان الحمار کے مقابلہ میں صف آراء تھی۔ خراسان میں نصر بن سیار اور کرمانی برسر جنگ تھے۔ حجاز یمن اور حضر موت میں بھی بغاوتیں نمودار ہو چکی تھیں۔ ابو مسلم خراسانی نے مرو پہنچتے ہی اپنی جماعت کے لوگوں کو فراہم کیا اور نصر بن سیار حاکم خراسان کو مرو سے خارج کر کے خود قابض ہو گیا۔ امام ابراہیم نے مرو کی فتح کا حال سن کر ابو مسلم خراسانی کو تحسین وآفرین اور مبارکباد کا خط اور بہت سی ہدایات لکھ کر بھیجیں۔ اس خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ خراسان میں کسی عربی النسل یا عربی انسان کو زندہ نہ چھوڑنا۔ خراسان کے اصلی باشندے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ ہمارے بہت کام آئیں گے اور انہیں پر زیادہ اعتماد رکھنا چاہیے۔ ادھر نصر بن سیار نے خلیفہ مروان الحمار کے پاس درخواست بھیجی کہ ابو مسلم کے مقابلے میں مجھ کو امداد کی ضرورت ہے میرے پاس فوراً امدادی فوج بھیجی جائے۔ خلیفہ مروان الحمار موصل کے قریب خارجی لشکر سے برسرِ پیکار تھا کہ اس کے پاس نصر بن سیار گورنر خراسان کی درخواست پہنچی اور وہ خود لڑائی میں مصروف و مبتلا ہونے کی وجہ سے نصر کے پاس امدادی فوج نہ بھیج سکا۔ اس کے بعد ہی امام ابراہیم کا مذکورہ خط جو ابو مسلم کے نام لکھا گیا تھا۔ راستے میں پکڑا گیا اور خلیفہ مروان الحمار کی خدمت میں پیش ہوا اس خط کو پڑھ کر پہلی مرتبہ اموی خلیفہ کو یقینی

طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ عباسیوں نے علویوں کی طرح عرصہ دراز سے سازش کا جال پھیلا رکھا ہے اور امام ابراہیم اس سازش کے موجودہ امام ہیں جو مقام حمیمہ علاقہ بلقاء میں مقیم ہیں۔مروان الحمار نے اس خط کو پڑھتے ہی اپنے عامل کو جو بلقا میں مامور تھا لکھا کہ ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ عباسی کو حمیمہ سے گرفتار کر کے بھیج دو۔ چنانچہ امام ابراہیم گرفتار ہو کر مروان کے پاس پہنچے اور اس کے حکم سے مقام حران میں قید کیے گئے جہاں پہلے سے اور بھی بہت سے شاہی قیدی موجود تھے۔چند روز کے بعد حران میں وبائی بیماری پھیلی اور امام ابراہیم بحالت قید اس وبائی بیماری میں فوت ہوئے۔ امام ابراہیم قید ہوتے وقت اپنے خاندان والوں کو وصیت کر آئے تھے کہ میرے بعد میرا بھائی عبد اللہ بن محمد (المعروف بہ ابوالعباس سفاح) میرا جانشین ہوگا اور اس کو اب حمیمہ میں نہیں بلکہ کوفہ میں جا کر قیام پذیر ہونا چاہیے۔ چنانچہ عبد اللہ سفاح کوفہ میں آ گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام ابراہیم کے نقیب ابوسلمہ نے کوفہ پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی ادھر ابومسلم خراسانی تمام ملک خراسان پر قابض ہو چکا تھا۔

علویوں کو محروم رکھ کر عباسیوں کا بازی لیجانا

ابوسلمہ اگرچہ امام ابراہیم کے زیر ہدایت کوفہ کی خفیہ دعوت وتبلیغ کا کام کرتا تھا لیکن چونکہ یہ بات صاف طور پر طے نہیں ہوئی تھی کہ امویوں کو برباد کرنے کے بعد علوی تخت خلافت کے مالک ہوں گے یا عباسی۔ اس لیے تمام نقباء دو حصوں میں منقسم تھے بعض کا یہ خیال تھا کہ خلافت علویوں کو ملے گی اور بعض عباسیوں کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے۔ ابوسلمہ ان لوگوں میں سے تھا جو علویوں کو عباسیوں پر ترجیح دیتے تھے۔۱۳۰ھ کے ایام حج میں علویوں اور عباسیوں کے بااثر اور شریک سازش اشخاص نے ایک کانفرنس یا مجلس مشاورت منعقد کی، اس میں ابوجعفر منصور برادر عبد اللہ سفاح بھی شریک تھا یہ مسئلہ پیش ہوا کہ امویوں کی خلافت تو اب مٹنے والی ہے لہٰذا یہ طے ہو جانا چاہیے کہ ہاشمیوں میں سے کس کو خلیفہ بنایا جائے گا۔اس وقت ابوجعفر منصور نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور بلا

تامل سب سے پہلے بول اٹھا کر اولاد علی میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہیے۔سب نے اس رائے کو پسند کیا اور محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب المعروف بہ نفس زکیہ کا نام پیش ہو کر منظور ہو گیا۔ابو مسلم خراسانی کی فتوحات اور اپنے نظام کی مضبوطی کے سبب عباسیوں کو اپنے کامیاب ہونے اور بازی لے جانے کا یقین تھا۔ اگر اس وقت عباسی خود خلافت کو حاصل کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیتے تو یقیناً آپس میں پھوٹ پڑ جاتی اور امویوں کو اپنی حکومت بچا لینے کا موقع مل جاتا لیکن عباسیوں کی ہوشیاری سے کوئی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائی۔اس کے بعد جبکہ اموی خلافت درہم برہم ہونے لگی اور بڑے بڑے شہروں اور ملکوں پر ان نقیبوں کا قبضہ ہوا تو یہ مسئلہ قدرتی طور پر آخری فیصلے کے لیے سامنے آ گیا کہ کس کو تختِ خلافت پر بٹھایا جائے۔عبداللہ سفاح کے کوفہ پہنچنے پر ابوسلمہ نے اس کی آمد کو چھپایا اور ایسے مکان میں ٹھہرایا کہ عبداللہ سفاح کی آمد کا حال اہل کوفہ کو معلوم نہ ہو اور امام جعفر صادق بن امام باقر بن امام زین العابدین کو خط لکھا کہ آپ فوراً کوفہ میں آ جائیے اور خلیفہ بن جائیے۔ امام جعفر رحمۃ اللہ نے انکاری جواب بھیج دیا۔اس انکاری جواب اور اور عبداللہ سفاح کے کوفہ میں موجود ہونے کا حال جس وقت اہل کوفہ کو معلوم ہوا تو وہ عبداللہ سفاح کے پاس پہنچے اور ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۲ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۷۴۹ء بروز جمعہ تمام اہل کوفہ عبداللہ سفاح کو جامع مسجد میں لے گئے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور اس کی حکومت بتدریج مستحکم ہوتی گئی۔ابو مسلم خراسانی ابھی تک خراسان کے انتظام سے فارغ نہ ہوا تھا لیکن عبداللہ سفاح ابو مسلم ہی سے اہم معاملات کے متعلق ہدایات منگاتا اور انہیں کے موافق عمل کرتا تھا۔عبداللہ سفاح کی تخت نشینی کے چند روز بعد سیدنا عبداللہ بن حسن مثنیٰ جو نفس زکیہ مذکور کے والد ماجد تھے،عبداللہ سفاح کے پاس آئے اور شکایت کی کہ یہ کیا بات ہے کہ خلافت جو ہمارا حق تھا تم نے لے لی۔ ساتھ ہی مکہ کانفرنس کا فیصلہ یاد دلایا۔عبداللہ سفاح نے دو لاکھ درہم، اسی ہزار دینار اور مروان بن محمد المعروف بہ مروان الحمار آخری اموی خلیفہ کے جواہرات جو مال غنیمت میں اسی وقت پہنچے تھے۔ سب عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو دے کر خاموش اور رضا مند کیا

اور عزت کے ساتھ رخصت کردیا۔ اس کے بعد عبد اللہ سفاح جب تک زندہ رہا ہمیشہ علویوں کو روپیہ دیتا رہا۔ خلیفہ مروان الحمار کے مارے جانے اور عباسیوں میں خلافت کے آجانے سے علویوں میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی اور سب حیران وششدر سے ہو کر رہ گئے۔ وہ ہمیشہ عباسیوں کے اشتراک عمل کا مطلب یہی سمجھتے رہے تھے کہ خلافت خاندان ابی طالب کو سپرد کی جائے گی، اب ان کے دلوں میں کوفت اور بے چینی کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اور قریب تھا کہ علویوں اور عباسیوں میں اس فیصلہ کے خلاف جنگ شروع ہو جائے مگر چونکہ ابو ہاشم عبد اللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب کی وصیت کا حال سب کو معلوم تھا۔ لہٰذا علویوں کے ایک بڑے گروہ نے جو بعد میں فرقہ کیسانیہ کے نام سے مشہور ہوا اس وصیت کو جائز قرار دے کر عباسیوں کی خلافت کو برحق تسلیم کرلیا تھا اور اس زمانہ میں یہ گروہ علویوں میں زیادہ طاقتور اور صاحب اقتدار ہو گیا تھا۔ لہٰذا فاطمیوں نے خاموشی ہی اختیار کرنی مناسب سمجھی۔ یہ خاموشی اسی لیے بھی لازمی ہوگئی تھی کہ ابو مسلم چن چن کر ان تمام نقبا کو جو عباسیوں کے مقابلے میں علویوں کے طرفدار اور خلافت کو علویوں میں لانے کے خواہشمند تھے یکے بعد دیگرے دھوکے سے قتل کراچکا تھا۔ ان مقتولوں میں ابوسلمہ اور سلیمان بن کثیر خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں جو بہت با اثر اور بڑے آدمی سمجھے جاتے تھے۔ ابوالعباس عبد اللہ سفاح نے چار برس آٹھ مہینے خلافت کی اس کے عہد خلافت میں ابومسلم خراسانی کا اقتدار و اختیار سب پر فائق تھا۔ ابومسلم اور عبد اللہ سفاح نے ایک طرف چن چن کر امویوں کو قتل کیا اور دوسری طرف کسی ایسے شخص کو جو مدعی سلطنت ہو سکے باقی نہ چھوڑا۔ اس قتل وخونریزی کی نمائش نے فاطمیوں کو اور بھی زیادہ مرعوب وساکت بنا دیا اور ان کو لب کشائی کا موقع بھی نہ مل سکا۔

خفیہ سازشیں اور اسلام

عبد اللہ سفاح کی وفات اور قتل ابومسلم کے بعد علویوں نے عباسیوں کے خلاف شورش وخروج کا سلسلہ جاری کردیا۔ علویوں کی ان کوششوں نے جو انہوں نے عباسیوں

کے خلاف پانچ سو سال تک جاری رکھیں اور بھی سینکڑوں عجیب عجیب فرقے اسلام میں پیدا کر دیے۔ میں نے یہ طویل تاریخی بیان جو واقعات کا چھوٹے سے چھوٹا خلاصہ ہے اس لیے سنایا ہے کہ اس کو ذہن میں رکھ کر اسلام کے بہت سے گمراہ فرقوں کی حقیقت اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب با آسانی سمجھ میں آسکیں گے۔اس جگہ یہ بھی یاد دلا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے سرگوشی، سازش اور فریب بازی کی جا بجا مذمت بیان کی ہے اور مسلمانوں کو خفیہ تدبیروں اور سازشوں کے استعمال کرنے سے منع کر کے ان کاموں کو عموماً کافروں اور منافقوں کا کام بیان کیا ہے۔ مسلمانوں کو سرگوشیوں اور پوشیدہ مشوروں کی اگر اجازت دی ہے تو صرف نیکی اور اصلاح کے لیے نہ اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے:

﴿ لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ [النساء: ٤/١١٤]

”لوگوں کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں بھلائی اور نیکی نہیں ہے۔مگر ہاں اگر صدقہ و خیرات یا کسی اچھے کام یا لوگوں میں صلح و مصالحت کے لیے پوشیدہ مشورہ کیا جائے تو یہ نیکی کا کام ہے۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ يَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ...... ۝ ﴾ [المجادلہ: ٥٨/٨،٩]

”اے مومنو! جب تم ایک دوسرے سے خفیہ مشورہ کرو تو ایسی سرگوشی نہ کرو جو گناہ اور لوگوں پر زیادتی کرنے یا رسولؐ کی نافرمانی پر آمادہ کرنے والی ہو۔ بلکہ نیکی اور

پرہیز گاری کی باتوں کے متعلق سرگوشی کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔ اے رسول! کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو خفیہ باتیں کرنے سے منع کیا گیا تھا، پھر جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی کام کریں گے یعنی گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے لیے سرگوشی کرنے لگے۔''

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

﴿ وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴾ [الانفال:۸/۶۲]

''اور اے رسول! اگر یہ کافر لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تو بھی ان سے صلح کرنے پر آمادہ ہو جا، اور اللہ پر بھروسہ رکھ کیونکہ اللہ تعالیٰ یقیناً سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اگر یہ کافر لوگ تیرے ساتھ فریب کرنے اور دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہوں گے تو تم پرواہ نہ کرو۔ کیونکہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی نصرت اور مؤمنوں سے تجھ کو قوت عطاء کی ہے''(یہ نہیں فرمایا کہ فریب اور دھوکہ کے مقابلہ میں تم بھی فریب اور دھوکہ سے کام لو۔)

مذکورہ بیان کو پڑھ کر ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جو جو سازشیں اور خفیہ تدبیریں کام میں لائی گئیں وہ خیر نیکی اور اصلاح بین الناس کے لیے تھیں یا اپنی خواہشات نفسانی اور عصبیت خاندانی کے تقاضے سے عمل میں آئیں ان کوششوں اور مصروفیتوں کے ساتھ ہی ساتھ قرآن مجید اور تقویٰ اللہ کی طرف توجہ مبذول رہ بھی سکتی تھی یا نہیں۔ دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی طرف سے مسلمانوں کو غافل اور بے پروا بنانے کا سب سے پہلا قابل تذکرہ سبب مسلمانوں کی یہی کوششیں تھیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اور جو منافقوں اور اسلام کے دشمنوں کی تقلید میں کی گئیں۔ منافقوں کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں کو کسی طرح فلاح و بہبود حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ لہٰذا ان کوششوں کے نتائج کو بھی دیکھ لو کہ ہر ایک وہ شخص جس نے اس کام کو سرگرمی سے جاری کیا، اپنی زندگی میں اپنے

اصل مقاصد کو پورا ہوتا ہوا نہ دیکھ سکا۔ ابو مسلم اور دوسرے سرگرم نقبا بھی ایک ایک کر کے تلوار کے گھاٹ اترے۔ اسلام میں سینکڑوں گمراہ اور خطرناک فرقے پیدا ہو گئے اگر قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ خود وعدہ نہ فرما چکا ہوتا اور وہ اصلی حالت میں محفوظ و موجود نہ ہوتا اور کسی نئے نبی، نئی کتاب اور نئے مذہب کو اللہ تعالیٰ دنیا میں نازل کر چکا ہوتا۔ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ لہٰذا ان کے لائے ہوئے مذہب (اسلام) اور ان کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید کو قیامت تک تحریف و تبدیل کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اسلام میں ہزاروں قسم کے گروہ پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے لیکن جو شخص حقیقی اور سچے اسلام سے واقف ہونا اور اس پر عملدرآمد کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اسلام کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ اور کوئی مانع ہرگز موجود نہیں۔

شراب خوشگوارم ہست و یار مہربان ساقی
ندارد ہیچ کس یارے چنیں یارے کہ من دارم [1]

---

[1] شراب میرے لیے خوشگوار ہے اور میرا ساقی بھی مجھ پر مہربان ہے۔ کوئی آدمی ایسا دوست نہیں رکھتا کہ جیسا میرا دوست ہے (کہ جو مجھے یہ چیز بہم پہنچاتا رہتا ہے)

عہدِ بنو اُمیّہ میں جو فرقے پیدا ہو چکے تھے

پہلی صدی کا اسلام

اوپر کے بیان میں ۱۳۲ھ یعنی بنی امیہ کی خلافت کے ختم اور بنی عباس کی خلافت کے شروع ہونے تک کی خانہ جنگیوں اور سازشوں کا ذکر مجمل طور پر ہو چکا ہے۔اب یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ ان سازشوں اور کوششوں کا اسی مذکورہ زمانہ میں مسلمانوں کے مذہبی عقائد واعمال پر کیا اثر پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف استعدادوں اور مختلف قابلیتوں کے لوگ موجود تھے۔ بعض ایسے تھے کہ وہ کسی فقاہت اور کسی مصلحت کو حتی الامکان دخل دیے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قول وفعل پر عمل کرنا ضروری سمجھتے اور جن باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل یا ارشاد معلوم نہ ہوتا اس میں خاموشی اختیار فرما کر اس کام کے کرنے والے کی رائے پر چھوڑ دیتے خود کوئی فتویٰ صادر نہ فرماتے۔

بعض ایسے تھے کہ وہ حدیث نبوی موجود نہ ہونے پر حسب موقع اپنی اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ رائے سلیم اور قیاس صحیح کو کام میں لا کر فتویٰ صادر فرماتے اور اپنے قیاس کے دلائل بھی بیان فرما دیتے تھے۔ سیدنا عمر فاروق، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن عمر، رضی اللہ عنہم وغیرہ چند صحابی خصوصیت سے فقاہت میں شہرت رکھتے ہیں۔ اہل مدینہ زیادہ تر سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فتووں پر اعتماد رکھتے تھے اہل مکہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتووں پر عامل اور اہل کوفہ سیدنا علی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے بتائے ہوئے مسائل کو یاد رکھتے اور ان پر عمل کرتے تھے۔ مصر کے لوگ عموماً سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی رائے کو مانتے تھے ملک شام میں سیدنا ابوالدرداء وغیرہ کے فتووں پر عمل تھا۔

مذکورہ صحابیوں کو مذکورہ مقامات کے لوگوں میں چونکہ زیادہ رہنے اور دین کی باتیں بتانے کا موقع ملا تھا لہٰذا الگ الگ ہر ایک کا فقہ رائج ہوا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد صحابہ کے رشید شاگردوں یعنی تابعین '' رحمهم الله عليهم اجمعين'' میں جو لوگ علم دین کی زیادہ واقفیت رکھتے تھے ان سے لوگ مسائل دریافت کرتے اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے تھے۔ مثلاً سیدنا سعید بن میبّب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ وغیرہ مدینہ میں علقمہ اور عمر بن شرحبیل رحمہ اللہ وغیرہ کوفہ میں حسن اور ابن سیرین اور مطرف بن عبداللہ وغیرہ بصرہ میں یزید بن ابی حبیب اور عمر بن حارث وغیرہ مصر میں تابعین کے بعد تبع تابعین رحمہ اللہ بھی اسی طرح لوگوں کو مسائل بتاتے اور دین کی باتیں سکھاتے تھے۔ کسی صحابی کو کوئی حدیث معلوم نہ ہوتی تو وہ اپنی رائے سے کوئی فتویٰ صادر فرما دیتے لیکن بعد میں جب اسی مسئلہ کے متعلق دوسرے شہر کے لوگوں سے مستند طور پر معلوم ہوتا کہ وہاں کے صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے اور اسی کے موافق اس شہر میں عملدرآمد ہوتا ہے تو اس شہر کے مسلمانوں اور اس شہر والے صحابی کے شاگردوں کو اس حدیث کے قبول کرنے اور اسی کے موافق عمل کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا وہ نہ اس میں اپنے استاد کی بے عزتی سمجھتے، نہ کوئی شرمندگی اور ندامت محسوس کرتے۔ یہی حال تبع تابعین تک رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث کسی ثقہ راوی سے پہنچ جاتی تو اسی پر سب عملدرآمد شروع کر دیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتوے جو رائے اور قیاس کے موافق بعض مسائل میں انہوں نے دیے ان کی بھی عموماً یہی حالت تھی کہ تابعین ایک صحابی کے شاگرد ہوتے لیکن دوسرے صحابی کے اجتہاد کو زیادہ اچھا اور مدلل و معقول پاتے تو اسی کو قبول کر لیتے اور اپنے استاد کے اجتہاد کو ترک کرتے ہوئے کوئی گرانی محسوس نہ فرماتے۔ یہی حال تبع تابعین کا رہا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ حدیثوں کے ذخیرے جمع ہوتے گئے اور فقہی اجتہادی مسائل میں بھی زیادہ وسعت پیدا ہوتی رہی لیکن نہ کوئی خاص فقہی مذہب مشخص متعین ہوا نہ کسی صحابی یا تابعی کے نام سے کوئی خاص گروہ پیدا ہوا بلکہ سب کا ایک ہی مذہب تھا جس کا نام

اسلام تھا۔قرآن مجید کے لیے یکساں قابل عمل اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح احادیث نبویہ سب کے لیے یکساں قابل عمل تھیں اور اسی طرح اجتہادی مسائل میں سب کو یکساں حقوق حاصل تھے، کوئی تقسیم اور گروہ بندی نہیں پائی جاتی تھی اور نہ پائی جانی چاہیے تھی۔

یہ حالت ان مسلمانوں کی تھی جو اسلام کی پابندی و پیروی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے اور دین کو دنیا پر مقدم جانتے تھے لیکن ایسے لوگ بھی قریباً ہر صوبہ اور ہر ملک میں موجود تھے جو بالکل آج کل کے جاہل مسلمانوں کی طرح محض اسمی اور رسمی طور پر مسلمان تھے اور حقیقت اسلام سے ناواقف اور قرآن مجید سے بے تعلق رہنے کے سبب اپنی تمام تر توجہ دنیا طلبی اور خواہشات نفسانی میں صرف کرتے یا مذکورہ سازشوں میں شامل ہو کر سازشی لوگوں کے معمول اور آلہ کار بن جاتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ ملک عرب کے صوبوں میں جہاں اسلام سب سے پہلے شائع ہو کر زیادہ اثر انداز ہو چکا تھا۔منافقوں اور سازشی لوگوں کو اپنے ڈھب کے آدمی بہت کم مل سکے اور ایرانی صوبوں میں جہاں کے لوگوں کو اسلامی تعلیم سے متاثر ہونے کی مہلت نسبتاً بہت کم ملی تھی زیادہ آدمی ہاتھ آئے اور انہیں ایرانیوں کی بدولت اسلام کو نقصان پہنچانے والی ہر ایک سازش زیادہ کامیاب ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ امام ابراہیم نے خود عربی اور ہاشمی ہوتے ہوئے ابومسلم خراسانی کو لکھا تھا کہ کسی عربی انسان کو زندہ نہ چھوڑا جائے اور ایرانی نو مسلموں ہی کو زیادہ مفید اور کارآمد سمجھا جائے۔‘‘

ابتدائی زمانہ کے فرقے

مذکورہ سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ عباسیوں کی حکومت و خلافت قائم ہونے تک مندرجہ ذیل فرقے پیدا ہو گئے جو بعد میں سب اسلامی فرقے سمجھے گئے اور اپنے اعمال و افعال سے اسلام کے چشمہ صافی کو مکدر کرتے رہے۔

۱۔ شیعہ اولیٰ:

یہ لوگ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ برحق مانتے اور ان کے مخالفوں کو خطا وار جانتے تھے۔ سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی یہ لوگ برا نہیں کہتے اور ان کی نیت کو نیک بتاتے تھے، صرف خطائے اجتہادی کو ان سے منسوب کرتے تھے۔ ان کو ''شیعہ مخلصین'' بھی کہتے ہیں۔

۲۔ شیعہ تفضیلیہ:

شیعہ اولیٰ میں سے کچھ لوگ عبداللہ بن سبا یہودی منافق کی باتوں کا کسی قدر اثر قبول کر کے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو تمام اصحاب کرام سے افضل جانتے اور پہلے تینوں خلفاء کو اس لیے برا نہیں کہتے تھے کہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی رضا مندی اور اجازت سے خلیفہ تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی مخالفت نہیں کی تھی۔ مذکورہ دونوں شیعہ فرقے محض ایک خاص عقیدہ اور خاص خیال کی وجہ سے بطور فرقہ الگ شمار کیے گئے ہیں۔ ورنہ نماز۔ روزہ، حج، زکوۃ اور دوسرے تمام اعمال میں وہ سب مسلمانوں کیساتھ شریک اور قرآن و حدیث پر یکساں عامل تھے۔

۳۔ شیعہ تبرائیہ:

عبداللہ بن سبا کے پھیلائے ہوئے خیالات سے جو لوگ زیادہ متاثر ہوئے وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو نعوذ باللہ ظالم، منافق، غاصب اور اس سے بھی آگے قدم رکھ کر کافر کہنے لگے۔ اس عداوت و دشمنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ان حدیثوں کو بھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے روایت ہوئیں، ماننے سے انکار کیا اور یوں اعمال و عبادات میں بھی بہت سی تفریق نمایاں ہو گئی۔ ان تبرائی شیعوں کی شاخیں آج تک ہندوستان میں بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

۴، ۵۔ خوارج اور شیعہ غلاۃ:

یہ دونوں فرقے عبداللہ بن سبا کی جماعت کے دو حصے ہیں۔ ایک گروہ نے سیدنا علی

کرم اللہ وجہہ کو برا کہنا شروع کیا اور دوسرے نے ان میں خدائی صفات تجویز کر کے لوگوں کو ان کی الوہیت کا قائل بنانے کی کوشش کی اور اس عقیدہ کو شائع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ میں حلول کیا ہے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں گروہوں کے خلاف خود جہاد بالسیف کیا اور ان کے قتل و ہلاک کرنے میں تامل نہیں فرمایا۔ شیعہ غلات ابن سبا کی تعلیم کے موافق حشرِ اجساد اور حساب کتاب کے بھی منکر ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ نبی ﷺ میں بغیر مدد گار کے نبوت کی استطاعت نہ تھی۔ یہ بھی عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد انسان پھر دنیا میں واپس آ سکتا ہے۔ ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر دنیا میں آئیں گے وہ بادلوں پر سوار پھرتے ہیں، بادل کی گرج ان کی آواز ہے اور بجلی ان کا کوڑا ہے۔ اسی لیے رعد کی آواز سن کر کہتے ہیں۔ "السلام علیك یا امیر المؤمنین" یہ بھی عقیدہ ہے کہ ابن ملجم نے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ہے تو اس وقت شیطان سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی صورت میں آ گیا تھا اور ابن ملجم کے ہاتھ سے شیطان ہی قتل ہوا، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ تو پہلے ہی آسمان پر چلے گئے تھے۔ وغیرہ وغیرہ

۶۔ شیعہ کاملیہ:

ان کا عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ نہیں بنایا۔ نعوذ باللہ کافر ہیں اور خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اس لیے نعوذ باللہ کافر ہیں کہ وہ صحابہ سے نہ لڑے اور ان کی خلافت کو تسلیم کر۔

۷۔ شیعہ کیسانیہ:

یہ فرقہ کیسان نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے جس نے ۶۴ھ میں بہت سے مسلمانوں کو جمع کر کے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے خروج کیا اور مارا گیا۔ اس گروہ کے لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی امامت کے منکر ہیں، وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بعد محمد بن حنفیہ کو امام برحق یقین کرتے ہیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بھی امام نہیں مانتے۔ انہیں لوگوں نے تقیہ کے عقیدے کو شیعوں میں رواج دیا۔

۸۔ شیعہ مختاریہ:

مختار بن ابوعبید بن مسعود ثقفی کا ذکر اوپر آ چکا ہے اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو عالم الغیب بتایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ میں حلول کیا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ بعد میں فرقہ کیسانیہ میں داخل ہو کر کیسانیہ کے نام سے مشہور ہوئے، پھر بہت دنوں کے بعد یہی لوگ ''اسمٰعیلیہ'' بن گئے۔

۹۔ شیعہ ہاشمیہ:

یہ فرقہ ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کو امام برحق مانتا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ ابوہاشم کو اپنے باپ محمد بن حنفیہ سے وہ اسرار و علوم و رموز معلوم ہوئے جو ان کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ سے پہنچے تھے، جس شخص میں یہ تمام علوم و رموز جمع ہو جائیں وہ امام برحق ہے۔ ان لوگوں میں سے بعض ابوہاشم کے بعد عباسیوں کو مستحق خلافت سمجھ کر عبداللہ سفاح تک عباسیوں کو امام مانتے عبداللہ سفاح کے بعد کسی عباسی کو امام نہیں مانتے۔

۱۰۔ شیعہ مغیریہ:

یہ فرقہ ہشام بن عبدالملک کے عہد حکومت میں مغیرہ بن سعید عجلی کے ذریعہ پیدا ہوا جو خالد بن عبداللہ قسری گورنر عراق کا غلام تھا، اس کا عقیدہ تھا کہ'' نعوذ باللہ'' اللہ تعالیٰ ایک انسان کی شکل ہے اس نے دنیا کو جب پیدا کرنا چاہا تو لوگوں کے اعمال کو خود ہی لکھا پھر خود ہی ان کی بداعمالیوں کے تصور سے غضب میں آیا تو جوش غضب سے پسینہ آیا، اس پسینہ سے سمندر اور دریا پیدا ہوئے، سمندر میں اللہ کا عکس پڑا، اس عکس میں سے تھوڑا سا حصہ لے کر اللہ نے چاند سورج اور ستارے بنائے پھر باقی عکس کو فنا کر دیا کہ اس کا کوئی شریک باقی نہ رہے، پھر شیریں دریا سے مؤمن اور کھاری سے کافر بنائے، پھر اللہ نے اپنی امانت یعنی امامت پہاڑوں کو سپرد کرنا چاہی تو انہوں نے اس لیے انکار کیا کہ وہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کا حق ہے انہیں کو پہنچنا چاہئے۔ مغیرہ کا عقیدہ تھا کہ امامت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہٗ اور ان کے بعد انہیں کی اولاد کا حق ہے۔ مغیرہ کے قتل ہونے کے بعد اس کی

جماعت کے لوگ مغیرہ ہی کو آنے والا امام مہدی یقین کرنے لگے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہندوؤں کے بعض شاستروں میں پریم ایشور کے پسینہ سے دریا و سمندر وغیرہ بننے کی مذکورہ حکایت اسی کے قریب قریب الفاظ میں موجود ہے ہندوؤں کے اکثر شاستر مسلمانوں کی آمد کے بعد تصنیف ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرامطہ یا حشاشین کے ذریعہ مغیرہ کے مذکورہ خیالات ہندوؤں میں شائع ہو کر مقبول اور پھر اُن کی تصانیف میں داخل ہوئے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مغیرہ ہندوستان ہی سے اس خیال وعقیدہ کو خراسان میں لے گیا ہو۔

۱۱۔ شیعہ نبانیہ:

مغیرہ مذکور کا معاصر ایک شخص بنان بن سمعان تھا۔ اس کے اور تمام عقائد مغیرہ ہی کی مانند تھے مگر وہ دو خداؤں کا قائل تھا اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کو زمینی خدا یقین کرتا تھا۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کے بعد محمد بن حنفیہ ان کے بعد ابوہاشم عبداللہ بن محمد ان کے بعد خود اپنے آپ کو خلیفہ برحق کہتا تھا۔ اس نے بھی ایک جماعت اپنے بے ہودہ خیالات کی مؤید پیدا کر لی تھی۔ وہ بھی مغیرہ کی طرح خالد مذکور کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔

۱۲۔ شیعہ زیدیہ:

یہ فرقہ زید بن علی سے منسوب ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ انہوں نے ۱۲۲ھ میں کوفہ میں خروج کیا تھا اور مقتول ہوئے تھے۔ ابتداً اس گروہ کے عقائد میں زیادہ خرابی نہ تھی لیکن بعد میں شیعوں کے دوسرے فرقوں کا اثر قبول کرنے سے ان میں بھی بہت سی بے ہودہ باتیں داخل ہوگئیں اور پھر یہ فرقہ بہت سی شاخوں میں منقسم ہوگیا۔

۱۳۔ شیعہ جناحیہ:

یہ فرقہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب کا قائم کردہ ہے۔ جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا نام چونکہ ذوالجناحین بھی ہے اسی لیے اس فرقہ کا نام جناحیہ مشہور ہوا۔ عبد اللہ مذکور تناسخ ارواح کا قائل تھا اور عقیدہ رکھتا تھا کہ روح الٰہی انبیاء میں دائر سائر ہے۔

انبیاء کے بعد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، پھر حسنین و محمد بن حنفیہ اولاد علی میں آئی، اس کے بعد خود عبد اللہ میں روح الٰہی نے حلول کیا۔ یہ فرقہ شراب و مردار اور محارم ابدی کے ساتھ نکاح کو حلال سمجھتا اور قیامت کا منکر ہے۔ عبد اللہ مذکور نے خروج کر کے فارس کے اکثر علاقوں پر ۱۲۹ھ میں قبضہ کر لیا تھا۔ ابو مسلم نے اس کو اس لیے قتل کرادیا کہ وہ عباسیوں کو حقدار خلافت نہیں سمجھتا بلکہ خود خلیفہ و امام بننا چاہتا تھا۔ اس کے معتقدین کا خیال ہے کہ عبد اللہ قریب قیامت میں اصفہان کے کسی پہاڑ سے برآمد ہوگا۔

ان مذکورہ فرقوں اور گروہوں کے علاوہ خارجیوں میں بھی ضحاکیہ، معبدیہ، تعلبیہ، شعیلبیہ، ازارقہ، عبادیہ وغیرہ متعدد فرقے کوفہ، بصرہ، حضر موت، عمان، یمن اور فارس وغیرہ میں پیدا ہو گئے تھے۔ ان کے عقائد کی بھی ایسی ہی حالت تھی جیسی کہ شیعوں کے فرقوں کی اوپر مذکور ہوئی یعنی شیعہ فرقوں سے زیادہ ان میں کفر و الحاد موجود تھا اور یہ سب بھی اسلام کے روشن اور منور چہرے کو غبار آلود کرنے اور اسلام کی عظمت مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ بنو امیہ اپنے عہد حکومت میں ان سے باخبر اور ان کے استیصال کی طرف متوجہ رہے لیکن شیعہ فرقوں سے وہ زیادہ تر بے خبر اور غافل رہے اور ان کو شیعوں کی اس پوشیدہ طاقت کا علم اس وقت ہوا جبکہ اس کا مٹانا اور فنا کرنا آسان کام نہ تھا۔ بہر حال اس بات کے تسلیم کر لینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ مذکورہ فرقوں کے پیدا ہونے کا سبب سوائے سیاسی اغراض اور نفسانی خواہشات کے اور کچھ نہ تھا۔ اسلام ان بیہودگیوں سے قطعاً پاک اور ایسی نالائقیوں کا یقیناً دشمن ہے جو لوگ قرآن و حدیث اور رضائے الٰہی کو اپنا قبلۂ توجہ بنائے ہوئے تھے وہ ان نالائقیوں سے قطعاً بے تعلق اور صراط مستقیم پر اور کیوں قائم نہ رہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشگوئی فرما دی تھی:

((وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ)) [ترمذی]

”میری امت میں سے ہمیشہ ایک گروہ غالب رہے گا اگر کوئی ان کو ذلیل کرنا چاہے گا تو اس کی کوشش سے ان کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔“

تبصرہ: آج کل کے مسلم نما لوگوں کو جن میں آباء و اسلاف پرستی اور نسلی و خاندانی عصبیت

کے سمندر موجزن ہیں، اس بات کا سمجھانا اور یقین دلانا بے حد دشوار ہے کہ ۱۳۲ھ تک جو بالکل ابتدائی زمانہ تھا اسلام کے دائرہ میں رہ کر اور مسلمان کہلا کر مسلمانوں کی اولاد اور پاک لوگوں کی بعض ذریت نے ہوا و ہوس اور نفس و شیطان کے فریب میں آ کر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن منافقوں کی آرزوؤں کو کس طرح پورا کیا اور نہ کرنے کے کام کس طرح کر گزرے۔ کیا مذکورہ افعال ناشائستہ کے جواز کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے وہ پیش کر سکتے تھے؟ کیا اللہ تعالیٰ اور رسول نے ان کو ایسے کاموں کا حکم دیا تھا اور کیا آج ہم کو اللہ اور رسول اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ہم ان کی غلطی کو غلطی نہ کہیں بلکہ ان کی غلطیوں کو صواب اور ثواب ثابت کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگائیں !!؟؟ اور رضائے الٰہی ومصالح دینی کو بالکل فراموش کر کے اس لیے کف درد ہان ورعشہ در بدن بن جائیں کہ وہ غلط کارو ہوا پرست لوگ ہمارے باپ دادا اور ہمارے بزرگ و اسلاف تھے۔ اس بات کو پھر کھول کر بتا دینا ضروری ہے کہ مذکورہ شیعہ یا خارجی گروہ جو اس ابتدائی زمانے میں پیدا ہوئے یہ اس زمانہ کی غالب اسلامی مردم شماری نہ تھے بلکہ مجموعی طور پر مسلمانوں کا سوادِ اعظم صراط مستقیم پر قائم اور احکام اسلام کا پابند تھا۔ حکومت کا مذہب بھی دین اسلام تھا اور خلفائے بنوامیہ قرآن و حدیث کے احکام سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ مذکورہ فرقے اپنی مردم شماری کے اعتبار سے قلیل اور مسلمانوں کے سواد اعظم کو عقائد و اعمال اسلامی سے برگشتہ کرنے میں ناکام مگر فساد پھیلانے کی کوشش میں مسلسل مصروف رہے۔ شیعہ تفضیلیہ کے سوا باقی تمام فرقے اپنے عقائد و اعمال میں دوسرے تمام مسلمانوں سے الگ پہچانے جاتے اور اپنی شرارت و فساد کے سبب جب کبھی منظر عام پر آتے انگشت نما بنتے تھے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنے کے قابل ہے کہ ملک سندھ بھی عہد بنوامیہ میں مفتوح ہو کر اسلامی صوبہ بن چکا تھا اور سازشی گروہوں سے پاک نہ تھا بلکہ مرکز سلطنت سے دور ہونے کے سبب مذکورہ فرقوں کے اکثر خطرناک افراد کو یہاں پناہ مل جاتی تھی۔

اسی عہد بنوامیہ میں دنیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خالی ہو چکی تھی اور اکثر جلیل القدر تابعین بھی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ۸۶ھ میں سیدنا عبد اللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے

پر مصر اصحاب نبی کریم ﷺ سے خالی ہو گیا۔ اسی سال سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام میں کوئی صحابی نہ رہے۔ ۸۷ ھ میں سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کوفہ اور ۹۱ ھ میں سیدنا سائب بن یزید کی وفات سے مدینہ اور ۹۳ ھ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے فوت ہونے پر بصرہ بھی اصحابِ کرام سے خالی ہو گیا ۱۰۲ھ میں سیدنا ابوالطفیل رضی اللہ عنہ، صحابی مکہ معظمہ میں فوت ہوئے ان کے بعد روئے زمین پر کوئی صحابی باقی نہ رہے۔ ساری دنیا اصحاب نبی کریم ﷺ سے خالی ہو گئی۔ ۱۰۴ ھ میں مشہور تابعی سیدنا ابوعمر شعبی جن کو پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ملاقات کا فخر حاصل تھا۔ فوت ہوئے، ۱۰۶ ھ میں سیدنا سالم بن عبداللہ بن عمر تابعی اور ۱۰۷ ھ میں سیدنا عکرمہ مولی ابن عباس اور سیدنا سلیمان بن یسار فوت ہوئے، ۱۱۰ ھ میں سیدنا حسن بصری اور محمد ابن سیرین نے وفات پائی، ۱۱۴ھ میں سیدنا عطاء بن ابی رباح ۱۱۷ھ میں سیدنا نافع مولیٰ ابن عمر، ۱۱۸ ھ میں سیدنا قتادہ بن دعامہ بصری اور محمد بن مسلم مکی فوت ہوئے ۱۲۴ ھ میں سیدنا ابوبکر ابن شہاب زہری تابعی مدنی نے وفات پائی، ۱۲۷ھ میں عبداللہ بن دینار شاگرد سیدنا انس و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فوت ہوئے۔

عہد بنو امیہ میں اگرچہ بعض بعض تابعیوں نے اپنی اپنی بیاضوں اور یاد اشتوں میں احادیث نبوی لکھنی شروع کر دی تھیں لیکن کوئی مشہور قابل تذکرہ ذخیرہ احادیث نبوی کا کسی کتاب کی شکل میں مدون نہ ہوا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین حدیثیں سنتے اور بڑی احتیاط کے ساتھ یاد رکھتے۔ دین کی باتیں سیکھتے صحابہ کے عمل کو دیکھتے اور خود عامل ہوتے تھے۔ اسی کا نام حدیث و سنت تھا، قرآن مجید اور سنت و حدیث ہی کا نام علم دین تھا اور یہی لوگ علمائے دین تھے جو اشاعت دین میں مصروف تھے۔ اس زمانہ میں دین اسلام کی صرف ایک ہی کتاب تھی یعنی قرآن مجید، اس کتاب اللہ کے سوا ان کو اپنے دین کے لیے کسی دوسری کتاب کے مرتب و مدون کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ سندھ و بلخ و سرحدات چین سے لے کر مراکش و اندلس تک اسلامی حکومت قائم تھی اور اس ساری دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے کتاب اللہ اور سنت رسول کافی ثابت ہوئی اور کسی جگہ کوئی دقت اور دشواری پیش نہ آئی۔ اس زمانہ میں نہ ائمہ اربعہ کا فقہ مدون ہوا تھا، نہ ہزار ہا

فقہی اصطلاحوں اور الحاقی عقیدوں سے کوئی واقف تھا، نہ علم کلام تھا، نہ منطق، نہ نحو وصرف کا یہ چرچا تھا، نہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے سوا مختلف علوم کی کتابوں کے یہ ذخیرے تھے، جن کو آج کل دینی مدارس میں پڑھتے پڑھتے بہت سے بچے بوڑھے ہو جاتے اور قرآن مجید کے پڑھنے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے کا کوئی موقع نہیں پاتے بلکہ زبان حال سے فرماتے ہیں کہ:

دریں تعلیم شد عمر وہنوز ابجد ہمی خوانم
خدایا کے سبق آموز خواہم شد بدیوانش ❶

اس زمانے کے مسلمانوں میں کسی قسم کی تنگ خیالی اور تنگ نظری بھی نہ تھی اور علوم دنیوی کی طرف سے بھی وہ غافل اور بے پروا نہ تھے۔ ۷۱ھ میں بارود مسلمانوں نے ایجاد کرلی تھی۔ ۷۵ھ میں عبد الملک نے اسلامی سکہ مسکوک کرا کر جاری کیا۔ ۸۰ھ میں ملک شام کے اندر عیسائیوں نے نئے گرجے تعمیر کرنے کی اجازت چاہی اور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے بخوشی اجازت دی چنانچہ الرہا کا گرجا اسی زمانہ میں تعمیر ہوا۔ اگر مسلمان روشن خیال اور روادار نہ ہوتے تو گرجوں کی تعمیر ممکن نہ تھی۔ اسی زمانہ میں حکیم ابوہاشم خالد بن یزید بن معاویہ نے فلسفہ یونانی کا وسیع مطالعہ کیا اور فلسفہ کی کتابوں کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ بیرونی نے ان کو اسلام کا پہلا فلسفی لکھا ہے، علم کیمیا یعنی کیمسٹری کے بھی وہ استاد کامل مانے گئے نیز احادیث نبوی کے عالم اور محدثین میں ثقہ راوی تسلیم کیے جاتے ہیں، وہ امام زہری مدنی کے استاد تھے۔ ۸۸ھ میں یوسف بن عمران نے مکہ معظمہ میں بجائے ریشم کے روئی کا کاغذ بنانا شروع کیا جو دمشقی کاغذ کے نام سے مشہور ہوا۔ ۹۳ھ میں خلیفہ ولید کے حکم سے انطاکیہ میں ایک یعقوبی گرجا تعمیر ہوا۔ اسی سال یعنی ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے دریائے سندھ کے عبور کرنے میں کشتیوں کا عجیب وغریب متحرک پل استعمال کیا۔ عروہ بن

❶ ''اس تعلیم میں عمر گزر گئی ہے جب کہ میں ابھی تک الف ب ہی پڑھ رہا ہوں۔ اے اللہ! میں کب تک اس کے دیوان سے سبق پڑھتا رہوں گا۔ (یعنی میں اتنی عمر گزرنے کے باوجود ابھی ابتدائی سٹیج پر ہی ہوں اور یہ میری حالت کب تک برقرار رہے گی۔''

زبیر رضی اللہ عنہ نے جو ۹۳ھ میں فوت ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح اقدس کو بشکل کتاب تحریر و مرتب کیا۔ ۹۹ھ میں ابوالاسود نے قواعد علم نحو مرتب کیے ۱۱۳ھ میں خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے ایک تاریخ عجم کا جو بڑی مبسوط کتاب تھی، فارسی سے عربی میں ترجمہ کرایا۔ سیدنا وہب بن منبہ نے جو ۱۱۴ھ میں فوت ہوئے سوانح حیات اقدس نبوی کو ایک کتاب کی شکل میں ترتیب دیا۔ ۱۲۵ھ میں علم ہیئت کی کتاب مفتاح النجوم کا ترجمہ عربی میں ہوا۔

اسی عہد بنو امیہ میں بعض بزرگوں نے مذکورہ خانہ جنگیوں اور مذکورہ فرقوں کی بدعقیدگیوں اور لوگوں کی دنیا طلبی اور ہنگامہ پسندیوں کو دیکھ کر گوشہ نشینی، بے تعلقی اور یکسوئی کی زندگی کو ترجیح دی اور علائق دنیوی سے منقطع ہو کر اپنا زیادہ وقت عبادتوں میں بسر کرنا شروع کیا اور اپنے مخصوص شاگردوں اور دوستوں کو جو اس حالت میں بھی ان کے پاس آتے رہے۔ دینی تعلیم دینے سے گریز نہیں کیا۔ اسی سے تصوف اور خانقاہوں کا سلسلہ آگے چل کر بڑے زور شور سے جاری ہوا۔ ایسے لوگوں میں حسن بصری رحمہ اللہ ان کے بعد سفیان ثوری رحمہ اللہ کا نام خاص طور پر مشہور ہے۔

باب دوم

خلافت عباسیہ کے ابتدائی سو سال

عباسیوں کے خلاف علویوں کی سرگرمیاں

امویوں سے خلافت وحکومت کے چھننے اور عباسیوں کے برسر اقتدار آنے کا مجمل سا تذکرہ اوپر آچکا ہے، یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ سیاسی اور سازشی سرگرمیوں کی بدولت جو فرقے پیدا ہوئے تھے ان کا اسلام کے تشریعی پہلو پر زیادہ قوی اثر نہ تھا۔ سازشی گروہوں کی سرگرمیوں نے اگرچہ مذہب اور سیاست میں تفریق و امتیاز کی صورتیں پیدا کردی تھیں تاہم یہ تخیل اس لیے بہت ہی کمزور اور ہلکا تھا کہ سازشی گروہ جو حضرموت، بحرین، عراق اور ایرانی صوبوں میں زیادہ مصروف عمل تھے۔ عام طور پر ملحد اور شرارت پیشہ سمجھے جاتے اور حجازی وشامی علاقوں میں ان کے لیے کوئی وسیع گنجائش نہ تھی۔ عباسیوں کو حکومت وخلافت کے حاصل کرنے میں سب سے زیادہ امداد ایرانیوں اور مجوسی النسل لوگوں سے ملی تھی اور عباسیوں کی تمام تر طاقت کا انحصار ایرانیوں پر تھا۔ عربوں کی جانب سے وہ مطمئن نہ تھے۔ لہٰذا ایرانیوں کو حکومت وسلطنت میں حصہ دینے یعنی ان کو اعلیٰ درجہ کے عاملانہ عہدوں پر مامور رکھنے کے لیے وہ مجبور تھے اور چونکہ اسلام سے زیادہ واقف اور مذہب کے محافظ زیادہ تر اہل عرب تھے بنا بریں نومسلم اور اسلام سے کم واقف مجوسیوں کے برسر اقتدار ہونے سے مذہب اسلام کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ تاہم چونکہ خاندان عباسیہ خود ایک عربی خاندان تھا اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد ان مخالف اسلام اعمال کا موید و حامی نہیں رہ سکتا تھا جن کو اس نے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے ضرورتاً استعمال کیا تھا۔ لہٰذا خلفائے عباسیہ نے جوں جوں اقتدار داطمینان حاصل کیا وہ اسلام کی خدمت اور

حفاظت کی طرف متوجہ ہوتے گئے۔ ادھر علویوں اور فاطمیوں نے خلافت و حکومت سے محروم رہ کر عباسیوں کو جو امویوں کی مخالفت میں شریک و ہمراز تھے۔امویوں کی طرح اپنا دشمن سمجھا اور عباسیوں کی حکومت کے مٹانے اور برباد کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اس سے پہلے عباسی اہل بیت نبوی میں شامل سمجھے جاتے تھے لیکن اب علویوں نے اہل بیت کے مفہوم سے عباسیوں کو خارج کر کے صرف اپنے آپ کو اہل بیت قرار دے کر وہی سازشی کارروائیاں عباسیوں کیخلاف جاری رکھیں اور علوی دعاۃ ونقباء کو اب ایک اور نئی قسم کی جھوٹی حدیثیں بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چونکہ عباسی بھی اب تک اسی میدان کے مرد رہ چکے تھے اور ایرانیوں کی طاقتور اکثریت ان کی ہمدرد و ہوا خواہ تھی۔ نیز یہ کہ انہوں نے امویوں کے دار الخلافہ دمشق کو ترک کر کے عراق میں دارالخلافہ بنایا لہٰذا علویوں کے لیے عباسیوں کے خلاف خفیہ تدابیر کو جاری رکھ کر کامیابی حاصل کرنا آسان نہ تھا۔ بنا بریں انہوں نے پرانے تجربوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی احتیاط اور انتہائی ہوشیاری سے اپنا کام شروع کیا۔ عباسی اس بات سے واقف تھے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے علوئے مرتبت کو یاد دلا کر لوگوں کو کس قدر متاثر کیا جا سکتا ہے انہوں نے بڑی مستعدی کے ساتھ اپنے عربی و ایرانی مددگاروں سے کام لے کر علویوں کی کوششوں کو ناکام رکھنے کے لیے بطور حفظِ ما تقدم جا بجا مناسب انتظامات کر دیئے اور اپنی حفاظت کے لیے ضروری سمجھا کہ عربی النسل اور ایرانی النسل لوگوں کی رقابت کو قائم رکھ کر دونوں طاقتوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ امویوں کے مقابلہ میں علویوں اور عباسیوں نے مل کر جو کوشش کی تھی۔ اس میں زیادہ تر نومسلم مجوسیوں سے کام لیا گیا تھا اور دارالخلافہ دمشق سے دور ہونے کے سبب ایرانی صوبوں کو معمول بنانے میں زیادہ آسانی بھی تھی۔ لیکن علویوں کو اب ایران اور عرب دونوں ملکوں اور دونوں قوموں میں کام کرنا پڑا کیونکہ دارالخلافہ کے عراق میں آ جانے سے حجاز و یمن اور خراسان و ترکستان پر حکومت کا یکساں اثر تھا۔ دوسری خاص بات اپنی کوششوں میں علویوں کو یہ مدنظر رکھنی پڑی کہ اپنی تحریک کو جہاں تک ممکن ہو، مذہبی رنگ میں رنگین کیا جائے کیونکہ انہیں جن لوگوں کو اپنا معمول بنانا پڑا

ان میں بڑا حصہ ایسے لوگوں کا بھی تھا جو ایرانیوں اور خراسانیوں کی طرح مذہب سے ناآشنا اور غافل نہ تھے، مقابلہ چونکہ تجربہ کار عباسیوں کا تھا لہٰذا علویوں کا زیادہ عمیق اور زیادہ دقیق راہِ عمل اختیار کرنا امر ناگزیر تھا۔ کوششوں کے اصول بھی عربی اور ایرانی علاقوں میں ایک نہیں رہ سکتے تھے۔ خارجیوں اور عنادی والحادی منافقوں سے بھی کام لے لینے اور اپنی طاقت بڑھانے کی ضرورت تھی۔ خط وکتابت اور پیام رسانی کے لیے ایک مرموز طریق کتابت بھی ایجاد کرنا پڑا، جس کا چند خواص تک محدود رہنا ازبس ضروری تھا۔ یہی مرموز خط تغیر وتبدل کے بعد آج کل علم جفر کے نام سے بہت سے بیوقوفوں کی تضیع اوقات کا سامان بنا ہوا ہے۔ غرض علویوں کی یہ تحریک جو عباسیوں کے خلاف زیر عمل آئی بہت ہی پیچیدہ بہت دشوار اور بہت ہی کم سمجھ میں آسکنے والی تھی اور اسی لیے اس خفیہ تحریک کے نتیجے میں جو فرق پیدا ہوئے وہ تعداد میں زیادہ اور مذہب اسلام کے عملی اور تشریعی پہلو پر بھی نسبتاً زیادہ اثر ڈالنے والے ثابت ہوئے۔

عبداللہ سفاح اور منصور عباسی کی مستعدی

عبداللہ سفاح پہلا عباسی خلیفہ چار برس آٹھ مہینے حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا۔ اس عرصہ میں وہ برابر علویوں کو اپنے جودوسخا کی بارش سے خاموش رکھنے میں کامیاب ہوا اور کسی علوی کو اس نے اپنے پاس سے ناراض اور ناخوش ہو کر رخصت ہونے کا موقع نہیں دیا۔ دوسرا خاص کام اس نے یہ کیا کہ بنوامیہ کو عرب وشام وایران ومصر وغیرہ میں جہاں کہیں پائے گئے چن چن کر قتل اور سارے قبیلہ کو قریباً تخم سوخت کردیا، کسی کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا۔ بنوامیہ میں سے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک ایک شخص بچ کر بھاگ نکلا تھا۔ اس نے اندلس میں جا کر اپنی سلطنت وخلافت کے قائم کرلینے میں کامیابی حاصل کی لیکن ان مشرقی ممالک میں بنوامیہ کا کوئی فرد بظاہر باقی نہیں چھوڑا گیا اگر بنوامیہ ان مشرقی ممالک سے قطعاً نابود نہ کردیے جاتے تو یقیناً وہ علویوں کے ساتھ اشتراک عمل کرتے اور عباسیوں کو بہت ہی تھوڑی مہلت حکومت وخلافت کے لیے میسر

آتی۔ عبد اللہ سفاح کے عہد حکومت میں ابو مسلم خراسانی سیاہ و سپید کا مالک تمام ایرانی و خراسانی علاقوں میں بنا رہا اور اسی کی مخالفِ عرب اور مخالف اسلام تجویزوں نے بنو امیہ کو صفحہ ہستی سے نابود کرایا۔ دوسرے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کو تخت نشین ہو کر سب سے پہلے اپنے چچا عبد اللہ بن علی کی بغاوت کو فرو کرنا پڑا لیکن اس خانہ جنگی اور بغاوت کو وہ ابو مسلم خراسانی کی امداد کے بغیر فرو نہ کر سکا اور اس کو محسوس ہو گیا کہ ایرانی لوگ اپنی مجوسی شہنشاہی کو جو خلفائے راشدین ﷺ کے زمانہ میں برباد ہو چکی تھی پھر قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں علوی ایرانیوں کو امداد نہ پہنچائیں یا ایرانی کہیں علویوں کو اپنی سپر یا آلہ کار نہ بنالیں۔ چنانچہ اس کی رگ ہاشمی جوش میں آئی اور اس نے ہمت و تدبیر سے کام لے کر بہت جلد ابو مسلم خراسانی کا کام تمام اور جدید ایرانی سلطنت کے خواب کو خیال بنادیا۔ اس جگہ یہ بات ذہن نشین ہونے کی قابل ہے کہ کوئی مذہبی پیشوا اگر اپنے اعلیٰ درجہ کے معتقد اور فرمانبردار شخص کو کسی ایسے کام کے کرنے کا حکم دے جو اس مذہب کی تعلیم کے خلاف ہو اور یہ کام مخفی طور پر کیا جائے اور اس کے مخفی رکھنے کی ہدایت کی جائے تو وہ معتقد و فرمانبردار شخص اس مذہب پر عموماً قائم نہیں رہا کرتا۔ اور اس مذہب کا باطل ہونا اس کے دل میں جم جاتا ہے۔ امام ابراہیم کا ابو مسلم کو اپنا راز دار بنانا اور تعلیمات اسلامیہ کے خلاف اس سے سازشی کاموں اور مخفی تدبیروں کا انجام دلانا سب سے بڑا محرک اس بات کا تھا کہ ابو مسلم با اختیار اور با اقتدار ہونے کے بعد اسلام اور اسلامی مقاصد کی مطلق پروا نہ کر کے اپنی قومی مجوسی سلطنت قائم کرنے کی کوشش کرے، یہی کیفیت ہر ایک نقیب اور ہر ایک داعی کی ہوئی اور ان میں بہت ہی کم ایسے شخص شائد تلاش ہو سکیں جو تقویٰ و طہارت اور تمام اسلامی عقائد میں پختہ اور اعلیٰ مقام پر ثابت ہوئے ہوں ابو جعفر منصور نے صرف ابو مسلم کی باا ثر اور پر شوکت ذات کو فنا کرنا کافی سمجھ کر ایرانیوں کی قوم اور ایرانی طاقت کو جو اس کے لیے پشت پناہ ثابت ہو رہی تھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ ابو مسلم کے ہمراہیوں میں سے فیروز نامی مجوسی نے جو سنباد کے نام سے مشہور ہے۔ باغی ہو کر اور سلطنت اسلامیہ کے لیے مشکلات پیدا کر کے اس

خیال کو صحیح ثابت کر دیا کہ ابومسلم واقعی ایک مجوسی سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھا۔

﴿ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ﴾ [الانفال:٦/٦٤]

''مسلمانو! آپس میں جھگڑا نہ کرو کیونکہ آپس میں جھگڑنے سے تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

آخر بڑے کشت وخون کے بعد سنباد کا فتنہ بھی فرو ہوا۔ فتنہ ابومسلم اور فتنہ سنباد سے فارغ ہونے کے بعد حکومت عباسیہ نے ایرانیوں کے مقابلہ میں عربوں کو شایان اعتماد نہیں سمجھا اور خالد بن برمک ایرانی کو بدستور وزارت کے عہدہ پر قائم رکھا۔ جو عبداللہ سفاح کے زمانہ سے اس عہدہ پر فائز تھا۔ یہ حالات دیکھ کر علویوں نے زیادہ انتظار مناسب نہ سمجھ کر اپنا کام مستعدی سے شروع کر دیا۔ اس مرتبہ علویوں میں محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ جو مکہ معظمہ کی خفیہ مجلس مشورت میں خلیفہ منتخب ہوئے تھے اور جو محمد مہدی اور نفس زکیہ کے نام سے مشہور ہیں، تحریک کے امام قرار پائے۔ ان کے داعی اور نقبا بہت جلد مناسب اور ضروری ہدایات کے ساتھ حجاز، مصر، عراق، فارس، ایران، خراسان اور سندھ کے صوبوں میں پھیل گئے۔ اس انقلابی تحریک میں صوبوں کے گورنروں پر بھی ڈورے ڈالنے کا اس لیے بآسانی موقع مل سکا کہ کاروبار سلطنت میں ایرانی اور عربی دونوں عناصر موجود اور دونوں کی رقابت وتفریق نمایاں ہو چکی تھی۔ علویوں کا چونکہ دونوں عناصر میں رسوخ تھا۔ لہٰذا وہ حسب موقع ایک کے جذبات کو دوسرے کی مخالفت میں برانگیختہ کر کے اپنا کام نکال سکتے تھے۔ چنانچہ خراسان کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمٰن اور سندھ کے عامل عیینہ بن موسیٰ بن کعب اور طبرستان کے عامل نے جو ایک ایرانی نومسلم تھا یکے بعد دیگرے علم بغاوت بلند کیا۔ عباسی چونکہ پہلے سے چوکس تھے یہ بغاوتیں جلد جلد فرو کر دی گئیں اور محمد مہدی (نفس زکیہ) کی تحریک سے بھی عباسیوں کو جلد واقفیت حاصل ہو گئی۔ محمد مہدی احتیاطاً روپوش ہو گئے۔ منصور نے محمد مہدی کی بڑی ہی تلاش وجستجو کی مگر وہ باوجود اس کے کہ حجاز میں موجود تھے۔ قبائل عرب کی ہمدردی وحمایت کے سبب منصور کے ہاتھ نہ آئے اور اپنی تحریک کو ترقی دیتے رہے۔ منصور نے مجبور ہو کر ان کے بارہ تیرہ قریبی رشتہ داروں کو جن میں ان کے باپ چچا

اور چچا زاد بھائی شامل تھے مدینہ میں گرفتار کرا کر قید کر دیا۔ محمد مہدی خود حجاز میں تھے، اپنے بھائی ابراہیم کو انہوں نے عراق و فارس وخراسان کی طرف بھیج دیا اور اپنے بیٹے علی کو مصر کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ علی بن محمد مہدی مصر میں گرفتار ہو گئے لیکن محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم برابر حجاز وشام اور عراق وخراسان وغیرہ میں مصروف عمل رہے۔ منصور نے محمد مہدی اور ان کے بھائی کی گرفتاری سے عاجز ومایوس ہو کر ان کے رشتہ داروں کو جو محبوس ومقید تھے اور جن میں محمد مہدی کے باپ عبد اللہ بن حسن مثنی بھی شامل تھے۔ نہایت سنگدلی کے ساتھ قتل کرا دیا۔

علویوں کا خروج عباسیوں کے خلاف

اپنے باپ، چچا اور چچا زاد بھائی کے اس بیدردانہ قتل کا حال سن کر محمد مہدی ضبط نہ کر سکے انہوں نے درآنحالیکہ ان کی تحریک تکمیل اور پختگی کو نہیں پہنچی تھی مدینہ میں خروج کیا اور مدینہ کے عامل رباح بن عثمان بن جہان مزنی کو گرفتار ومقید کر کے اپنی خلافت وامارت کا اعلان کیا۔ یہ سن کر منصور بہت پریشان ہوا اور محمد مہدی سے صلح وآشتی کی گفتگو کا موقع نکالنے کے لیے خط وکتابت شروع کی۔ دونوں کے خطوط تاریخوں میں منقول ہیں۔ ان کے مطالعہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ علویوں اور عباسیوں نے متفقہ سازش سے امویوں کو ہلاک وبرباد کیا تھا اور عباسیوں کے برسر حکومت ہو جانے اور علویوں کے تخت سلطنت سے محروم رہ جانے پر علویوں کو عباسیوں سے عداوت پیدا ہوئی تھی۔ حکومت وسلطنت کے سوا اور کوئی وجہ ان کے درمیان مخالفت کی نہ تھی۔ دینی ومذہبی عقائد میں کسی قسم کا کوئی اختلاف مطلق نہ تھا، نہ اس معاملہ میں ایک کو دوسرے سے کوئی شکایت تھی۔ اس خط وکتابت میں ایک نے دوسرے کے بزرگوں کی تحقیر کرنے اور طعنہ دینے میں کمی نہیں کی حالانکہ دونوں یک جدی اور رسول اللہ ﷺ سے یکساں رشتہ داری رکھتے تھے۔ ایک ابی طالب کی اولاد تھے اور دوسرے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی، اور یہ دونوں عبد المطلب کے بیٹے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ دونوں کلام الٰہی کی تعلیم کو فراموش کر کے کس طرح خواہشات نفسانی اور اغراض دنیوی

سے متاثر ہو گئے۔ تھے محمد مہدی کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ بصرہ میں مقیم اور روپوش تھے محمد مہدی نے بھائی کو اطلاع دیدی کہ تم بھی وہاں خروج کرو۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں ابراہیم بیمار تھے لہٰذا انہوں نے اپنے صحت یاب ہونے تک تامل کیا اور اس طرح منصور کی فوجوں کو اوّل مدینہ میں محمد مہدی کا اور پھر ان سے فارغ ہو لینے کے بعد ابراہیم بن عبد اللہ کے مقابلہ کا موقع ملا۔ محمد مہدی نے مدینہ میں اور ابراہیم نے بصرہ میں ایسی قوت حاصل کر لی تھی کہ اگر دونوں بھائی ایک ہی وقت خروج کرتے تو حکومت عباسیہ کا درہم برہم ہو جانا یقینی تھا۔ مگر قدرتی طور پر علویوں کی ناکامی کے اسباب پیدا ہو گئے، دونوں بھائی مدینہ اور بصرہ میں کام آئے اور عباسیوں کی حکومت موت کے منہ سے بال بال بچ گئی۔

یہ واقعہ ۱۴۵ھ کا ہے یہاں یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ میں محمد مہدی کی بیعت کے لیے لوگوں کو ترغیب دی تھی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عراق میں ابراہیم بن عبد اللہ کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا۔ منصور عباسی نے ان لڑائیوں سے فارغ ہو کر امام مالک رحمہ اللہ کو کوڑوں سے پٹوایا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو گرفتار کرا کر بغداد میں بلوایا اور قید کر دیا۔ چونکہ بغداد کی شہر پناہ تعمیر ہو رہی تھی لہٰذا خشت شماری کی خدمت بطور مشقت ان کے سپرد ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ منصور نے ان کو عہدہ قضاۃ سپرد کرنا چاہا تھا لیکن انہوں نے جب انکار کیا تو خشت شماری کا کام ان کے سپرد ہوا۔ امام صاحب اسی حالت میں ۱۵۰ھ تک مصروف و مقید رہ کر فوت ہوئے۔

مذکورہ دونوں بزرگوں کے علاوہ ابن عجلان اور عبد الحمید بن جعفر وغیرہ دوسرے علماء نے بھی محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم کی بیعت کے لیے فتوے دیے تھے، ان سب کو بھی حکومت عباسیہ کی طرف سے اسی قسم کی سزائیں دی گئیں۔ محمد مہدی نے مدینہ میں خروج کرنے سے پہلے اپنے دوسرے بیٹے عبد اللہ اشتر کو بصرہ میں اپنے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ کے پاس بھیج دیا تھا کہ فلاں تاریخ خروج کرنا چاہیے۔ ابراہیم بن عبد اللہ نے اس بھتیجے کو فوراً سندھ کی طرف روانہ کیا جہاں عمر بن حفص بن عثمان بن قبیصہ بن ابی صفرہ حکومت عباسیہ کی طرف سے حاکم اور ابراہیم بن عبد اللہ کے اثر و تحریک سے اس علوی سازش میں،

شریک ہو چکا تھا۔ عبد اللہ اشتر کے پہنچتے ہی عمر بن حفص نے محمد مہدی کی خلافت کو تسلیم کر کے عباسیوں کے لباس اور نشانات کو چاک کر کے خطبہ میں محمد مہدی کا نام داخل کیا۔ مگر چند ہی روز کے بعد محمد مہدی اور ابراہیم کے مقتول ہونے کی خبر پہنچی تو عمر بن حفص نے عبد اللہ اشتر کو سندھ کے ایک راجا کے پاس جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی اولاد سے محبت رکھتا تھا، بھیج دیا اور خود پھر عباسی حکومت کا فرمانبردار بن گیا۔ منصور نے یہ خبر سن کر عمر بن حفص کی جگہ ہشام بن عمرو تغلبی کو سندھ کی حکومت پر مامور کر کے عمر بن حفص کو اپنے پاس بلا کر مصر کی حکومت پر مامور کیا۔ منصور کی دانائی اور مال اندیشی کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے عمر بن حفص کو کوئی سزا نہیں دی اور بجائے سندھ کی صوبہ داری کے مصر کی صوبہ داری پر تبدیل کر دینا ہی کافی سمجھا۔ ۱۴۶ھ میں سیستان کے علاقہ میں خارجیوں نے شورش و بغاوت برپا کی اور یہ بغاوت معن بن زائدہ نے وہاں جا کر فرو کی۔ عبد اللہ بن اشتر کے سندھ میں موجود ہونے کا حال سن کر کئی سو عرب جو اس علاقہ میں علوی تحریک کو کامیاب بنانے میں مصروف تھے عبد اللہ اشتر کے پاس آ کر جمع ہو گئے، منصور نے عبد اللہ اشتر کی گرفتاری کے لیے سندھ کے عامل کو لکھا۔ آخر عبد اللہ اشتر ایک لڑائی میں مارا گیا اور اس کا خورد سال بیٹا گرفتار ہو کر منصور کے پاس پہنچا۔

مجوسیوں اور ملحدوں کی بغاوتیں اور عباسیوں کی ہوشیاری

۱۵۰ھ میں استاجیس (افراسیاب) نامی ایک شخص نے خراسان میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ہزار ہا خراسانیوں نے بلا تامل اس کی نبوت کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا۔ ہرات بادغیس اور سیستان کے لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور خراسان کے اکثر حصہ پر استاجیس نے قبضہ کر لیا۔ عباسی لشکر جو اس پر حملہ آور ہوا اس نے شکست کھائی۔ دوسری زبردست فوج مقابلہ پر پہنچی استاجیس کے ستر ہزار ہمراہی ایک میدان میں مارے گئے اور بقیہ چودہ ہزار کے ساتھ وہ پہاڑوں میں محصور ہوا۔ آخر بمشکل استاجیس کی گرفتاری پر یہ فتنہ فرو ہوا۔ ان واقعات سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ علویوں کی تحریک کے علاوہ وہ دشمن

اسلام تحریک بھی بجائے خود موجود تھی جس کی ابتداء عبد اللہ بن سبا نے کی تھی اور جس کی تقلید سے خود مسلمان اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس وقت تک اگرچہ دربار اور دفتروں میں ایرانی عنصر غالب نظر آتا تھا مگر شاہی فوج میں عربوں کا غلبہ تھا۔ ان فوجی عربوں میں قبائل مضر اور قبائل ربیعہ کی کثرت تھی۔ ابو جعفر منصور کو محمد مہدی اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ کے خروج سے اندازہ ہو چکا تھا کہ عربوں کی جنگی طاقت کسی وقت موجب خطر ثابت ہو سکتی ہے لہٰذا اس نے یہ تدبیر کی کہ قبائل مضر اور قبائل ربیعہ میں رقابت و مخالفت پیدا کرا کر عربوں کے دو ٹکڑے کر دیے اور آدھی جنگی طاقت کو جس میں قبائل ربیعہ شامل تھے بغداد میں رکھ کر باقی آدھی فوج کے لیے جس میں قبائل مضر شامل تھے ایک دوسری چھاؤنی رصافہ کے نام سے قائم کی۔ مدینہ والوں سے ابو جعفر منصور بہت بدگمان ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ۱۵۸ھ میں سفیان ثوری رحمہ اللہ عباد بن کثیر رحمہ اللہ کی گرفتاری کے احکام جاری کیے اور اسی سال بماہ ذیقعدہ بعزم حج، بغداد سے روانہ ہوا، روانگی کے وقت اپنے بیٹے مہدی عباسی کو جو وصیت کی اس کے یہ فقرے خصوصیت سے قابلِ توجہ ہیں:

> ''میں تم کو خراسانیوں کے ساتھ بہ حسن سلوک پیش آنے کی تاکید کرتا ہوں کیونکہ وہ تمہارے قوت بازو اور ایسے مددگار ہیں کہ انہوں نے تمہارے خاندان میں حکومت و سلطنت قائم کرنے کے لیے اپنا جان و مال صرف کیا ہے۔ میرا خیال ہے خراسانیوں کے دلوں سے تمہاری محبت کبھی نہ نکلے گی، ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا، ان کے نمایاں کاموں پر ان کو انعام و اکرام سے خوش کرنا ......اور خبردار! قبیلہ بنی سلیم کے کسی شخص سے کبھی مدد طلب نہ کرنا۔''

ابھی یہ سفر پورا نہ ہوا تھا یعنی مکہ معظّمہ تین چار میل رہ گیا تھا کہ ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو فوت ہو گیا۔ منصور کے بیٹے مہدی کے عہد حکومت میں پہلے ہی سال ۱۵۹ ھ میں حکیم مقنع نے نبوت کا مدعی ہو کر خراسان میں خروج کیا۔ یہ ابو مسلم خراسانی کی جماعت کا آدمی اور حلول و تناسخ کا قائل تھا۔ اہل خراسان اس کی اطاعت پر آمادہ ہو گئے اور بالآخر اس کو خدا

سمجھ کر اس کے آگے سجدے کرنے لگے مرو سے لے کر بخارا تک کے باشندے عباسیوں کی مخالفتمیں اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے، خلیفہ مہدی عباسی نے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کیں بار بار عباسی فوجوں کو شکست ہوئی، آخر چار پانچ مہینے کی خونریزی کے بعد مقنع مذکور قلعہ بسام میں بتیس ہزار آدمیوں کے ساتھ محصور ہوا جس میں سے تیس ہزار آدمی محاصرین سے امان طلب کر کے قلعہ سے نکل آئے دو ہزار مقنع کے ساتھ قلعہ میں رہ گئے۔ محاصرہ کی شدت سے تنگ آ کر مقنع نے خودکشی کی اور قلعہ مفتوح ہوا۔ خلیفہ مہدی نے علویوں کے ساتھ رعایت و مروت کا برتاؤ ضروری سمجھ کر محبت و دوستی کے تعلقات پیدا کیے اور ان کو حکومت وسلطنت میں ذمہ داری کے عہدے بھی عطاء کیے۔ خالد بن برمک کو اپنے بیٹے ہارون کی اتالیقی پر مامور کر کے یعقوب بن داؤد کو وزیر بنایا۔۱۶۳ھ میں حلب کے متصل زندیقوں کی جمعیت نے قوت پا کر شورش برپا کی اور مہدی نے ان کا قلع قمع کیا ۱۶۶ھ میں خلیفہ مہدی نے امام ابویوسف شاگرد امام ابوحنیفہ کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا۔ ۱۶۷ھ میں زندیقوں نے یمامہ و بحرین کے صوبوں میں بڑا زور پکڑا لوگ ان کے بہکانے سے مرتد ہو ہو کر نمازیں چھوڑ بیٹھے۔ محرمات شرعیہ کا پاس و لحاظ اٹھا دیا اور لوٹ مار پر مستعد ہو گئے، مہدی پوری مستعدی اور ہمت کے ساتھ ان کے استیصال پر آمادہ ہوا اور جا بجا ان کا قتل عام کرایا اور یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ ابھی یہ فتنہ فرو نہ ہوا تھا کہ طبرستان اور جرجان میں ایرانیوں نے علم بغاوت بلند کیا۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے مہدی نے اپنے بیٹے ہادی کو روانہ کیا اور وہ فتنہ بھی معمولی کشت وخون کے بعد فرو ہوا۔ ۲۲ محرم ۱۶۹ھ کو مہدی کا انتقال ہوا اور ہادی تخت خلافت پر بیٹھا۔ خلیفہ مہدی عباسی نے اپنے عہد حکومت میں کسی ہاشمی یا علوی کو قتل نہیں کیا۔ مہدی قرآن و حدیث کا عالم اور متبع شرع خلیفہ تھا۔ وہ اس بات سے واقف تھا کہ میرے بزرگوں اور علویوں کے درمیان جو عداوت و دشمنی چلی آتی ہے وہ ہرگز للّٰہیت پر مبنی نہیں بلکہ دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہے۔ بنا بریں اس نے علویوں کو نقصان نہ پہنچانے کی قسم کھائی اور ان کو اپنی مصاحبت میں داخل کیا اور اپنی جود وسخا سے ان کو مالا مال کر دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہدی کے عہد حکومت میں،

علویوں نے اپنی مخالفانہ سرگرمیوں کو ملتوی کر دیا۔ یا یوں کہو کہ وہ اس سہولت و مہلت میں آئندہ کے لیے خروج کی تیاریاں کرتے رہے۔

علویوں کا خروج اور ناکامی

خلیفہ مہدی عباسی کے فوت ہوتے ہی علویوں نے ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کر دیے۔ ۱۶۹ھ کے ایام حج سے کچھ دنوں پہلے محمد مہدی المعروف بہ نفس زکیہ مذکور کے چچازاد بھائی حسین بن علی حسن مثلث بن حسن مثنیٰ اور محمد مہدی کے بیٹے حسن بن محمد بن عبد اللہ نے مل کر مدینہ میں خروج کیا۔ مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکہ معظّمہ پر بھی قابض و متصرف ہو گئے۔ ایام حج میں مختلف صوبوں سے جو سرکاری اہل کار اور امرا حج کے لیے آئے تھے، انہوں نے محمد بن سلیمان عباسی کے زیر قیادت مجتمع ہو کر مقابلہ کیا، یوم ترویہ کو جنگ ہوئی اور حسین و حسن مذکور دونوں قتل ہوئے۔ اس لڑائی میں ادریس بن عبد اللہ برادر محمد مہدی بھی شریک تھا، وہ بچ کر نکل بھاگا اور سیدھا مصر پہنچا، وہاں بعض محبان اہل بیت کی مدد سے بچ کر بلاد مغرب کی طرف چل دیا اور طنجہ کے علاقہ میں پہنچ کر بربریوں کو دعوت دینے میں مصروف ہوا۔ دوسرا بھائی یحییٰ بن عبد اللہ فرار ہو کر دیلم پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو خفیہ طور پر دعوت دینے لگا۔ خلیفہ ہادی ابن مہدی عباسی سوا برس کی حکومت کے بعد ۱۴ ربیع الاوّل ۱۷۰ھ کو فوت ہوا، اس کے بعد اس کا بھائی ہارون الرشید تخت نشین ہوا۔ ہارون الرشید نے تخت نشین ہوتے ہی یحییٰ بن خالد بن برمک ایرانی کو وزیر اعظم بنا کر سلطنت کے تمام صیغے اس کے سپرد کر دیے۔ ۱۷۴ھ میں ہارون الرشید نے یوسف بن امام ابو یوسف کو بغداد کا قاضی مقرر کیا جبکہ ان کے باپ امام ابو یوسف بصرہ کے قاضی تھے۔

۱۷۵ھ میں یحییٰ بن عبد اللہ برادر محمد مہدی نے جو دیلم میں مخفی طور پر لوگوں کو اپنی دعوت میں شامل کر رہے تھے، خروج کیا اور بہت جلد ایک زبردست فوج ان کے گرد جمع ہو گئی۔ ہارون نے پچاس ہزار جرار فوج فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کی سپہ سالاری میں یحییٰ بن عبد اللہ کے مقابلہ پر روانہ کی۔ فضل بن یحییٰ نے قریب پہنچ کر خط و

کتابت اور سلام و پیام کے ذریعہ یحییٰ کو صلح و آشتی کی جانب مائل کیا۔ یحییٰ نے کہا کہ اگر ہارون الرشید خود امان نامہ اپنے قلم سے لکھ کر اور بغداد کے علماء و قضاۃ کی مہریں ثبت کرا کر بھیجے تو میں تمہارے ساتھ بغداد چلنے پر آمادہ ہوں۔ چنانچہ ہارون الرشید نے اپنے قلم سے عہد نامہ لکھ کر اور علماء وقضاۃ کی مہریں ثبت کرا کر امان نامہ بھیج دیا اور یحییٰ بن عبد اللہ فضل بن یحییٰ کے ساتھ بغداد چلے آئے۔ ہارون الرشید نے عزت کا برتاؤ کیا اور فضل بن یحییٰ کو یحییٰ بن عبد اللہ کی نگرانی سپرد کی۔ ۱۷۶ھ میں ہارون الرشید کے پاس خبر پہنچی کہ موسیٰ بن عیسیٰ مصر کا نائب السلطنت دعوت علویہ سے متاثر اور انقلاب خلافت کی تدابیر میں مصروف ہے۔ ہارون الرشید نے یہ وحشت ناک خبر سن کر فوراً ملک مصر کی حکومت کا انتظام جعفر بن یحییٰ برمکی کے سپرد کیا اور اس نے وہاں عمر بن مہران کو اپنی جانب سے حاکم بنا کر بھیجا۔ وہ چند روز مصر میں رہ کر واپس آیا اور اسحاق بن سلیمان مصر کا حاکم مقرر ہوا۔ ۱۷۷ھ میں موصل اور اس کے اردگرد کا علاقہ باغی ہو گیا، یہ بغاوت ہارون الرشید نے خود جا کر فرو کی۔ اسی عرصہ میں خبر پہنچی کہ مصر میں باغیوں نے اسحاق بن سلیمان کو شکست دی۔ ۱۷۸ھ میں ہرثمہ بن اعین حاکم فلسطین نے جا کر اس بغاوت کو فرو کیا۔

خارجیوں اور مجوسیوں کی بغاوت اور خاندان برمک کی تباہی

یہاں مصر و موصل وغیرہ میں بغاوتیں ہو رہی تھیں ادھر خراسان میں خارجیوں نے علم بغاوت بلند کر کے عباسی فوجوں کو کئی زبردست شکستیں دیں، آخر بمشکل تمام یہ فتنے فرو ہوئے۔ ۱۷۹ھ میں ہارون الرشید نے عمرہ ادا کیا۔ اسی سال ۷/ ربیع الثانی کو سیدنا امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے اور بماہ ذیقعد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بیٹے حماد نے وفات پائی۔ ۲۷ رجب ۱۸۲ھ کو امام ابویوسف نے (جن کا نام یعقوب تھا) جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور بغداد کے قاضی القضاۃ ہو گئے تھے وفات پائی۔ اسی سال خارجیوں نے خراسان میں پھر علم

بغاوت بلند کیا اور مسلسل چار سال تک یہ فتنہ فرو نہ ہو سکا۔ بمشکل ۱۸۶ھ میں یہ ہنگامہ فرو ہوا، اس ہنگامہ کے اتنے دنوں برپا رہنے اور بآسانی فرو نہ ہونے کا سبب خاص تھا۔ ہارون الرشید نے ۱۸۰ھ میں خراسان کی حکومت پر علی بن موسیٰ کو جو ایک سخت گیر افسر تھا، مامور کر کے بھیج دیا تھا وزیراعظم یحییٰ بن خالد بن برمک جو مجوسی النسل اور خراسانی ہونے کے سبب اہل خراسان سے ہمدردی رکھتا تھا۔ علی بن موسیٰ کے تقرر کو ناپسند کرتا تھا وہ چاہتا تھا کہ خراسان پر علی بن موسیٰ کامیاب حکومت نہ کر سکے۔ ہارون الرشید علویوں کی جانب سے بے خبر اور مطمئن نہ تھا، اس نے امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق کو بغداد ہی میں قیام رکھنے پر مجبور کیا تھا۔ بغداد سے باہر جانے کی ان کو ممانعت تھی۔ ۲۵ رجب ۱۸۳ھ امام موسیٰ کاظم فوت ہو کر بغداد میں مدفون ہوئے۔ ۱۸۵ھ میں اہل طبرستان نے پھر شورش و بغاوت برپا کی اور طبرستان کے عامل مہرویہ رازی کو قتل کر ڈالا، یہ بغاوت بہت جلد فرو ہو گئی۔ ہارون الرشید نے چونکہ اپنے وزیراعظم یحییٰ بن خالد کی منشاء کے خلاف علی بن موسیٰ کو خراسان کا حاکم مقرر کیا تھا۔ لہٰذا وزیراعظم کی ریشہ دوانیوں اور خفیہ کارروائیوں کی بدولت چار سال تک خراسان میں ہنگامہ برپا رہا مگر ہارون الرشید نے وزیراعظم کے کئی مرتبہ توجہ دلانے کے باوجود علی بن موسیٰ کو خراسان کی حکومت سے جدا نہ کیا۔

اب وزیراعظم نے یہ تدبیر سوچی کہ خراسانیوں سے درخواستیں بھجوانی شروع کیں کہ علی بن موسیٰ کو یہاں سے علیحدہ کر دیا جائے ان درخواستوں کا سلسلہ برابر جاری رہا اور شکایتوں کی تعداد حد سے گزر گئی تو ہارون الرشید نے مجبوراً خود خراسان کا سفر اختیار کیا۔ وہاں پہنچ کر حالات کا معائنہ کیا اور خوش ہو کر نہ صرف یہ کہ علی بن موسیٰ کو خراسان کی حکومت پر بدستور مامور رکھا بلکہ رے، طبرستان، نہاوند اور ہمدان کے علاقے بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیے۔ اس سفر میں ہارون الرشید کو اپنے مجوسی النسل وزیراعظم اور اس کے بیٹوں کی تمام شرارتوں کا علم ہو چکا تھا۔ خالد بن برمک ابومسلم خراسانی کا خاص معتمد تھا اور یہ لوگ ایک ایرانی سلطنت قائم کرنے کے بے حد آرزومند تھے۔ خالد بن برمک نے ابومسلم کے قتل

کے بعد اپنے کسی طرزِ عمل سے ملال یا ناراضی کا اظہار نہ ہونے دیا اور اپنی وفا داری کا عباسیوں کو اس طرح یقین دلایا کہ وہ اس سے خوش اور مطمئن رہے۔ خالد نے ۱۶۳ھ میں وفات پائی۔ اس کی اولاد اپنے باپ کی خواہش سے واقف اور اس کے پورا کرنے کی خواہاں تھی اور اب انہوں نے خراسان میں اس کی تیاریاں کر لی تھیں لیکن ہارون الرشید کو شبہ گزرا اور اس نے علی بن موسیٰ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔ جس نے جا کر وہاں کی تمام اس فضا کو جو یحییٰ بن خالد بن برمک کی ہدایت کے موافق اس کے چھوٹے بیٹوں موسیٰ ومحمد نے تیار کی تھی درہم برہم کرنا شروع کر دیا اور آل برمک ہی کی کوششوں سے کئی سال تک ہنگامہ آرائی برپا رہی۔ ہارون الرشید کو چونکہ پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا لہٰذا اس عرصے میں اس کا شبہ یقین سے قریب ہوتا گیا اور اس سفرِ خراسان میں حق الیقین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ لہٰذا اس نے اب آل برمک کو زیادہ مہلت دینی مناسب نہ سمجھ کر ۱۸۷ھ کے ماہ محرم میں اس مجوسی خاندان کو تہس نہس کر ڈالا جو اس کی بغل میں رہ کر اور وزارت عظمیٰ پر فائز ہو کر اس کی بربادی اور خلافت عباسیہ کا تختہ الٹ دینے کی مکمل سازش کر چکے تھے اور اس سازش میں علوی ان کے شریک تھے۔ چنانچہ یحییٰ بن عبد اللہ مزکور جو عرصہ سے نظر بند تھے۔ ان کو اسی زمانہ میں برامکہ نے ہارون الرشید کی اجازت کے بغیر رہا اور آزاد کر دیا تھا۔

برامکہ کی یہ تیاریاں ابومسلم کے خون کا بدلہ لینے اور ایرانی سلطنت قائم کرنے کے لیے تھیں۔ انہوں نے ایک طرف علویوں اور خارجیوں کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا تو دوسری طرف علماء وفقہا اور صوفیا کو بھی زر پاشی سے اپنا ہوا خواہ بنا لیا تھا۔ اس عظیم الشان سازش کا مفصل حال میں اپنی کتاب ''تاریخ اسلام'' کی دوسری جلد میں لکھ چکا ہوں۔ ۱۸۹ھ میں امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے رے کے متصل وفات پائی جبکہ وہ ہارون الرشید کے ہمراہ سفر میں تھے۔ برامکہ کی بربادی کے بعد حمزہ بن اترک خارجی اور اسی قسم کے دوسرے لوگ جو برامکہ کی جماعت کے آدمی تھے۔ برسر پُر خاش اور اپنی کوششوں میں مصروف اور لوٹ مار میں مشغول رہے۔ آخر یہ فتنہ بھی فرو ہو گیا۔ ۳ جمادی الثانی

۱۹۳ھ کو بمقام طوس ہارون الرشید کا انتقال ہوا، اس وقت ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید مرو میں اور دوسرا بیٹا امین بغداد میں تھا۔ امین کی ماں ہاشمیہ تھی اور مامون کی ماں ایرانی نسل کی عورت تھی۔ لہٰذا ایرانی النسل سردار سب مامون کے طرفدار ہو گئے اور عربی النسل سرداروں نے امین کی حمایت پر کمر باندھی۔ دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی امین مارا گیا مامون تختِ خلافت پر قابض ہوا اور ایرانی لوگوں کے اقتدار نے ترقی پائی۔

علویوں کو پھر خروج کا موقع ملا

ایرانی صوبوں میں عرصہ دراز سے محبت اہل بیت اور محبتِ اولادِ علی کی تلقین و اشاعت مسلسل ہوتی رہی تھی لیکن اسلام کی حقیقی تعلیم واشاعت کا کوئی خصوصی اہتمام اب تک نہیں ہونے پایا تھا لہٰذا مامون الرشید کے تخت نشین ہوتے ہی علویوں کے لیے پھر اپنی دعوت وتحریک کے کامیاب بنانے کی سہولت میسر آ گئی۔ چنانچہ ۱۹۹ھ میں محمد مہدی مذکور کے چچا زاد بھائی اسماعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ کے پوتے محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم بن حسن مثنیٰ نے جو ابن طبا طبا کے نام سے مشہور ہیں۔ ''ابوالسرایا'' نامی ایک باغی سے امداد وتقویت پا کر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ ابن طباطبا کوفہ پر قابض ومتصرف ہونے کے بعد جلد ہی ابوالسرایا کی شرارت سے مسموم ہو کر فوت ہوئے اور ابوالسرایا نے ایک نوعمر لڑکے محمد بن جعفر بن محمد بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کو ابن طبا طبا کا قائم مقام بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور خود مدار المہام سلطنت بن کر بہت جلد، بصرہ، کوفہ، واسط، مدائن وغیرہ پر اپنا تسلط قائم کر لیا اور ہر جگہ علویوں کو عامل مقرر کیا، عباسیوں کی فوجوں کو بار بار شکستیں دیں اور دار الخلافہ بغداد کی فتح پر آمادہ ہوا۔

آخر بڑی ہنگامہ آرائیوں کے بعد حسن بن سہل اور ہرثمہ بن اعین نے ابوالسرایا اور

محمد بن جعفر کو گرفتار کیا اور محرم ۲۰۰ ھ میں اس فتنہ کا خاتمہ ہوا۔ جن شہروں اور علاقوں پر علویوں کا قبضہ ہوا مثلاً مدائن بصرہ کوفہ وغیرہ میں علویوں نے عباسیوں کے قتل کرنے جلانے اور انواع و اقسام کے مظالم توڑنے میں کمی نہیں کی اور اپنی چند روزہ حکومت میں عباسیوں اور ان کے ہوا خواہوں کو نہایت ہی شدید اور ہیبت ناک ایذائیں پہنچائیں۔

عراق میں تو اس بغاوت و فتنہ کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن حجاز و یمن میں بھی یہ آگ مشتعل ہو چکی تھی کیونکہ مامون الرشید کا ایرانیوں کی جانب مائل ہونا اور امین کا مارا جانا تمام عربوں کو بددل اور رنجیدہ کر چکا تھا۔ مامون الرشید ابھی تک مرو میں مقیم اور حسن بن سہل دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا۔ یہ دونوں اس پر ایسے مستولی تھے کہ وہ ان کے خلاف کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ دونوں بھائی عربوں سے سخت متنفر مگر علویوں کے حامی و مددگار اور ایرانیوں کے سرپرست تھے۔ انہوں نے مامون الرشید کے ایک نہایت وفادار اور بہادر سپہ سالار ہرثمہ بن اعین کو محض اس لیے قتل کرایا کہ وہ ایرانیوں کے اقتدار کو ناپسند کرتا تھا۔ مامون الرشید خود بھی علویوں کی جانب زیادہ مائل اور ان کو محبوب رکھتا تھا۔ یہ بات اس کے اندر اس کے اتالیق جعفر برمکی نے پیدا کر دی تھی۔ مامون الرشید کی ماں استاجیس مذکور مدعی نبوت کی بیٹی تھی لہٰذا مامون الرشید بچپن سے ایرانیوں کی طرف مائل اور ایرانیوں کی باتیں مان لینے اور اس کا اثر قبول کر لینے کی استعداد رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے ۲۰۰ ھ میں ہر صوبہ سے علویوں کو مرو میں طلب کیا جب تمام علوی مرو میں آ گئے تو اس نے ان میں سے علی رضا ابن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق رحمہ اللہ کو انتخاب کر کے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی ان کے ساتھ کر دی اور ان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنے بھائی موتمن کو ولی عہد سے معزول کر دیا۔

ان خبروں نے مشہور ہو کر بغداد اور دوسرے شہروں میں بڑی ہلچل پیدا کر دی۔ چنانچہ یکم محرم ۲ ھ کو اہل بغداد نے ابراہیم بن مہدی عباسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے تخت خلافت پر بٹھایا۔ ذوالحجہ ۲۰۳ ھ تک بغداد میں ابراہیم بن مہدی کی حکومت رہی پھر خانہ جنگی شروع ہوئی۔ ماہ صفر ۲۰۳ ھ میں علی رضا فوت ہو گئے۔ مامون الرشید کو سخت ملال ہوا۔ ۱۵ صفر

۲۰۴ھ کو مامون الرشید بغداد پہنچا اور راستے میں فضل بن سہل کو قتل کرایا اور اپنے خیالات میں بہت سی تبدیلی پیدا کی۔

ایرانیوں اور علویوں کا خروج

صوبہ فارس کے شمال اور آذر بائیجان کی سرحد کے قریب جاویدان نامی ایک مجوسی رہتا تھا۔ اس نے ایک نیا مذہب جاری کیا تھا۔ اس مذہب میں قتل و خونریزی اور زنا کوئی جرم نہ تھا۔ جاویدان کے بعد اس کا مرید بابک خرمی اس مذہب کا امام بنا۔ ۲۰۱ھ میں بابک خرمی نے شاہی فوجوں کا مقابلہ شروع کر دیا اور آذر بائیجان کے عاملوں کو اس کے مقابلہ میں کئی مرتبہ شکست حاصل ہوئی۔ ۲۰۹ھ میں بابک خرمی نے آذر بائیجان کے گورنر کو زندہ گرفتار کرلیا۔ اسکے بعد مامون الرشید نے علی بن صدقہ المعروف بہ زریق ایک عربی النسل سردار کو آذر بائیجان کی حکومت پر مامور کر کے بھیجا۔ زریق نے آذر بائیجان کے صوبہ پر تسلط حاصل کیا لیکن بابک خرمی کو کوئی سزا نہ دے سکا بلکہ اس کے ہمسائیگی کا اثر قبول کر کے ۲۱۱ھ میں علم بغاوت بلند کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ زریق کا یہ فتنہ تو آسانی سے فرو ہو گیا لیکن بابک خرمی پر شاہی فوجوں کو کوئی فتح حاصل نہ ہوئی بلکہ اس کے مقابلہ میں شاہی سپہ سالار محمد بن حمید ۲۱۲ھ میں مارا گیا۔ اسی سال کے آخری ایام میں نیشا پور کے علاقہ میں بغاوت نمودار ہوئی مگر جلد فرو ہو گئی۔ بابک خرمی پر اس کے بعد کوئی حملہ نہ کیا گیا اور اس کی حکومت کو استقلال حاصل ہوتا رہا۔ ۱۸ رجب ۲۱۸ھ کو مامون الرشید نے وفات پائی اور اس کا بھائی معتصم باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے خراسان میں خفیہ دعوت کے ذریعے بہت سے لوگوں سے بیعت لے کر خروج کیا۔ خراسان کے گورنر عبداللہ بن طاہر نے مقابلہ میں صف آرائی کی۔ نواح طالقان میں متعدد لڑائیوں کے بعد محمد بن قاسم فرار اور مقام نسا میں جا کر گرفتار ہوئے، بغداد بھیجے گئے۔ اور ۱۵ ربیع الاول ۲۱۹ھ کو بغداد پہنچ کر سرور الکبیر کے زیر نگرانی مقید ہوئے۔ لیکن

شب عید الفطر کو موقع پا کر قید خانہ سے نکل بھاگے۔

عباسیوں کی ترک نوازی

اب تک شاہی لشکر میں ایرانی اور عربی دو ہی قومیں تھیں۔ معتصم باللہ عباسی نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ اور بہت جلد ایک ایسا ترکی لشکر مرتب ہو گیا جو ایرانیوں اور خراسانیوں کے لشکر سے باعتبار تعداد بڑھ گیا۔ عرب لوگ بتدریج فوج سے کم ہو رہے تھے۔ ان کی تعداد ایرانیوں سے بھی کم تھی۔ اس طرح فوج کے تین حصے ہو گئے ترک، ایرانی، عرب، معتصم باللہ کی تمام تر توجہ ترکی لشکر کی جانب مبذول تھی۔ ترکی لشکر کا فوجی لباس (وردی) بھی نہایت شاندار تجویز کیا گیا تھا۔ ان کے لیے بغداد سے نوے میل کے فاصلہ پر ایک چھاؤنی قائم کی گئی، وہیں دارالسلطنت تعمیر اور جدید شہر آباد ہوا جو بعد میں سامرہ کے نام سے مشہور ہوا۔

معتصم باللہ نے بغداد کی سکونت ترک کر کے سامرہ میں رہنا اختیار کیا۔ افشین حیدر نامی ایک ترک کو سپہ سالار اعظم بنایا۔ دربار خلافت میں انہیں ترکوں کا اثر غالب تھا۔ دارالسلطنت سامرہ میں ترک سرداروں نے بڑے بڑے مکانات تعمیر کرائے۔ ۲۲۲ھ میں بابک خرمی گرفتار ہو کر سامرہ آیا اور قتل ہوا۔ بابک خرمی نے بیس سال خود مختارانہ حکومت نواح آذر بائیجان میں کی اس عرصہ میں اس نے ایک لاکھ پچپن ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ سات ہزار چھ سو مسلمان مرد عورت اس کی قید سے چھڑائے گئے۔ ترک سپہ سالار افشین حیدر نے مازیار بن قارن رئیس طبرستان سے خط و کتابت شروع کی اور لکھا کہ ''دین زردشتی کے ناصر و مددگار آپ اور میں ہم دو ہی شخص رہ گئے ہیں، تم علم بغاوت بلند کرو، یہ لوگ مجھ ہی کو مقابلہ کے لیے بھیجیں گے میں تمام لشکر لے کر تم سے مل جاؤں گا، پھر ہم دونوں ان کا مقابلہ بآسانی کر سکیں گے۔'' یہ خطوط پکڑے گئے مازیار باغی ہو کر گرفتار ہوا۔ اور افشین حیدر کو دارالخلافہ ہی میں قید کر لیا گیا۔ یہ دونوں ۲۲۶ھ میں کیفر کردار کو پہنچے۔ ۲۰ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے وفات پائی اور اس کا بیٹا واثق باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔

اس نے تخت نشین ہو کر اشناس نامی ترکی غلام کو نائب السلطنت بنا کر تمام ممالک اسلامیہ کے سیاہ و سپید کا اختیار سپرد کر دیا۔ ترکوں کی فوج جو معتصم باللہ نے قائم کی تھی بدستور موجود تھی اب تک خلافت عباسیہ نے اگرچہ عربوں کو کمزور کرنے کی کوشش جاری رکھی تھی لیکن چونکہ خاندان خلافت خود عربی خاندان تھا۔ اور ملک عرب گہوارۂ اسلام ہونے کے سبب سب کی نگاہوں میں حرمت و عزت رکھتا تھا۔ لہٰذا عجمیوں کی طرف سے یہ خواہش کبھی ظاہر نہ ہوئی تھی کہ ہم عربوں کو ذلیل کرنے کا موقع پائیں۔ خلفاء نے بھی اب تک اس بات کا خیال رکھا تھا کہ حجاز و یمن وغیرہ کے خالص عربی صوبوں میں جب کبھی فوجوں کے مامور کرنے کی ضرورت پیش آئی تو عربی، عراقی یا شامی سپاہی بھیجے جاتے تھے۔ عجمیوں کو عربی قبائل کی سرکوبی پر مامور نہیں کیا جاتا تھا۔ اس خصوصی امتیاز و احتیاط کا یہ نتیجہ تھا کہ عربوں کا احترام لوگوں کے دلوں میں باقی تھا۔

ترکوں کے ہاتھوں عربوں کی تذلیل

خلیفہ واثق باللہ عباسی نے شعبان ۲۳۰ھ میں ترکی سپہ سالار بغا کبیر کو ترکی فوج دے کر قبیلہ بنو سلیم کی سرکوبی کے لیے جو نواح مدینہ میں رہتا اور رہزنی کرنے لگا تھا روانہ کیا۔ اس ترکی لشکر نے متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد بنو سلیم کو شکست دے کر ان کے ایک ہزار آدمی گرفتار کر کے اکثر کو قتل اور باقی کو مدینہ میں لا کر قید کر دیا۔ چار مہینے تک یہ ترکی لشکر مدینہ میں قیام پذیر رہ کر طرح طرح سے عربی قبائل کو ذلیل و خوار اور خوف زدہ بناتا رہا۔ اس کے بعد بغا کبیر اپنا لشکر لے کر مکہ معظمہ پہنچا، وہاں سے روانہ ہو کر بنو ہلال، بنو مرہ اور فزارہ کو بنو سلیم کی طرح قتل و ذلیل و گرفتار کرتا ہوا مدینہ آیا۔ پھر بنو غفار، بنو ثعلبہ اور بنو اشجع کے سرداروں کو طلب کر کے ان سے وفاداری و اطاعت کے حلف لیے پھر بنو کلاب کے تین ہزار آدمیوں کو گرفتار کر کے دو ہزار کو رہا اور ایک ہزار کو قید کر دیا۔ پھر یمامہ میں جا کر بنو نمیر کے پچاس آدمیوں کو قتل اور چالیس کو قید کیا۔ اس ظلم و زیادتی کو اہل یمامہ برداشت نہ کر

سکے انہوں نے مقابلہ کی تیاری کی اور کئی لڑائیوں میں ڈیڑھ ہزار اہل یمامہ قتل ہوئے اسی حالت میں ایک اور ترک سردار کو خلیفہ نے تازہ دم ترکی فوج کے ساتھ بغا کبیر کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ اس فوج کے آنے پر بغا کبیر نے تمام ملک یمامہ میں قتل عام شروع کر دیا۔ اہل یمامہ وہاں سے بھاگے تو یمن تک ان کا تعاقب کیا اور ہزارہا آدمیوں کو راستے میں تلوار کے گھاٹ اتارا۔ غرض یہ ترک سردار عربی قبائل کو خوب اچھی طرح ذلیل و پامال کر کے دو ہزار دو سو شرفائے عرب کو پابہ زنجیر ہمراہ لے کر دو برس کے بعد بغداد کی طرف روانہ ہوا، جو قیدی مدینہ میں موجود تھے وہ ان کے علاوہ تھے ان کو بھی بغداد میں بلوا کر سب کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔ ۲۴ ذلحجہ ۲۳۲ھ کو واثق باللہ عباسی فوت ہوا۔

تبصرہ:

مذکورہ بالا اجمالی تذکرہ میں صرف ان حالات وواقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے اس بات کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ حصول سلطنت کی کوشش میں مسلمانوں اور غیر مسلموں نے لوگوں کے مذہب کو آلہ کار بنانے اور عقیدوں کے بگاڑنے میں ذرا تامل نہیں کیا اور طوفان بد تمیزی زیادہ تر انہی علاقوں اور انہی صوبوں میں برپا رہا جہاں مذہبی واقفیت ادھوری تھی یعنی نو مسلموں کو دین اسلام کی مکمل تعلیم نہیں دی گئی تھی یا جہاں کے مسلمانوں کو خلیفہ کے طرز عمل سے شکایت پیدا ہو چکی تھی یا جو لوگ سب کچھ جانتے پہچانتے ہوئے اپنے جذبات نفسانی اور عصبیت خاندانی کے اثر سے مغلوب ہو کر تقاضائے اسلام کو فراموش کر چکے تھے۔
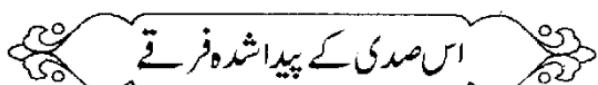
اس سو برس کے عرصہ میں جس کو دوسری صدی کہنا چاہیے مذکورہ فتنوں کے نتیجے میں مندرجہ ذیل فرقے پیدا ہوئے اور مذہبی فرقے کہلائے۔ پہلی صدی میں جو فرقے پیدا ہو کر مذہبی فرقوں کی صورت اختیار کر چکے تھے ان میں سے بعض اپنی حالت پر قائم رہے بعض

اپنی حالت تبدیل کر کے انہیں میں سے کسی ایک میں شامل ہو گئے اور بعض بالکل فنا بھی ہو گئے۔

ا۔ منصوریہ:

یہ فرقہ ابومنصور عجلی کے نام سے موسوم ہو کر منصوریہ کہلایا۔ اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جو شخص ایسے چالیس آدمیوں کو قتل کر ڈالے جو عقائد دینیہ میں ہمارے مخالف ہیں وہ جنتی ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں غلطی کی ہے، ان کے نزدیک لوگوں کے مال پر قبضہ کر لینا جائز ہے۔ ان کے عقیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ قیامت تک رسول پیدا ہوتے رہیں گے سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم وغیرہ کو برا کہنا اچھا جانتے اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کو رسول مانتے ہیں۔ ابومنصور عجلی پہلے جعفر صادق رحمہ اللہ کے پاس رہتا تھا۔ پھر جب انہوں نے اس کو اپنے پاس سے جدا کر دیا تو اس نے امام باقر رحمہ اللہ کے بعد بجائے سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ کے اپنے آپ کو ان کا جانشین قرار دیا اور وحی و امامت کا مدعی ہوا۔

۲۔ مفضلیہ:

اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ علی مرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو جناب مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھی۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسالت کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اس فرقہ میں اکثر لوگ مدعی نبوت ہوئے ہیں۔

۳۔ غُرابیہ:

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت میں بہت مشابہ تھے جیسے ایک کوا دوسرے کوے سے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا جبرائیل علیہ السلام کو دھوکہ لگا اللہ نے تو ان کو (نبوت کا منصب دے کر) علی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے گئے (اسی بنا پر) جبرائیل علیہ السلام کو یہ لوگ برا کہتے ہیں۔

۴۔ ذمیہ:

یہ لوگ نعوذ باللہ رسول رحمت ﷺ کو برا کہتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف دعوت دیں اور ان کے مددگار و معین رہیں لیکن انہوں نے بجائے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو خود اپنی طرف بلانا شروع کیا اور خود نبی بن گئے اور سیدنا علی کو اپنی بیٹی دے کر رضا مند کر لیا لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ، خاموش رہے۔ (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ)

۵۔ علیائیہ:

یہ لوگ علیا بن ذراع کی طرف منسوب ہیں، ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متبع اور مطیع تھے۔

۶۔ اثنینیہ:

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں یکساں طور پر نبوت میں شریک تھے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں۔

۷۔ علیاویہ:

ان کا عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ دراصل میں اللہ تھے یعنی اللہ نے ابی طالب کے یہاں انسانی قالب میں جنم لیا اور اپنے آپ کو بندہ ظاہر کیا۔ سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا، سیدنا حسن، سیدنا حسین رضی اللہ عنہما بھی الگ وجود نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ہی خدا تھا جو ان چاروں میں حلول کیے ہوئے تھا۔ ان میں سے بعض نے رسول اکرم ﷺ کو بھی انہیں چاروں میں شامل کر کے پانچوں کو ایک خدا مانا ہے۔

۸۔ خطابیہ:

محمد بن مقلاص المعروف بہ ابوخطاب لوگوں کو جعفر صادق رحمہ اللہ کی اطاعت کے لیے دعوت دیتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، خدائے اکبر اور جعفر صادق رحمہ اللہ خدائے اصغر ہیں۔ اس کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ہر امت کے لیے دو رسول ہوتے ہیں، ایک ناطق دوسرا صامت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسولِ ناطق ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ، رسولِ صامت،جعفر صادق بھی نبی ہیں۔ ان کے بعد نبوت کا انتقال خود ابوخطاب میں ہو گیا۔ نیز یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد سب انبیاء میں داخل ہے۔ اس گروہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اپنے ہم خیال لوگوں کی بھلائی کے لیے جھوٹی گواہی دینا جائز ہے۔ ابوخطاب نے کوفہ میں عباسیوں کے خلاف خروج کیا اور مقتول ہوا۔ اس کی جماعت کئی شاخوں میں منقسم ہوگئی۔

۹۔ معمریہ:

خطابیہ کی ایک شاخ اور معمر بن خثیم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ فرقہ قیامت اور فنائے عالم کا قائل نہیں۔ شراب و زنا کو جائز اور لوگوں کے اموال غصب کر لینے کو مباح سمجھتا ہے۔ یہ لوگ نماز کو غیر ضروری سمجھتے اور تناسخ کے قائل ہیں۔ معمر مذکور ابوخطاب مذکور کا مرید تھا۔

۱۰۔ بزیغیہ:

یہ فرقہ بزیغ بن یونس نامی ایک جولاہے کی طرف منسوب ہے۔ جو ابوخطاب کے دوستوں میں شامل تھا۔ یہ لوگ جعفر صادق رحمہ اللہ کو اللہ مانتے مگر دوسرے اماموں کو خدا نہیں کہتے۔ ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر صادق رحمہ اللہ، میں حلول کیا تھا۔ یہ لوگ اپنی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم لوگ مرنے کے بعد عالم ملکوت میں پہنچا دیے جاتے ہیں۔

۱۱۔ راوندیہ:

یہ فرقہ موضع راوند علاقہ اصفہان کی طرف منسوب ہے، اس کا بانی حرب بن عبد

اللہ موضع راوند کا باشندہ اور ابو مسلم خراسانی کے نقبا میں سے تھا۔ ابو مسلم خراسانی نے خلافت بنو امیہ کی بربادی سے فارغ ہو کر جب حرب بن عبد اللہ کی جماعت کا قتل عام کیا تو اس جماعت کے بقیۃ السیف نے ابو جعفر منصور عباسی کو خدا کہنا شروع کیا اور دار الخلافہ میں آکر اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور لڑ کر بہت سے مارے گئے۔ یہ لوگ تناسخ کے بھی قائل تھے اور حرب بن عبد اللہ میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی روح مانتے تھے۔ مزدکیوں اور بام مارگیوں کی بداعمالیاں بھی ان میں موجود تھیں۔

۱۲۔ اسماعیلیہ:

یہ فرقہ اسماعیل ابن جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جعفر صادق رحمہ اللہ کے بعد ان کے بڑے بیٹے اسماعیل امام برحق تھے اگرچہ اسماعیل اپنے باپ کے سامنے فوت ہو گئے تھے لیکن یہ لوگ ان کی موت کے قائل نہیں جب مامون عباسی اور معتصم عباسی کے عہد حکومت میں بابک خرمی نے علم بغاوت بلند کیا اور اپنے ملحدانہ عقائد کی اشاعت کی تو اس گروہ کے اکثر آدمی بابک خرمی کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ بابک نے اپنی فوج کی وردی سرخ رنگ کی تجویز کی تھی، لہٰذا اسماعیلیہ کو اس سرخ لباس کی رعایت سے محمرہ بھی کہتے ہیں، بعد میں یہ کئی شاخوں میں منقسم ہو گئے۔

۱۳۔ مبارکیہ:

محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کا ایک غلام تھا جس کا نام مبارک تھا۔ اس نے محمد بن اسماعیل کی وفات کے بعد کوفہ میں جا کر کوفے کے شیعوں کو مذہب اسماعیلیہ کی ترغیب دی اور اپنے متبعین کا نام مبارکیہ رکھا۔ یہ لوگ محمد بن اسماعیل کو خاتم الائمہ مانتے اور انہیں کو مہدی منتظر کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ محمد بن اسماعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں اور قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔

۱۴۔ تفویضیہ:

اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ علی کرم اللہ وجہہٗ کو پیدا کر کے تمام دنیا کا اہتمام و انتظام انہیں کے سپرد کر دیا۔ ان کے بعد اماموں کے سپرد ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بادلوں پر سوار سیر کرتے پھرتے ہیں، بادلوں کو دیکھ کر یہ لوگ سلام کرتے ہیں کہ ان میں سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ موجود ہوں گے۔

۱۵۔ مقنعیہ:

یہ فرقہ حکیم مقنع خراسانی کی طرف منسوب ہے۔ مقنع نے نبوت اور پھر خدائی کا دعویٰ کیا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ خدا تھے اور ان کے بعد اپنے آپ کو خدا کہتا تھا۔ اس نے خلیفہ مہدی عباسی کے عہد حکومت میں خروج کیا تھا۔ اس نے چاہ نخشب سے چاند کے طلوع ہونے کا تماشا اور اسی قسم کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو اپنی خدائی کا قائل بنایا تھا۔ بعض عباسی بھی اس گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔

۱۶۔ غمامیہ:

ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اصل مکان تو آسمان ہے، وہ موسم بہار میں بادلوں میں اتر کر زمین کے گلزاروں اور باغوں کی سیر کرتا اور ساری دنیا میں سفر کرتا ہے۔ پھر واپس آسمان پر چلا جاتا ہے اور اس کے بادلوں میں اتر آنے کے سبب سے درختوں میں پھول کھلتے اور پھل آتے ہیں۔

۱۷۔ جارودیہ:

یہ فرقہ ابوالجارود بن زیاد بن معبد عبدی کی طرف منسوب ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے امامت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پہنچی، ان سے حسین رضی اللہ عنہ کو، ان سے علی زین العابدین کو ان سے زید شہید کو، ان سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں پہنچی اور محمد مہدی بن عبداللہ جنہوں نے منصور عباسی کے زمانہ میں خروج کیا تھا، امام برحق تھے۔۔ یہ لوگ محمد

مہدی کے مقتول ہونے کے منکر ہیں، ان کا خیال ہے کہ وہی قربِ قیامت میں ظاہر ہوں گے اور زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔

اسی قسم کے اور بھی بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ جن کا ذکر بہ خوفِ طوالت ترک کیا جاتا ہے۔ پہلی صدی یعنی ۱۳۲ھ تک جو فرقے پیدا ہوئے تھے اُن میں اور اِن میں جو ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک پیدا ہوئے، کچھ زیادہ اور نمایاں فرق نہیں ہے۔ پہلی صدی کی پیداوار علویوں اور عباسیوں دونوں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اس دوسری صدی کی پیداوار میں صرف علویوں کی کوششوں کو دخل تھا۔ منافق پہلے بھی بیکار نہ بیٹھے تھے اور اب تو علویوں میں خوب گھل مل چکے تھے۔ ان تمام فرقوں کی پیدائش کا سبب جو کوششیں تھیں وہ سب دنیاوی اغراض، نسلی عصبیت قومی امتیاز اور خواہشات نفسانی پر مبنی تھیں لیکن مذکورہ بالا صفحات میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ دینِ اسلام اور صراط مستقیم سے دور و مہجور اور قرآن مجید و سنت رسول کی طرف سے لوگوں کو غافل اور بے پرواہ کرنے کے لیے کیسی کیسی زبردست رکاوٹیں پیدا ہو گئیں تھیں اور ان رکاوٹوں کے پیدا کرنے میں کن کن لوگوں کی کوششوں کو دخل حاصل تھا۔ اب تک ان لوگوں کا کوئی ذکر نہیں آیا جو دین اسلام کی طرف متوجہ اور متبع کتاب و سنت تھے۔ لہٰذا ذیل میں ان کی حالت پر بھی ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے جو اسی مذکورہ صدی یعنی ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک متعلق ہے۔

اس دوسری صدی کے اسلام اور مسلمانوں کی حالت

گزشتہ صدی میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اگرچہ دوسرے علوم اور قرآن مجید کے سوا دوسری کتابوں کے لکھنے اور پڑھنے کی طرف مسلمان متوجہ ہو چکے تھے لیکن نبی کریم ﷺ کی حدیثوں کے متعلق ابھی تک یہی دستور چلا آتا تھا کہ تابعی اور تبع تابعی احادیث کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھتے اور زبانی ہی اپنے شاگردوں کو یاد کراتے اور لوگوں کو سناتے تھے۔ اجتہادی مسائل میں علماء کے فتاویٰ مختلف ہو جاتے تھے۔ یہ اختلاف کبھی تو حدیثوں کے مطالب مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتا۔ یعنی ایک عالم ایک حدیث کو اپنے فتویٰ کی بنیاد قرار دیتا اور دوسرا عالم دوسری حدیث کو اختیار کرتا۔ ہر قسم کا اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے موجود تھا اور اس کو مسلمانوں کے لیے رحمت بتایا گیا تھا۔ مسلمان اس کو رحمت ہی سمجھتے بھی تھے۔ ایک دوسرے پر، نہ معترض ہوتا، نہ اس کو خاطی اور گنہگار سمجھتا تھا۔ کبھی یہ اختلاف کسی ایک ہی حدیث سے دو قسم کے مطالب اخذ کر لینے میں واقع ہوتا تھا، مثلاً: ایک عالم نے اس حدیث سے ایک نتیجہ اخذ کیا اور دوسرے نے دوسرا نتیجہ نکالا، اس طرح دو مختلف فتوے صادر ہوئے۔ یہ اختلاف بھی اسی پہلی قسم کا اختلاف اور مسلمانوں کے لیے رحمت تھا، کبھی اختلاف کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ ایک عالم کو ایک حدیث پہنچی اس نے اس حدیث کے موافق فتویٰ دیا اور دوسرے عالم کو وہ حدیث نہیں پہنچی اس نے اپنے اجتہاد کی بنا پر فتویٰ صادر فرمایا، یہ اختلاف بھی مسلمانوں کے لیے زحمت اور اذیت کا موجب نہ تھا۔ کیونکہ جو شخص حدیث کی غیر موجودگی میں اپنی رائے یا قیاس سے کوئی فتویٰ دیتا تھا وہ ساتھ ہی یہ حکم بھی دیتا کہ اس مسئلہ کی نسبت اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جائے تو پھر ہماری رائے اور قیاس کو ترک کر کے اس حدیث پر ہی عمل کرنا چاہیے۔ اپنی رائے، قیاس اور اجتہاد سے فتویٰ دیتے وقت مذکورہ شرط کا لگانا اس لیے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ان لوگوں

کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ روایت ہو کر لوگوں کو پہنچی ہیں وہ ساری کی ساری ایک جگہ مجتمع نہیں ہیں بلکہ مختلف شہروں اور مختلف عالموں تک پہنچی ہیں اور دوسرے شہروں میں جانے اور دوسرے عالموں سے ملاقات کرنے میں حدیثوں سے واقفیت بڑھتی رہتی ہے۔ مکہ، مدینہ، دمشق، قاہرہ، کوفہ، بصرہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی قیام گاہ رہے ہیں اور ان مقامات میں ان کے شاگرد یعنی تابعی لوگ تابعیوں کے تبع تابعین موجود تھے جن جن صحابیوں کے شاگرد جن جن شہروں میں زیادہ موجود تھے اُن شہروں میں انھیں صحابیوں کی روایت کردہ احادیث لوگوں کو زیادہ یاد تھیں اور انہیں احادیث کا زیادہ چرچا تھا اور انہیں صحابیوں یا ان کے شاگردوں کے اجتہادی مسائل زیادہ مروّج تھے اور انہیں پر قیاس کر کے نئے نئے اجتہاد بھی کیے جاتے تھے اور اس دوسری قسم کے تمام مسائل فروعی ہوتے تھے۔ باوجود اس اختلاف کے کوئی تفریق اور کوئی گروہ بندی نہ تھی۔ مدینہ والے مکہ والوں کو اور کوفہ والے بصرہ والوں کو کسی الگ مذہب کا متبع اور دوسرے فرقہ کا پیرو نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ لوگ اختلاف کے اس ناگزیر سبب سے واقف تھے، ایک کے ذریعہ دوسرا اپنی واقفیت کو وسیع کرنا چاہتا تھا اور سب کا ایک ہی اسلام تھا جس کے عقائد نہایت صاف و سادہ اور جس کے اعمال نہایت آسان تھے۔ دماغ کو پریشان کرنے والی موشگافیاں اور پیچیدگیاں اعمال و عقائد میں مطلق نہ تھیں، ان کا قبلہ توجہ قرآن مجید اور اس کے بعد احادیث نبوی اور آثار صحابہ تھے۔ کتاب و سنت کے سوا وہ لوگ اسلام کے لیے اور کسی چیز کو ضروری و لازمی نہ سمجھتے تھے۔ اور کتاب و سنت ہی کی روشنی میں جب ضرورت پیش آ جاتی تھی تو اجتہاد و قیاس سے کام لیتے تھے۔ جس کی ان کو شریعت نے اجازت عطاء کی تھی۔ وہ آج کل کے ہزارہا الحاقی عقائد اور ہزارہا فقہی اصطلاحات سے قطعاً ناواقف اور بے خبر تھے، ان کا اسلام آج کل کے مروجہ اسلام کی طرح ''گورکھ دھندا'' نہیں تھا، جس کے سمجھنے اور جس پر عمل کرنے میں کوئی مصیبت پیش نہیں آتی تھی۔

مذکورہ جدید فرقوں کو جو دنیا پرست لوگوں کی کوششوں اور حصول سلطنت کی خواہش رکھنے والوں کی تدبیروں سے زیادہ تر عراقی و ایرانی صوبوں میں پیدا ہوتے رہتے تھے۔ وہ

اسلام کے خارج اور گمراہ فرقے یقین کرتے اور جہاں تک موقع ملتا کتاب وسنت سے ان کی گمراہی کو ثابت کرتے تھے اور چونکہ یہ تمام فرقے بطور آلات جنگ پیدا کیے جاتے اور پیدا ہوتے ہی جنگ و پیکار میں مصروف ہو جاتے تھے۔ لہٰذا ان کی اصلاح عموماً تلوار کی دھار سے ہوتی رہتی تھی اور ان کے عقائد لڑائی سے پہلے پہلے راز کے طور پر مخفی ہوتے تھے لہٰذا ان کی تردید اور بحث و مباحثہ کا موقع بہت ہی کم مل سکتا تھا۔ ۱۴۰ھ سے ۱۴۳ھ تک ابن جریج نے مکہ معظمہ میں امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ میں، اوزاعی نے شام میں، ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے بصرہ میں، معمر رحمہ اللہ نے یمن میں، سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کوفہ میں احادیث کی کتابیں لکھنی شروع کیں۔ ابن اسحاق نے مغازی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کوفہ میں فقہ کو مدون کیا۔ اسی زمانہ میں منصور عباسی نے بغداد میں ایک محکمہ مختلف علوم وفنون کی تصنیف و تالیف کا قائم کیا اور دوسری زبانوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرانی شروع کیں۔ چنانچہ منصور عباسی کے کاتب عبد اللہ ابن المقفع نے جو مجوسی تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، منصور ہی کی فرمائش سے ارسطو کے کئی رسالوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ فارسی کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا، کلیلہ دمنہ کا بھی اسی نے سب سے پہلے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ ۱۴۵ھ میں عبد اللہ ابن المقفع مقتول، محمد ابراہیم فزاری نے ایک ہندی کتاب کا جو علم ہیئت کے متعلق تھی منصور کے حکم سے عربی میں ترجمہ کیا جس کا نام "السند ہند الکبیر" رکھا گیا۔ موسیٰ بن موسیٰ فزاری نے بھی کئی کتابوں کا سنسکرت سے ترجمہ کیا، ابوموسیٰ جابر بن حیان حرانی نے اپنی مشہور کتاب اسرار الکیمیا اور علم طبیعات پر کئی کتابیں لکھیں ابوموسیٰ مذکور ۱۶۱ھ میں فوت ہوا۔

پہلی صدی کے پیدا شدہ فرقوں میں ایک فرقہ مختاریہ بھی تھا جو کوفہ میں پیدا ہوا تھا۔ مختار نے جن خیالات وعقائد کی اشاعت کی تھی ان میں حلول کا عقیدہ بھی شامل تھا۔ یعنی سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اس طرح خدا تسلیم کیا گیا تھا کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے خود حلول کیا ہے۔ پھر مختار نے اپنی نسبت بھی یہی دعویٰ کیا کہ مجھ میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے اس کی اس قسم کی بیہودہ باتوں کو اکثر لوگ مان چکے تھے مختار کے بعد ان لوگوں میں سے اکثر نے توبہ کر لی لیکن انسان کے خدا بننے کا مسئلہ عام مجلسوں اور مجمعوں میں عموماً استہزاء اور بعض

اوقات مناظرانہ رنگ میں زیر بحث رہنے لگا۔ جو لوگ توبہ کر چکے تھے وہ بھی اپنی کی ہوئی غلطی کو خفیف اور معمولی غلطی ثابت کرنے کے لیے صفاتِ باری تعالیٰ میں باریکیاں نکالنے اور لوگوں کے تمسخر سے بچنے کے لیے قسم قسم کی تاویلیں کرنے لگے۔ یونانی فلسفہ کی بعض کتابیں عہد بنو امیہ میں ہی ترجمہ ہونے لگی تھیں۔ لہٰذا جوہر وعرض وغیرہ کی فلسفی اصطلاحوں کو ذات باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق لوگوں نے استعمال کرنا شروع کیا ان فلسفی اصطلاحوں کے استعمال اور بحث مباحثہ میں فلسفیانہ طرزِ استدلال نے بہت جلد مذہبی مجلسوں کو متاثر کرنا شروع کردیا اور سب سے پہلے صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق گفتگوؤں نے طول کھینچا۔ اس زمانہ کے علماء نے جو اکثر تبع تابعین میں تھے، اس کو ایک خطرناک فتنہ محسوس کرکے اس کے دبانے کی کوشش کی لیکن یہ چیز جو قدرتی طور پر خود بخود پیدا ہوئی تھی کسی کے دبانے سے نہ دب سکی اور ایک گروہ جو بعد میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا ایسا پیدا ہوگیا جو کسی سیاسی ضرورت اور دنیوی مقصد کی بنا پر نہیں بلکہ فلسفہ کی اشاعت اور مذاکرات علمیہ کے نتیجہ میں پیدا ہوا تھا۔ اس گروہ کے سب سے پہلے مشہور رہنما عمرو بن عبید نے ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ علمائے ربانی اس گروہ کو بدعتی گروہ کہتے اور ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کرنے سے پرہیز کرتے اور دوسروں کو بھی ان کی باتیں سننے سے منع کرتے تھے لیکن جب عوام کو متاثر دیکھتے تو پھر صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق مباحثہ کرنے پر آمادہ بھی ہو جاتے اور ان مباحثوں میں آیات قرآنی ہی سے امداد حاصل کرتے تھے۔ یونانی، فارسی اور ہندی کتابوں کے ترجموں فلسفہ ومنطق وغیرہ علوم کی اشاعت اور سیرت ومغازی وغیرہ مضامین پر کتابوں کی تصنیف نے علمائے اسلام کو اس طرف متوجہ کردیا کہ وہ بھی احادیث نبوی کو کتابوں کی صورت میں جمع کریں اور حقوق وفرائض کے متعلق مسائل ترتیب دے کر کتابیں لکھیں۔ غرض خلافتِ عباسیہ کے شروع ہوتے ہی مسلمانوں میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ زور وشور سے جاری ہوگیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، نحو، فلسفہ، ہیئت، طبیعات، سیرت، تاریخ وغیرہ پر کتابیں تصنیف ہونے لگیں، معتزلہ نے جب فلسفی اصطلاحوں کو استعمال کرنا شروع کیا اور اس کے بعد بہت جلد خود فلسفہ یونان اپنے اصولوں اور

اصطلاحوں کو لے کر اسلام کے مقابلہ میں صف آراء ہوا تو علمائے اسلام نے فلسفہ کی اصطلاحات اور مسلمات ہی کے ذریعہ اسلام کی صداقت کو ثابت کیا اور خود دشمنوں ہی کے ہتھیاروں سے ان کو ذلیل وشکست خوردہ بنایا۔ فلسفہ و منطق کی اصطلاحات و مسلمات کے ذریعے اسلام کی حقانیت و صداقت کے ثابت کرنے کا نام علم کلام ہوا۔ آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کے مفہوم اور معانی معلوم و متعین کرنے کے لیے محاورات قریش اور لغت عرب کی طرف توجہ ضروری تھی۔ چنانچہ لغت مطلحاتِ عرب، صرف ونحو وغیرہ علوم مدون ہوئے۔ صحیح حدیثوں کو وضعی حدیثوں سے الگ کرنے کے لیے کچھ قاعدے اور اصول متعین کرنے ضروری تھے۔ لہٰذا اصولِ حدیث، اسماء الرجال وغیرہ فنون ترتیب دیے گئے۔ سلطنت اسلامیہ یا یوں کہیے کہ عباسی خلافت کے حدود مشرق سے مغرب تک دنیا کے نہایت وسیع رقبہ پر پھیلے ہوئے تھے۔ لہٰذا آمد و رفت کی سہولتیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک جانے کی آسانیاں پیدا کرنے کے لیے راستوں اور سڑکوں کی حفاظت کے علاوہ حالات روئے زمین پر کتابیں لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ مسلمانوں نے جغرافیہ کی کتابیں اور سفر نامے لکھنے شروع کر دیے غرض اس صدی میں مسلمانوں نے بہت سے علوم و فنون ایجاد و مدون کیے اور اپنی تصنیف و تالیف سے کتابوں کے انبار لگا دیے۔ مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے لوگوں میں تعلقات پیدا ہونے سے نئے تمدن اور نئی معاشرت نے پیدا ہو کر نئی نئی ضرورتیں پیدا کیں۔ اور نئے نئے خیالات نے بلند پروازیاں اختیار کیں ان تمام حالات اور تمام تغیرات میں اسلام کی عظمت اور رہنمائی کے لیے قرآن و سنت کے مرتبہ کی رفعت اور بھی زیادہ پایہ ثبوت کو پہنچتی رہی۔ ساتھ ہی ساتھ مذکورہ بالا فرقوں اور گروہوں کو جو محض ذاتی اغراض اور دنیوی ضرورتوں کی بنا پر جاہل نو مسلموں مجوسیوں اور ہنگامہ پسند لوگوں کو معمول بنا کر پیدا کیے گئے تھے۔ موقع ملا کہ وہ اس دماغی نشو ونما اور فلسفہ و منطق وغیرہ کی اشاعت سے فائدہ اٹھا کر اپنے کفریہ و شرکیہ و بدعیہ عقائد کو جس طرح ممکن ہو کوئی نہ کوئی معقولی جامہ پہنا دیں اور جو لباس وحشیوں، گنواروں اور جاہلوں کے لیے تیار کیا گیا تھا اس کو وہ گنوار لوگ معمولی تہذیب و علم حاصل کرنے کے بعد بھی استعمال کر سکیں اور فریب

خوردگی سے باہر نہ آسکیں چونکہ دنیا کبھی بھی جاہلوں اور احمقوں سے خالی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ خالی ہو سکے گی لہٰذا کثیر التعداد علوم وفنون اور ہزار ہا مہتم بالشان تصانیف کی اشاعت کے زمانہ میں بھی مذکورہ فرقے باقی بھی رہے اور پیدا بھی ہوتے رہے۔ علمی اور مذہبی طبقوں میں اعتزال کا چرچا ہو چکا تھا۔ لہٰذا اکثر مذکورہ شیعی فرقوں نے اعتزال سے امداد حاصل کی اور اسی زمانہ میں نہایت چالاکی سے نام نہاد محبان اہل بیت نے بعض ان گروہوں کو جو نہایت نیک نیتی سے بعض مسائل یا بعض عقائد میں دوسروں سے اختلاف رکھتے تھے خارجی مشہور کیا حالانکہ خارجی حقیقتاً سبائی لوگ تھے اور ان کو اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ وہ اسلام دشمنی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ لیکن اس دوسری صدی میں لفظ خارجی کا مفہوم تبدیل ہو کر یہ لفظ اسلامی فرقوں پر بھی بولا جانے لگا۔

مکہ و مدینہ اور ملک حجاز میں حدیثوں کے جاننے والے زیادہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عموماً اسی ملک کے باشندے اور اسی ملک میں زیادہ تر رہے لہٰذا اہل حجاز کو اجتہاد اور رائے قیاس کی ضرورت بہت ہی کم پیش آئی بخلاف اس کے کوفہ و بغداد اور ملک عراق کے باشندوں کو اجتہاد اور رائے و قیاس سے زیادہ کام لینا پڑتا کیونکہ وہاں حدیثوں کی تعداد کم تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نہایت قلیل تعداد کو اس ملک میں قیام کا اتفاق ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل حجاز کو اہل حدیث اور اہل روایت کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور اہل عراق کو مجتہد اور اصحاب رائے کے نام سے پکارا گیا۔ اہل حدیث اور اصحاب الروایت میں امام مالک رحمہ اللہ ان کے احباب شامل سمجھے گئے۔ مجتہد اور اہل الرائے میں امام ابوحنیفہ اور ان کے احباب شمار ہوئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ۱۵۰ھ میں بمقام بغداد وفات پائی۔ ان کے شاگردوں میں امام ابویوسف اور امام محمد بن حسن بہت زیادہ مشہور اور دونوں صاحبین کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ صاحبین نے اپنے استاد یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہادی فتوؤں اور ان کی رائے و قیاس سے قریباً دو ثلث مسائل میں اختلاف اور صرف ایک ثلث کو تسلیم کیا ہے لیکن اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مرتبہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، اس لیے کہ مجتہد کبھی غلطی کا مرتکب ہوتا اور کبھی صحیح طریقہ اختیار کرتا ہے اور اس کو اس کی نیت کے

نیک ہونے کی وجہ سے غلطی پر بھی اجر ملتا ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ ۱۶۵ھ میں داؤد طائی رحمہ اللہ نے جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ وفات پائی۔ ۱۷۰ھ میں ابوعبدالرحمٰن خلیل بن احمد ازدی علم نحو ولغت کا امام اور واضع علم عروض فوت ہوا۔ امام مالک بن انس بن مالک نے ۱۷۹ھ میں بمقام مدینہ منورہ وفات پائی اور حدیث کی مشہور کتاب ''مؤطا'' جس کی ترتیب وتہذیب میں ساری عمر مصروف رہے اپنی یادگار چھوڑی۔ ۱۷۳ھ میں ہارون الرشید مدینہ منورہ گیا اور امام مالک رحمہ اللہ سے مؤطا کو سنا اور تین ہزار اشرفیاں بطور نذر پیش کیں اور استدعا کی آپ میرے ہمراہ بغداد تشریف لے چلیے۔ جس طرح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو قرآن مجید پر جمع کیا ہے اسی طرح میں اس کتاب ''مؤطا'' پر تمام مسلمانوں کو جمع کروں گا۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کا یہ خیال سراسر غلط ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم جا بجا ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے تھے۔ لہٰذا ہر ملک اور ہر شہر کے آدمی اپنے پاس علم رکھتے ہیں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ((اِخْتَلَافُ أُمَّتِیْ رَحْمَةٌ)) [1]

بنا بریں آپ اپنے ارادہ سے باز رہیں۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ مدینہ سے باہر نہیں گئے اور ہارون الرشید بھی اپنے ارادہ سے باز رہا۔ ۱۸۹ھ میں امام شافعی رحمہ اللہ شاگرد امام مالک رحمہ اللہ بغداد گئے اور صرف ایک مہینہ قیام کرنے کے بعد مصر چلے گئے اور وہیں مقیم رہ کر ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ۱۷۴ھ میں یوسف بن یعقوب بن ابراہیم بن حبیب یعنی امام ابویوسف شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بیٹے کو بغداد کا قاضی مقرر کیا اور اس کے چند سال بعد ۱۸۰ھ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ ایجاد کر کے اس پر امام ابویوسف ممدوح کو جو پہلے بصرہ کے قاضی رہ چکے تھے مامور کیا۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ قاضی القضاۃ ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے تو ان کی جگہ ان کے بیٹے امام یوسف قاضی القضاۃ بنائے گئے۔ مسلمانوں

[1] قَالَ الشَّیْخ الْأَلْبَانِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ "لَا أَصْلَ لَهٗ" (سلسلة الضعيفة: ٥٧) لہٰذا اس بے اصل روایت کی بنا پر لوگوں کا یہ عقیدہ بنا لینا کہ امت کا اختلاف وافتراق اور انتشار باعث رحمت ہے، صحیح نہ تھا۔ اس لیے کہ قرآن وسنت کی واضح نصوص کے آجانے کے بعد کسی قسم کی فقہ یا انداز فکر کو برقرار رکھنا اور باعث رحمت قرار دینا دین اسلام سے عدم واقفیت اور رسوخ فی الدین نہ ہونے کا ثبوت ہے۔

میں معتزلہ کا ایک اندرونی فرقہ بعض عقیدوں کے اختلاف کی بنا پر پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ جس وجہ سے یہ اختلاف عقاید واقع ہوا اس کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔ اب اس اختلاف نے وسعت اور قوت پکڑنی شروع کی۔ صفات باری تعالیٰ پر تفصیلی تقریریں ہونے لگیں۔ حدوث و قدوم کی بحثیں شروع ہو گئیں، کلام الٰہی کے متعلق کلام نفسی اور کلام لفظی کے مناظرے شروع ہوئے۔ جبر و اختیار، صفات سلبی و صفات ثبوتی، دیدار الٰہی، ملائکہ، شفاعت، جنت و دوزخ، عرش و کرسی، معجزات، عصمت انبیا، وحی و نبوت، معراج، کلام الٰہی مخلوق ہے یا غیر مخلوق وغیرہ صدہا مسائل زیر بحث آ گئے اور ہر ایک کے ثابت اور رد کرنے کے لیے علم کلام، فلسفہ اور منطق کی ہزارہا اصطلاحیں علماء کی زبان پر جاری رہنے لگیں۔ جن کے استعمال کرنے کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین کو مطلق ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ پہلے عالم بننے کے لیے احادیث نبوی کا یاد کرنا اور راویوں کے نام یاد رکھنا ضروری تھا۔ اب عالم بننے اور عالم کہلانے کے لیے ان ہزارہا جدید اصطلاحوں کا یاد کرنا اور مذکورہ مسائل پر گفتگو کرنے کی قابلیت بہم پہنچانا ضروری ہو گیا۔ جس قدر ان غیر شرعی چیزوں میں توجہ زیادہ صرف ہونے لگی اسی قدر قرآن و حدیث کے یاد کرنے، فکر و تدبر کے کام میں لانے اور اخلاق و روحانیت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع کم ہوتا گیا۔ ہارون الرشید نے جب قاضی القضاۃ کا عہدہ قائم کر کے اس پر شاگرد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو مامور کیا اور ان کو اختیار دیا کہ وہ تمام حدود خلافتِ عباسیہ کے شہروں میں اپنی تجویز اور اپنے اختیار سے قاضی مقرر کریں تو انہوں نے وہی لوگ قاضی مقرر کر کے تمام شہروں میں بھیجے جو ان کے اور ان کے استاد کے شاگرد اور حقوق و فرائض کے مسائل میں ان کے ہم خیال اور فتوے میں ان کے موافق تھے۔ یہ لوگ جب ان شہروں میں عالمانہ حیثیت سے پہنچے جہاں دوسرے عالموں مثلاً امام مالک رحمہ اللہ یا سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ کے فتوے رائج تھے۔ تو ان قاضیوں کے فیصلے وہاں کے لوگوں کو عجیب معلوم ہوئے اور اس طرح اعمال و عبادات اور حقوق و فرائض میں جو اختلافات تھے ان میں عصبیت اور گروہ بندی کی بنیادیں قائم ہونے لگیں، عقائد کے اختلاف کی وہ صورت تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ اب اعمال اور فقہی مسائل میں گروہ بندی اور

عصبیت کے پیدا ہونے کی یہ صورت نکل آئی، اس سے پہلے یہ معمولی اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا اور لوگ اسلام کی رخصتوں اور آسانیوں سے بخوبی متمتع تھے کہ اسی حالت میں ان قضاۃ کے ذریعے ایک مخصوص مسلک رواج پانے اور یہ اختلاف بتدریج اہمیت حاصل کرنے لگا۔ چونکہ سلطنت عباسیہ میں آئندہ کئی نسلوں تک قاضی القضاۃ کا عہدہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں اور اسی خاص فقہی مسلک کے لیے مخصوص رہا۔ لہٰذا فقہ حنفی کی اشاعت کے لیے ایک زبردست سامان مہیا ہو گیا اور آئندہ زمانہ میں حدود حکومت عباسیہ کے ملکوں اور علاقوں میں فقہ حنفی اور حنفی فتوے کے رواج کا باعث ہوا۔ لیکن اس زمانہ یعنی دوسری صدی اور اس کے بعد تیسری تک بھی کسی کے وہم و گمان میں یہ بات نہ تھی کہ آئندہ اس فقہی اختلاف کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ دوسرے علماء کے نام سے چار فقہی مذہب الگ الگ قائم ہو کر انہیں چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک کی تقلید و پیروی کو واجب قرار دیا جائے گا۔

اختلاف عقائد کا سلسلہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے فلسفہ یونانی کی کتابوں کے ترجموں اور مسلمانوں میں علم کلام کی ایجاد سے شروع ہو چکا تھا۔ مامون الرشید عباسی نے سب سے زیادہ فلسفہ یونان کی کتابوں اور ارسطو کی تصانیف کے ترجمے کرائے اور بیت الحکمۃ یا دار الترجمۃ کو وسعت دی۔ عیسائی، مجوسی اور یہودی علماء کثرت سے بغداد میں جمع ہو گئے اور ترجمہ کے کام میں مصروف ہوئے۔ دربار حکومت کی قدر دانیوں نے علماء دین کو بھی ان علوم کی طرف متوجہ کر دیا اگرچہ مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے کسی علم و فن کی ضرورت نہ تھی تاہم ان قدیم فلسفوں اور متفرق علوم کی طرف متوجہ ہو کر مسلمانوں نے سب کو اس طرح مرتب و مدون کر دیا کہ گویا نئے سرے سے ایجاد کیا۔ کامل آزادی سے کام لیا گیا اور مختلف قوموں کے فلسفوں اور حکمیہ علوم کو فلسفہ قرآن کے مقابلہ پر آنے کا موقع ملا۔ یہ صورت حالات دیکھ کر خدام اسلام بھی مستعد ہو گئے اور انہوں نے ان تمام فلسفوں اور مخالف قرآن اصول کو غلط اور نادرست ثابت کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس طرح مذاہب و علوم کے ساتھ معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہو کر اسلام کو جو علمی فتوحات حاصل ہوئیں۔ وہ ان ملکی فتوحات سے بہت زیادہ وقیع ہیں جو عہد بنو امیہ میں حاصل ہوئی تھیں اور

یہی علمی فتوحات ہیں جنہوں نے خلافت عباسیہ کے مرتبہ کو خلافت امویہ کا ہم سر بنا دیا ورنہ فتوحات ملکی کے اعتبار سے عباسی خلافت اموی خلافت کی حریف و ہمسر نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ تو امویوں کے فتح کیے ہوئے ملکوں کو سنبھال بھی نہ سکی گروہ معتزلہ میں قاضی یحییٰ بن اکثم بڑے پایہ کے آدمی تھے اور مامون الرشید عباسی کے مصاحب اور وزیر اعظم کے مساوی اثر و اختیار رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے مسلمان علماء کے مذاکرات علمیہ میں صفات باری تعالیٰ پر اکثر بحث ونظر اور تقریر وتنقید ہوتی رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں قابل تذکرہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث نے یہاں تک طول کھینچا کہ خلیفہ مامون الرشید کے ہاتھوں بڑے بڑے جلیل القدر علماء کو مصائب برداشت کرنے پڑے احمد بن ابی داؤد شاگرد قاضی یحییٰ اور دوسرے مصاحبین معتصم نے معتصم باللہ عباسی کو بھی اس غیر ضروری اور ناقابل التفات مسئلہ خلقِ قرآن کی طرف مامون الرشید کی طرح متوجہ رکھ کر بہت سے علمائے ربانی کو پریشان ومظلوم بنایا۔ یہی حال واثق باللہ عباسی کا بھی رہا۔

عابد زاہد اور علایق دنیوی سے بے تعلق لوگ ہر زمانہ میں تھوڑے بہت موجود ہوتے ہیں اس زمانہ میں بھی یہ لوگ ہر شہر و قصبہ میں موجود تھے۔ عابد زاہد سے مدعا یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تمام زندگی کو عبادات اور گوشہ نشینی کے لیے وقف کر دیا تھا ورنہ یوں تو مسلمانوں کا ہر ایک کام مثلاً: تجارت، زراعت، صنعت و حرفت، سپہ گری وغیرہ سب عبادات میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مذکورہ گوشہ نشین لوگوں کے زاویے اور خانقاہیں بھی اس دوسری صدی ہجری میں جاذبِ توجہ بن گئی تھیں لیکن ان سب کی حیثیت انفرادی اور ہر گوشہ نشین زاہد کی ذات سے تعلق رکھتی تھی۔ اگرچہ بیعت ارشاد اور بیعت توبہ کا رواج شروع ہو چکا تھا لیکن خانوادے اور تصوف کے خاندان ابھی شروع نہیں ہوئے تھے یہ زمانہ بھی اسلام کے لیے بہت اچھا اور عروج و اقبال ہی کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

باب سوم

دربارِ خلافت میں اعتقادی کشمکش

۵۰۰ھ تک کے نہایت مختصر اور سرسری حالات

واثق باللہ عباسی کے بعد متوکل علی اللہ ۲۳۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر لوگوں نے مکان تعمیر کر کے اس کے قریب مسافر خانہ بھی بنا دیا تھا اور اس کی زیارت کے لیے دور، دور سے لوگ آتے تھے۔ متوکل علی اللہ عباسی نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کو بت اور بتخانہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے دیکھ کر اور ان عمارتوں کو شرعی اور سیاسی دونوں اعتبار سے مضرت رساں محسوس کر کے ۲۳۶ھ میں ایک گشتی حکم کے ذریعے لوگوں کو زیارت کے لیے سفر کر کے جانے سے منع کیا اور قبر کے اردگرد جو مکانات۔ (غالباً بطور مہمان خانہ) بنے ہوئے تھے ان کو بھی مسمار کرا دیا۔ ۲۳۷ھ میں آرمینیا اور حمص میں عیسائیوں نے علم بغاوت بلند کیا اور دونوں جگہ کی بغاوت فرو کی گئی۔ اسی سال خلیفہ متوکل نے مصر کے حنفی قاضی القضاۃ کو موقوف کر کے اس کی جگہ شافعی قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ اس زمانہ میں حنفی مالکی وغیرہ مذاہب اس طرح متشخص و معین نہ ہوئے تھے جیسے کہ آج ہیں۔ مدعا یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سلسلۂ تلامذہ میں سے جو شخص قاضی مصر تھا اس کی جگہ اس شخص کو مامور کیا گیا جو امام شافعی رحمہ اللہ کے سلسلہ تلامذہ میں شامل تھا۔ اب تک مصر میں فقہ حنفی کا رواج ترقی کر رہا تھا۔ لیکن ۲۳۷ھ سے مصر میں فقہ شافعی کے رواج کو ترقی ہونے لگی۔ خلیفہ متوکل علی اللہ، واثق و معتصم و مامون کے خلاف اہل الرائے کو ناپسند کرتا اور اہل حدیث سے زیادہ محبت رکھتا تھا۔ خلق قرآن اور رویتِ باری وغیرہ مسائل میں بھی وہ مذکورہ ہر سہ خلفاء کا

مخالف اور علمائے اہل حدیث کا موید تھا۔ اب تک بغداد کوفہ وغیرہ تمام عراق میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردوں کی کثرت اور انہیں کے فتووں کو ترجیح دی جاتی تھی، خلفاء بھی حنفی فتوؤں اور حنفی فقہ کو پسند کرتے تھے لیکن متوکل علی اللہ سب سے پہلا خلیفہ تھا جس نے امام شافعی کے فتوؤں کو حدیث نبوی سے زیادہ مطابق پاکر ترجیح دی اور علم حدیث کی اشاعت اور علمائے حدیث کی قدردانی واعانت میں پوری کوشش اور توجہ کے ساتھ مصروف ہوا۔

عجیب اتفاق کی بات ہے کہ متوکل علی اللہ کو جس قدر حدیث کی اشاعت کا شوق، اہل الرائے اور شیعہ و معتزلہ سے نفرت تھی، اس کے ولی عہد بیٹے منتصر کو اسی قدر معتزلہ اور شیعوں سے محبت اور اہل الرائے کی حمایت مد نظر تھی۔ متوکل اس بات کے بھی درپے تھا کہ ترکوں کا زور توڑا جائے اور ان کی فوجی طاقت کو کم کیا جائے لہٰذا ترک سردار بھی متوکل سے خوش نہ تھے۔ متوکل کو جب یہ معلوم ہوا کہ ولی عہد خلافت شیعوں کی جانب مائل ہے تو اس نے اپنے دوسرے بیٹے معتز کو بجائے منتصر کے ولیعہد بنانا چاہا۔ منتصر نے یہ سن کر ترک سرداروں سے سازش کی، نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل قریباً چودہ سال حکومت کرنے کے بعد اپنے بیٹے کی تحریک اور ترک سرداروں کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ منتصر نے باپ کے بعد تخت نشین ہوتے ہی علویوں اور شیعوں کے ساتھ رعایتیں کیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کو پھر زیارت گاہ بنایا اور منہدم مکانات تعمیر کرائے لیکن ترک سرداروں نے جو دربار خلافت پر چھائے ہوئے تھے چھ ہی مہینے کے اندر اس کو بھی باپ کے پاس پہنچا دیا اور مستعین باللہ ابن معتصم باللہ کو تخت نشین کیا۔ ترکوں کے اقتدار نے دم بدم ترقی کی اور عربی و ایرانی دونوں طاقتیں ترکوں کے مقابلے میں مغلوب و بے حقیقت نظر آنے لگیں۔ خراسان پر مامون الرشید کے زمانہ سے خاندان طاہر یہ حکمران چلا آتا تھا، اس نے بھی خودمختاری حاصل کی۔ رومیوں نے حملے شروع کر دیئے، کئی مسلمان سپہ سالار شہید ہوئے، بغداد کے مسلمانوں نے ترکوں کے خلاف ہتھیار سنبھالے، ترکوں نے مقابلہ کیا اور دارالخلافہ میں کشت وخون ہوا۔

علویوں کا خروج، خلافِ عباسیہ کا اضمحلال اور صوبوں کی خود مختاری

ان حالات کو دیکھ کر یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید شہید نے کوفہ میں خروج کر کے علوی حکومت قائم کی اگرچہ جا بجا خروج کیا لیکن ان کے معاونین نے بجائے اس کے کہ ان کو حکمران بناتے خودحکومتیں حاصل کرنا شروع کیں اور علویوں کو عموماً کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دیا۔ خلیفہ مستعین کے بعد معتز اور معتز کے بعد مہتدی باللہ عباسی تخت نشین ہوا بغداد و سامرہ میں ترکوں کا زور تھا، وہ جلد جلد خلفا کو قتل اور تخت نشین کر رہے تھے۔ ۲۵۶ھ میں مہتدی بھی ترکوں کے ہاتھ سے قتل ہوا، اس کی جگہ معتمد علی اللہ تخت نشین ہوا۔ اسی سال ابراہیم بن محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب نے مصر میں اور علی بن زید علوی نے کوفہ میں خروج کیا۔ مصر میں کئی لڑائیوں کے بعد ابن طولوں نے اس بغاوت کو فرو کیا۔ علی بن زید کو بھی اوّل کئی لڑائیوں میں کامیابی ہوئی لیکن بعد میں گرفتار ہو گیا، اس کے بعد اسی سال یعنی ۲۵۶ھ میں حسین بن زید علوی نے رے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے مقابلہ کو بغداد سے فوجیں بھیجی گئیں چوں کہ علوی لوگ جا بجا خروج کر رہے تھے اور لوگ ان کے علوی ہونے کے سبب ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے لہٰذا بعض غیر علویوں نے بھی اپنے آپ کو علوی ظاہر کر کے قسمت آزمائی شروع کر دی۔

زنگیوں کا فتنہ

صوبہ بحرین میں ایک شخص علی بن ابان نامی نے اپنے آپ کو علوی ظاہر کر کے اعلان کیا کہ جو زنگی غلام ہمارے پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ اس کے جھنڈے کے نیچے بڑی کثرت سے زنگی غلام جمع ہو گئے۔ اس نے بصرہ پر قبضہ کیا دربار خلافت سے ان زنگیوں کے مقابلہ کو جو فوجیں بھیجی گئیں وہ بار بار شکست کھا کھا کر واپس آتی رہیں۔ عراق کے بڑے حصہ پر زنگیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور ۲۷۰ھ تک زنگیوں نے بصرہ اور عراق کے بڑے حصے کو اپنی لوٹ مار سے خوب تباہ و برباد کیا۔ ۲۶۰ھ سے سمرقند و بخارا میں سامانیوں کی خود

مختار حکومت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ۲۶۳ھ اور ۲۶۴ھ میں زنگیوں نے واسط پر اور احمد بن طولون والی مصر نے شام پر قبضہ کر لیا۔ زنگی غلاموں کی جمعیت کا پہلا سردار علی نامی ایک شخص تھا، اس کے بعد بہبود نامی ایک شخص اس زنگی جمعیت کا سردار ہوا۔ بہبود نے نبوت کا دعویٰ کیا اور زنگیوں نے اس کو نبی تسلیم کر لیا۔ اس جدید مذہب میں مسلمانوں کا قتل کرنا، اہل بیت نبوی اور صحابہ کرام کو گالیاں دینا ثواب کا کام تھا۔ ان لوگوں نے قریباً ایک کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ ان کا سردار بہبود عالم الغیب ہونے کا بھی مدعی تھی۔ ان کی پیہم فتح مندیوں نے دلوں پر ہیبت طاری کر دی تھی۔ ترکوں کے غرور اور بہادری کو بھی انہوں نے خاک میں ملا دیا تھا۔ ربیع الثانی ۲۶۶ھ میں لشکر خلافت نے بمقام واسط زنگیوں کو پہلی مرتبہ شکست دی، بہبود کے بعد اس کا جانشین خبیب تھا۔ چار سال کی معرکہ آرایوں کے بعد خبیب مارا گیا اور زنگیوں کا زور ٹوٹا لیکن ان کے چھوٹے چھوٹے گروہ منتشر ہو کر ملک میں بدامنی پھیلاتے رہے۔ پھر دو حصے ہو کر آپس میں بھی لڑتے رہے۔ لیکن بحرین اور عراق کے اکثر حصہ میں خلافت عباسیہ امن و امان قائم نہ کر سکی اور زنگیوں کا کلی استیصال ممکن نہ ہوا۔

علویوں کا خروج

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل دیلم کی امداد سے طبرستان میں حسن بن زید علوی کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ رجب ۲۷۰ھ میں حسن بن زید کا انتقال ہوا تو اس کا بھائی محمد بن زید طبرستان کا فرمانروا ہوا۔ ۲۷۷ھ میں دولت صفاریہ نے طبرستان سے محمد بن زید کو بے دخل کیا۔ ۲۸۸ھ میں اسماعیل سامانی نے عمرو بن لیث صفار کو گرفتار کیا تو محمد بن زید نے پھر طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ آخر سامانیوں کے مقابلہ میں محمد بن زید کا بھی خاتمہ ہوا۔ محمد بن حسن بن جعفر بن موسیٰ کاظم نے مدینہ میں خروج کیا لیکن ان کے بھائی علی بن حسن نے بھائی کے خلاف خروج کیا۔ دونوں بھائیوں کی معرکہ آرائی نے مدینہ میں ہزار ہا آدمیوں کو قتل کرایا حتی کہ ۲۷۱ھ میں ایک مہینہ تک مدینہ منورہ میں نماز جمعہ ادا نہیں ہو سکی۔ یہی

حالت مکہ معظّمہ میں بھی رہی۔ غرض خانہ جنگی کی آگ نے مشتعل ہو کر تمام عالم اسلام اور لوگوں کے امن وامان کو درہم برہم کر دیا۔

قرامطہ کا جدید مذہب اور بعض نئی حکومتوں کا قیام

۲۷۸ھ میں علاقہ کوفہ میں خوزستان کے ایک شخص حمدان عرف قرمط نے ایک نیا مذہب جاری کیا یہ ایک غالی شیعہ تھا، اس کا عقیدہ تھا کہ اسماعیل بن جعفر صادق امام برحق تھے، ان کے بعد ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل اور ان کے بعد عبید اللہ بن محمد امام تھے۔ اپنے آپ کو وہ عبید اللہ بن محمد کا نائب بتاتا تھا۔ محمد بن حنفیہ کو رسول کہتا تھا۔ دن رات میں صرف دو نمازیں طلوع وغروب آفتاب کے وقت دو دو رکعت مقرر کی تھیں۔ بجائے جمعہ کے دو شنبہ کا دن بابرکت سمجھتا اور اس دن کوئی کام نہ کرتا۔ سال بھر میں دو روزے فرض تھے۔ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال کہتا تھا۔ غسل جنابت کو غیر ضروری بتاتا۔ بعض حلال جانوروں کو حرام اور بعض حرام کو حلال کہتا تھا۔ اس نے ابتداً زنگیوں کے سردار بہبود اور خبیب سے سازش کرنی چاہی اور کہا کہ آؤ ہم تم مل کر اس جدید مذہب کو رواج دیں لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ ان کی ہلاکت کے چند سال بعد ۲۷۸ھ میں اس نے کوفہ میں اپنے خیالات کی اعلانیہ اشاعت شروع کی اور بہت سے لوگ اس کے معتقد ہونے لگے۔ کوفہ کے عامل نے مطلع ہو کر قرمط کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں بھیج دیا۔ اتفاقاً جیل خانہ کے محافظ کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر وہ جیل خانہ سے نکل بھاگا، اس کے معتقدین نے مشہور کیا کہ قرمط کو جیل خانہ نہیں روک سکتا۔ لوگ جوق در جوق آ آ کر قرمط کے مرید ہونے لگے۔

اب سوچنے کے قابل یہ بات ہے کہ ایسے نامعقول عقائد اور بیہودہ افعال کو تسلیم وقبول کر لینے والے لوگ کہاں سے آ گئے تھے اور مسلمانوں میں ایسے احمقوں کی اتنی کثرت کیوں تھی۔ رجب ۲۷۹ھ میں خلیفہ معتمد عباسی کا انتقال ہوا اور معتضد باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ اسی زمانہ میں ایک مجوسی النسل شخص عبید اللہ بن عبید نے اپنے

علوی اور فاطمی ہونے کا اعلان کر کے مہدویت کا دعویٰ کیا اور افریقہ میں خروج کر کے حاکم قیروان کے خلاف جنگ و پیکار کا سلسلہ جاری کیا ۔ یہ عبید اللہ بن عبید دراصل قرامطہ کی جماعت کا ایک شخص تھا جس نے مغربی علاقہ میں اپنے لیے راستہ صاف کیا۔ قرامطہ مذکور کے ایک شاگرد یحییٰ نے قطیف علاقہ بحرین میں آ کر اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور اُس نواح کے تمام شیعہ اس کی طرف متوجہ ہو گئے ۔ ۲۸۵ھ اور ۲۸۶ھ میں ابوسعید جنانی قرمطی نے قطیف میں آ کر لوگوں سے بیعت لی اور لشکر ترتیب دے کر خروج کیا ۔افواج شاہی نے شکست کھائی اور قرامطہ کا بصرہ پر قبضہ ہو گیا۔ بصرہ کے مسلمانوں کو قرامطہ نے آگ میں جلا جلا کر ہلاک کیا۔

۲۸۸ھ میں علویوں نے حکومت زیادیہ یمن کے ایک حصہ پر متصرف ہو کر زیدیہ حکومت قائم کی ۔ ۲۸۹ھ میں ابوسعید قرمطی نے عراق کے اکثر حصہ پر قابض ہو کر شام پر حملہ کیا اور دمشق فتح کر کے وہاں قتل وغارت کا بازار گرم کیا۔ ربیع الثانی ۲۸۹ھ میں معتضد باللہ عباسی نے وفات پائی اس کی جگہ اس کا بیٹا مکتفی باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ اسماعیل سامانی نے خراسان ''رے'' کے علاقہ کو بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ ۶ محرم ۲۹۱ھ میں قرامطہ کو دمشق میں خلیفہ کی فوج نے شکست دی اور ان کا سردار گرفتار و مقتول ہوا۔ ۲۹۲ھ میں بنی حمدان کی خود مختار حکومت دیار بکر میں شروع ہوئی۔ ۲۹۵ھ میں مکتفی باللہ فوت اور مقتدر باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ ۲۹۶ھ میں دولت عبیدیہ کی ابتدا ہوئی اور عبید اللہ مذکور نے مہدی اور امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر کے افریقہ میں دولت اغلبیہ کا خاتمہ کیا۔ ۳۰۱ھ میں حسن بن علی بن حسین بن علی بن عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے جو اطروش کے نام سے مشہور ہے، صوبہ طبرستان پر قبضہ کیا۔ اطروش مذہباً زیدی شیعہ تھے۔ دیلمی لوگوں میں انہیں کے ذریعہ زیادہ تر اسلام کی اشاعت ہوئی تھی۔ ۳۰۴ھ میں والیٔ خراسان نے حملہ کر کے اطروش کو قتل کیا۔

قرامطہ کے مظالم اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی

علاقہ بحرین پر قرامطہ کا عرصہ سے قبضہ تھا قرامطہ کے سردار ابو طاہر سلیمان بن ابی سعید جنائی نے ۳۱۱ھ میں بصرہ پر قبضہ کر کے وہاں کے عامل اور شرفاء کو قتل کیا اور اپنی طرف سے بصرہ میں عامل مقرر کر کے اپنے دارالصدر ہجر کو واپس چلا گیا۔ ۳۱۲ھ میں ابو طاہر قرمطی مذکور نے حاجیوں کے قافلوں کو عراق عرب میں بڑی بے دردی سے لوٹنا اور قتل کرنا شروع کیا، پھر کوفہ پر حملہ آور ہو کر خوب لوٹا، نوبت یہاں تک پہنچی کہ ۳۱۳ھ میں قرامطہ کے خوف سے کسی نے حج کا ارادہ نہیں کیا۔ خلیج فارس سے فلسطین تک اور بصرہ سے مکہ تک قرامطہ ہی کا عمل دخل تھا۔ سلیمان بن داؤد بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نسل میں ایک شخص محمد بن سلیمان نے جو زیدیہ شیعہ تھا، مکہ میں اپنی حکومت قائم کی اور عبیدیہ مصر کا خطبہ جاری کیا۔ ۴۳۰ھ تک مکہ میں ان شیعوں کا عمل دخل رہا۔ ۳۱۵ھ میں قرامطہ کوفہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور اھواز پر قبضہ کر لیا۔ ۳۱۶ھ میں سوائے بغداد کے تمام ملک عراق پر قرامطہ کا قبضہ ہو گیا۔ ۳۱۸ھ میں ابوطاہر قرمطی نے عین ایام حج میں مکہ معظمہ پر حملہ کر کے حاجیوں کا قتل عام کیا یہاں تک کہ خانہ کعبہ کے اندر بھی لوگوں کو قتل کرنے سے باز نہ رہا۔ چاہ زمزم کو مقتولین کی لاشوں سے پُر کر دیا۔ سنگِ اسود کو گرز مار کر توڑ ڈالا اور دیوار کعبہ سے جدا کر کے گیارہ روز تک یوں ہی پڑا رہنے دیا، پھر سنگِ اسود کو اونٹ پر لاد کر اپنے ہمراہ اپنے دارالسلطنت ہجر (علاقہ بحرین) کی طرف لے گیا۔ مسلمانوں نے سنگ اسود کے عوض پچاس ہزار دینا چاہے لیکن وہ نہ مانا اور حجر اسود کو ساتھ لے گیا۔ اس کے بعد ۳۳۹ھ میں بعہد خلافت مطیع للہ سنگِ اسود ہجر سے مکہ لا کر پھر خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا قریباً بیس اکیس سال تک سنگِ اسود خانہ کعبہ سے جدا رہا۔ ۳۲۰ھ کو مقتدر باللہ عباسی اپنے سرداروں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کی جگہ قاہر باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔

دیلمیوں کا اقتدار اور خلفائے عباسیہ کی بے دست و پائی

اوپر اطروش کا ذکر آ چکا ہے ان کے بعد طبرستان و دیلم وغیرہ علاقوں میں کئی چھوٹے چھوٹے سردار آپس میں لڑتے رہے۔ آخر ۳۲۰ھ کے قریب مرداویج نامی ایک مجوسی النسل سردار اپنی زبردست ریاست و حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی فوج میں دیلم کے رہنے والے ابوشجا بویہ ماہی گیر کے بیٹے علی، حسن اور احمد بھی نوکر تھے۔ انھوں نے جلد جلد ترقی کی اور امیر الامرائی کے درجہ تک پہنچے۔ ۳۲۲ھ میں قاہر باللہ معزول ہوا۔ اس کی جگہ راضی باللہ تخت نشین ہوا۔ ۳۲۳ھ میں مرداویج جو اپنے آپ کو کسرائے فارس سمجھتا اور مجوسی شہنشاہی قائم کرنے کی فکر میں تھا، مقتول ہوا۔ راضی باللہ نے علی بن بویہ مذکور کو عماد الدولہ کا خطاب دے کر صوبہ فارس کی سند حکومت عطاء کی۔ اس کے بھائی حسن کو رکن الدولہ اور احمد کو معز الدولہ کا خطاب دے کر اصفہان و اہواز کی حکومتیں عطاء کیں۔ یہی دیلمی خاندان بالآخر خلیفہ کو شاہ شطرنج بنا کر خود امیر الامراء کے نام سے مدار المہام خلافت بن گیا۔ ربیع الاول ۳۲۹ھ کو راضی باللہ فوت اور متقی للہ تخت نشین ہوا۔ معتصم باللہ کے زمانہ سے اب تک بغداد میں ترکوں کا بڑا زور تھا اور وہی دربار خلافت پر چھائے ہوئے تھے۔ متقی للہ کے زمانہ سے دیلمیوں کا ایک نیا گروہ ترقی کرنے لگا ۳۳۳ھ میں خلیفہ متقی کو معزول کر کے اندھا کیا گیا، اس کی جگہ مستکفی باللہ تخت نشین ہوا اور اس نے معز الدولہ دیلمی کو امیر الامراء بنایا۔ معز الدولہ نے بغداد میں اپنے نام کے سکے مسکوک کرائے اور خلیفہ کو ایک قیدی کی حیثیت میں مجبور و بیکار بنا کر بٹھا دیا۔ جمادی الآخر ۳۳۴ھ میں معز الدولہ نے خلیفہ مستکفی باللہ عباسی کو سرِ دربار گرفتار کرا کر اندھا کیا۔

بغداد میں شیعوں کی حکومت

معز الدولہ اور اس کے بھائی سب شیعہ تھے، اس لیے معز الدولہ نے مستکفی کو اندھا

کرنے کے بعد چاہا کہ کسی علوی فاطمی کو تختِ خلافت پر بٹھائے لیکن اس کے بعض مشیروں اور مصاحبوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی جو عظمت وعزت اپنی قوم اور شیعوں میں اب ہے وہ ہرگز باقی نہ رہے گی بلکہ پھر سب لوگ اس خلیفہ ہی کی اطاعت کریں گے اور آپ کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ لیکن عباسی خلیفہ ہوگا تو آپ کو سب اسی طرح شیعیت کا سرپرست اور اپنا سردار سمجھتے رہیں گے معزالدولہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور مطیع للہ عباسی کو تخت نشین کیا اور سو دینار روزانہ اس کی تنخواہ مقرر کر کے خود سیاہ وسفید کا مالک رہا۔ ۳۴۱ھ میں شہر بغداد کے اندر شیعوں کے ایک خاص فرقہ نے اپنے عقائد کی اعلانیہ تبلیغ کی جو تناسخ کا قائل تھا۔ ان میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ مجھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روح ہے۔ اس کی بیوی نے کہا کہ مجھ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی روح ہے۔ ایک اور شخص نے کہا کہ مجھ میں جبرائیل کی روح ہے۔ لوگ ان کا بھی ادب کرنے لگے کہ اپنے آپ کو اہل بیت سے نسبت دیتے ہیں۔ معزالدولہ نے کوئی تعرض نہ کیا۔ ۳۵۱ھ میں بغداد کے اندر شیعوں کا اس قدر زور ہوگیا کہ معزالدولہ دیلمی نے جامع مسجد بغداد کے دروازہ پر ایک عبارت لکھوائی جس میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعنت کی گئی تھی (نعوذ باللہ) معزالدولہ نے ۱۸ ذلحجہ ۳۵۱ھ کو بغداد میں عید منانے کا حکم دیا اور اس عید کا نام "عید خم غدیر" تجویز کیا۔ خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں۔ یہ تاریخ اس عید کے لیے مقرر کرنے میں یہ مصلحت بھی مدنظر تھی کہ اسی روز سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ عید غدیر کی اس ایجاد نے شیعوں میں خوب رواج پایا اور آج تک بھی اس کا رواج موجود ہے۔

عشرہ محرم اور رسم تعزیہ کی ابتداء

۳۵۲ھ کے شروع ہونے پر ابن بویہ معزالدولہ مذکور نے حکم دیا کہ ۱۰ محرم کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں تمام دکانیں بند کردی جائیں اور بیع وشراب بالکل موقوف رہے اور شہر و دیہات کے تمام آدمی ماتمی لباس پہنیں۔ اعلانیہ نوحہ کریں، عورتیں اپنے بال

کھولیں، چہروں کو سیاہ کیے اور کپڑوں کو پھاڑے ہوئے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیے پڑھتی منہ نوچتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔شیعوں نے بخوشی اس حکم کی تعمیل کی مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے اور اس لیے کہ شیعوں کی حکومت تھی کچھ نہ کہہ سکے۔ ۳۵۳ھ میں پھر اسی حکم کا اعادہ کیا گیا اور اہل سنت کو بھی خاص طور پر اس کی تعمیل کا حکم دیا گیا۔ اہل سنت اس ذلت کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ شیعوں اور سنیوں میں فساد اور بہت بڑا کشت وخون ہوا۔ اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو بجالانا ضروری سمجھا اور آج تک اس پر عامل ہیں۔ ہندوستان کے اہل سنت و الجماعت کہلانے والوں کی بے غیرتی قابل داد ہے کہ ہر سال تعزیے بناتے ہیں اور مطلق نہیں شرماتے۔ ۳۵۶ھ میں معز الدولہ فوت ہوا اور فوت ہوتے وقت اپنے بیٹے عز الدولہ کو اپنا قائم مقام بنا گیا۔ گویا حکومت و سلطنت سب دیلمیوں کی ملکیت تھی خود ہی وہ اپنا ولی عہد مقرر کرتے تھے اور خلیفہ شاہ شطرنج سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ان دیلمیوں نے دربار خلافت اور خلیفہ عباسی پر مستولی ہوکر بعض صوبوں کی بغاوتوں کو بھی فرد کیا اور کاروبار سلطنت کو رونق دی لیکن وہ سب انہیں کی ذاتی ترقی تھی، عباسی خلیفہ کی حیثیت دن بدن ذلیل اور بے حقیقت ہوتی جاتی تھی۔ خراسان، ایران، فارس وغیرہ کے تمام علاقے دیلمیوں کے قبضے میں تھے جن پر خلیفہ کا براہِ راست کوئی اثر و اقتدار و اختیار مطلق نہ تھا۔

شام ومصر میں شیعہ حکومت

۳۵۷ھ میں دولت اخشیدیہ کا مصر میں خاتمہ ہوا اور یہ ملک عبیدیوں کے قبضے میں آیا، عباسی خلیفہ کا نام خطبوں سے خارج ہوا۔ ۳۵۹ھ میں مصر کے اندر جامع ازہر کی تعمیر ہوئی جو عبیدی حاکم نے بطور فریمیسن لاج اس غرض سے تعمیر کرائی کہ ممالک مشرقیہ میں شیعی دعوت کا مرکزی دفتر اور دعاۃ ونقبا کی تعلیم گاہ کا کام دے۔ ۳۶۰ھ میں دمشق کے اندر بھی شیعہ حکومت قائم ہوگئی۔ ۳۶۳ھ میں عز الدولہ نے مطیع للہ کو معزول کرکے اس کے بیٹے

طالع للہ کو تخت نشین کیا۔ خلیفہ مطیع للہ عباسی معزول ہونے کے بعد اپنے کپڑے اور برتن بیچ بیچ کر اپنی گزر بسر کرنے لگا اور محرم ۳۶۴ھ میں مر گیا۔

شیعوں کی حکومت کا عروج

افریقہ، مصر، شام، حجاز، یمن، بحرین، عراق، ایران، فارس، خراسان وغیرہ میں شیعیت کا خوب زور شور ہو گیا، بغداد میں عز الدولہ نے منادی کردی کہ کوئی شخص نماز تراویح نہ پڑھے۔ ۳۷۰ھ میں عضد الدولہ دیلمی ہمدان کے سفر سے واپس آیا تو عباسی خلیفہ اس کے استقبال کو بغداد سے باہر نکلا اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ کہ کسی عباسی خلیفہ نے اس طرح کسی کا استقبال کیا ہو۔ ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ فوت ہوا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا صمصام الدولہ دیلمی نائب السلطنت بغداد ہوا۔ ۳۷۳ھ میں فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ نے بغداد میں ایک سیاسی انجمن قائم کی جس کے ممبر اخوان الصفا کہلاتے تھے۔ ۳۸۱ھ میں طائع للہ عباسی کو بھی معزول کر کے قید کر دیا گیا اور قادر باللہ عباسی کو دیلمیوں نے تخت پر بٹھایا۔ ۳۹۳ھ میں مصر کے شیعی سلطنت کے گورنر دمشق نے دمشق میں ایک سنی امیر کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا، ایک منادی ساتھ ساتھ اعلان کرتا جاتا تھا کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھے۔ اس کے بعد اس سنی امیر کو شہید کر دیا گیا۔ ۳۹۵ھ میں حاکم عبیدی شاہ مصر نے مصر میں بہت سے علماء کو قتل کرایا اور مسجدوں کے دروازوں اور شارع عام پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں لکھ کر لگائیں اور عمال کو حکم دیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علی روس الاشہاد گالیاں دی جایا کریں۔ ۳۹۶ھ میں حاکم عبیدی شاہ مصر نے حکم دیا کہ جہاں کہیں میرا نام لیا جائے خواہ بازار ہو یا کوئی جلسہ ہو، سننے والا ادب کے لیے کھڑا ہو جائے، پھر سجدہ کرے۔ محمد بن اسماعیل نوشتگین ایک درزی (خیاط) تھا اس نے ۴۰۷ھ میں ایک کتاب لکھی جس میں مصر کے فرمانروا حاکم عبیدی کو خدا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ کتاب جامع ازہر میں سنائی گئی تو عام لوگوں میں درزی مذکور کے خلاف ایک جوش پیدا ہوا اور شیعوں نے بھی اس کتاب کو ناپسند کیا، یہاں تک کہ درزی

مذکور کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ حاکم عبیدی نے عوام کے جوش اور مخالفت کو مدنظر رکھتے ہوئے محمد بن اسماعیل درزی کو اپنے پاس خفیہ طور پر بلایا اور شام کے ملک میں اپنا داعی بنا کر بھیج دیا۔ اس نے ملک شام میں پہنچ کر حاکم عبیدی کی الوہیت کا عقیدہ پھیلانا شروع کیا۔ یہاں عراق سے آئے ہوئے تنوخیوں نے جو باطنی فرقہ کے پیرو تھے اس کی دعوت کو قبول کرلیا اور یہ لوگ دروزی کی نسبت سے درزی کہلانے لگے۔ یہ لوگ آج تک بھی شام کے ملک میں موجود ہیں۔ ۴۱۱ھ میں حاکم عبیدی فرمانروائے مصر اپنے دعویٰ الوہیت کی وجہ سے قتل ہوا۔ اسی سال اس کا داعی محمد بن اسماعیل درزی بھی مارا جا چکا تھا اور حاکم عبیدی نے اس کی جگہ دوسرا داعی حمزہ بن علی بھیج دیا تھا۔ حمزہ نے دروزیوں کے عقیدہ میں بہت کچھ ترمیم کردی مگر ان کا نام دروزی ہی رہا۔ ۴۱۸ھ میں جلال الدولہ دیلمی امیر الامراء و نائب السلطنت بغداد نے حکم جاری کیا کہ نماز پنج وقتہ کے لیے مسجدوں میں اذان نہ دی جائے اور بجائے اذان کے نقارہ بجایا جائے۔ خلیفہ قادر باللہ نے اس بدعت کو سخت ناپسند کیا اور جلال الدولہ سے اس حکم کے منسوخ کرنے کی فرمائش کی۔ جلال الدولہ نے یہ حکم خلیفہ کے کہنے سے منسوخ تو کردیا مگر خلیفہ سے ناراض ہوگیا۔ خلیفہ جلال الدولہ کی ناراضی سے ڈرا اور چند روز کے بعد نقارہ بجنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ جلال الدولہ نے نقارہ بجنے کا حکم دوبارہ جاری کیا اور بجائے اذان نقارہ بجنے لگا۔ ۴۲۲ھ کو قادر باللہ عباسی نے وفات پائی اور اس کا بیٹا قائم بامر اللہ تخت نشین ہوا۔ قادر باللہ کے تمام عہد خلافت میں بغداد کے اندر شیعہ سنیوں کے ہنگامے برپا رہے۔ قائم بامر اللہ کے تخت نشین ہونے کے بعد سنیوں پر شیعوں نے اور بھی زیادہ مظالم شروع کردیے اور سنیوں کی زندگی پہلے سے زیادہ تلخ ہوگئی۔ اسی زمانے میں سلطان محمود غزنوی نے وفات پائی اور سلجوقیوں نے ماوراء النہر اور خراسان میں اپنی حکومت قائم کی۔ مکہ معظمہ اور حجاز پر مصر کے عبیدیوں یعنی شیعوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اسی زمانہ میں اندلس کی خلافت کا بھی خاتمہ ہوا اور وہاں خاندان بنو امیہ کی زبردست سلطنت پارہ پارہ ہوکر اندلس میں چھ سات چھوٹی چھوٹی اسلامی سلطنتیں یا ریاستیں قائم ہوگئیں جو آپس میں دست و گریبان رہنے لگیں۔ ۴۲۹ھ میں جلال الدولہ دیلمی نے عباسی خلیفہ سے

ملک الملوک کے خطاب کی فرمائش کی اور خلیفہ کو مجبوراً یہ خطاب دینا پڑا حالانکہ وہ اس خطاب کو مذہباً شرک اور برا جانتا تھا۔ بغداد کے شیعوں نے سلجوقیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر چاہا کہ بغداد پر بھی عبیدی شیعوں کا قبضہ کرا دیں۔ ادھر عبیدی شیعوں نے بحرین، بلوچستان، افغانستان، سندھ اور فارس وغیرہ صوبوں میں اپنے خفیہ ایجنٹ اور داعی پھیلا رکھے تھے اور تمام عالم اسلام میں شیعہ سلطنت قائم کرنے کی فکر میں تھے۔

دیلمیوں کا زوال اور سلجوقیوں کا عروج

اسی حالت میں طغرل بیگ سلجوقی نے جو متبع کتاب وسنت شخص تھا۔ ۴۴۷ھ میں بغداد آ کر اور دیلمیوں کے اقتدار کو مٹا کر عباسی خلیفہ کو اپنی حمایت میں لیا اور اس طرح شیعوں کے منصوبے سب خاک میں مل گئے اور ان کے عزائم ناقص و نا تمام رہ گئے۔ ۴۴۸ھ میں مراقش کے اندر سلطنت مرابطین کی ابتدا ہوئی جو کتاب وسنت کی متبع حکومت تھی۔ ولایت موصل دیلمی شیعوں نے آخر میں عبیدیوں کو سپرد کر دی تھی۔ ۴۵۰ھ کو جبکہ سلطان طغرل سلجوقی ہمدان کی بغاوت فرو کرنے گیا ہوا تھا۔ شیعوں نے موصل سے فوجیں لا کر بغداد پر قبضہ کر لیا اور ۸ ذیقعد ۴۵۰ھ کو جامع مسجد میں مصر کے عبیدی خلیفہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ مسجدوں میں شیعوں کی مخصوص اذانیں دی گئیں۔ خلیفہ کے وزیراعظم کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا گیا اور بغداد کے سنیوں پر انواع واقسام کی عقوبتیں روا رکھی گئیں۔ قائم بامر اللہ اور اس کی بیوی کو بغداد سے باہر کسی مقام میں قید کر دیا گیا اور قصر خلافت کو شیعوں نے خوب دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ یہ خبر سن کر سلطان طغرل بیگ سلجوقی بغداد کی جانب روانہ ہوا ذیقعد ۴۵۱ھ کو بغداد پہنچا۔

شیعہ بغداد سے بھاگ گئے۔ سلطان نے خلیفہ کو پھر بغداد میں لا کر تخت خلافت پر بٹھایا۔ ۴۵۵ھ کو سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے وفات پائی اور اس کا بھتیجا سلطان الپ ارسلان چچا کا قائم مقام ہوا۔ دیلمیوں کے بعد عباسی خلیفہ کے سرپرست اور مدار المہام سلطنت سلجوقی ہو گئے۔ چونکہ سلجوقی خلیفہ عباسی سے کوئی مذہبی اختلاف نہیں رکھتے

تھے اور خلیفہ کے دشمن نہ تھے لہٰذا اس تبدیلی سے خلیفہ کے اثر و اقتدار میں ترقی ہوئی اور سلجوقیوں نے لوگوں کے لیے خلیفہ کے احکام کی تعمیل کو بھی ضروری قرار دے کر خود بھی عملی طور پر اپنے آپ کو خلیفہ کا فرمانروا ثابت کیا۔ سلجوقیوں نے ترکستان و خراسان و فارس وعراق و آذربائیجان و شام وغیرہ کے تمام علاقے فتح کر کے ایک زبردست سلطنت قائم کر لی۔ لہٰذا مسلمانوں کو بہت راحت پہنچی، کتاب وسنت کی پیروی آزادی سے ہونے لگی اور دیلمیوں کے زمانہ کی بہت سی خرابیاں دور ہوگئیں۔ سلاطین سلاجقہ امرائے دیالمہ سے بہت زیادہ طاقتور تھے۔ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم والی مکہ نے مصر کے عبیدی بادشاہ کا نام خطبہ سے نکال کر خلیفہ قائم بامر اللہ اور سلطان الپ ارسلان کا نام داخل کیا اور مکہ معظمہ میں شیعوں کی اذان بھی موقوف کردی۔ اسی طرح حلب میں بھی خطبہ و اذان تبدیل ہوئی سلطان الپ ارسلان بڑا دیندار پاک طینت اور بہادر سلطان تھا۔ اس نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلجوقی باپ کا قائم مقام ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح علم دوست اور پابند شرع سلطان تھا۔

۴۶۷ھ میں خلیفہ قائم بامر اللہ فوت اور مقتدی بامر اللہ خلیفہ ہوا۔ حسن بن صباح نے سیستان کے قلعہ اَلموت میں باطنی سلطنت کی بنیاد ۴۸۳ھ میں قائم کی۔ اسی سال عیسائیوں نے اندلس کا بڑا حصہ مسلمانوں سے فتح کر لیا۔ ۴۸۴ھ میں جزیرہ صقلیہ (سسلی) مسلمانوں کے قبضہ سے نکلا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۴۸۵ھ میں ملک شاہ سلجوقی نے وفات پائی اور ۴۸۷ھ میں خلیفہ مقتدی بامر اللہ فوت اور مستظہر باللہ عباسی تخت نشین ہوا۔ سلجوقی اگرچہ خلفائے عباسیہ کی سیادت کو تسلیم کرتے اور ان کی تعظیم وتکریم میں کوتاہی روا نہ رکھتے تھے لیکن اصل حکومت انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ ملک شاہ سلجوقی کی وفات کے بعد اس کی اولاد میں لڑائی جھگڑے شروع ہوئے ان لڑائی جھگڑوں کے باوجود مسلمانوں میں کسی دوسرے کو حکومت حاصل کرنے اور سلجوقیوں سے حکومت چھین لینے کی جرأت نہ ہوئی لیکن پانچویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے ہی پہلے یعنی ۴۹۰ھ سے ۵۰۰ھ تک پانچویں صدی کے آخری عشرہ میں ایک طرف تو قہستان وسیستان کے علاقے میں باطنیوں یا فدائیوں کی

ایک چھوٹی سی سلطنت جو آئندہ ڈیڑھ سو سال تک مسلمانوں کے لیے بڑی اذیت رساں ثابت ہوئی، قائم ہو گئی۔ دوسری طرف یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف متحد و متفق ہو کر اور اندلس کی اسلامی حکومت کو کمزور و ناتواں بنا لینے کے بعد جرأت ہوئی کہ وہ ملک شام پر حملہ آوری شروع کریں یعنی اسی عشرہ میں صلیبی لڑائیوں اور عیسائیوں کی چڑھائیوں کا سلسلہ جاری ہوا جو آئندہ تین سو سال تک جاری رہا۔

تبصرہ:

ڈھائی سو سال سے زیادہ مدت کے واقعات کی نسبت اس باب میں جو اشارات درج ہو چکے ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

خاندان عباسیہ نے مجوسی النسل ایرانی سرداروں کو صلہ خدمات کے طور پر عربی سرداروں کا ہمسر بنا کر نظام حکومت میں دو رقیب طاقتیں پیدا کر دی تھیں۔ معتصم باللہ عباسی نے ترکوں کی ایک تیسری طاقت پیدا کی جس کا اثر ایرانیوں پر کم اور عربوں پر زیادہ پڑا اور بہت جلد عربوں کی اہمیت بالکل فنا ہو گئی، ساتھ ہی نظام سلطنت بھی درہم برہم ہو گیا۔ ایرانیوں کے دیلمی خاندان نے قابو پا کر عباسی خلافت کو شیعہ حکومت میں تبدیل کیا۔ دیلمیوں کا دور دورہ سوسوا سو سال تک رہا اور اس عرصہ میں سنیوں کو انواع و اقسام کی ذلتیں اور اذیتیں سہنی پڑیں۔ اس کے بعد ترکوں کے سلجوقی خاندان نے دیلمیوں کو ہٹا کر ان کی جگہ خود چھین لی۔ یہ سلجوقی سنی تھے لہٰذا ان کی حکومت میں سنیوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔

جب تک سلطنت عباسیہ کی مرکزی حیثیت قائم رہی اور خلفائے عباسیہ کی شوکت و طاقت اعلیٰ درجہ پر رہی، علویوں کے خروج اور بغاوتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ جب ترکوں، دیلمیوں اور سلجوقیوں نے نظام خلافت کو درہم برہم کر دیا اور افریقہ و مصر و یمن و بحرین و فارس و خراسان و ماوراء النہر و سندھ و قہستان و آذربائیجان وغیرہ صوبے خود مختار ہو گئے اور شام و حلب پر بھی سیادت قائم نہ رہی تو علویوں کی سرگرمیاں بھی ختم ہو گئیں۔ بنو امیہ کی بربادی میں علوی اور عباسی دونوں شریک تھے جن میں علوی زیادہ

پیش پیش اور سرگرم نظر آتے تھے اور عباسیوں کی حیثیت ثانوی تھی لیکن عباسی بازی لے گئے اور علوی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ عباسیوں کے خلاف علویوں نے پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش اور عزم و ہمت کے ساتھ کام شروع کیا اور دو سو سال کی مسلسل کوششوں کے بعد عباسیوں کی سلطنت کو ادھ موا اور کمزور بنانے پائے تھے کہ دربار خلافت پر دیلمی قابض ہو گئے افریقہ و مصر میں عبید اللہ مجوسی النسل نے عبیدی سلطنت قائم کی۔ بحرین میں قرامطہ، ماوراء النہر اور خراسان میں سامانی فارس و قہستان میں صفاری، اصفہان وطبرستان میں ایرانی اپنی اپنی حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔یمن میں زیادیہ حکومت قائم ہوئی جس کو اموی حکومت کہنا چاہیے۔ دیار بکر میں کردوں کی حکومت قائم ہوئی اور چند روز کے بعد مذکورہ زیادیہ سلطنت کے ایک حصہ کو الگ کر کے شیعوں نے اپنی زیدیہ حکومت قائم کی۔ سندھ اور شام وغیرہ میں بھی ترکوں اور غیر علویوں نے اپنی ریاستیں قائم کیں اور علویوں کو اپنی کوئی مستقل حکومت قائم کرنے میں سراسر ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر میں حسن بن صباح نے قہستان و سیستان میں اپنی ریاست قائم کی وہ بھی علوی نہ تھا۔

عبد اللہ بن سبا نے مسلمانوں میں نسلی اور خاندانی رقابتوں کے جذبہ کو بیدار کر کے جو فساد برپا کیا تھا اس کے نتیجہ میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنوں کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی ریاست وسلطنت کو خالص اسلامی اصول پر قائم ہونے کا موقع میسر نہ آسکا۔ اس ریاست وامارت کے لیے جو معرکہ آرائیاں ہوئیں انہوں نے اسلامی عقائد و اعمال و عبادات میں بھی انواع و اقسام کے فتنے برپا کیے اور سینکڑوں فرقے اس سلسلے میں پیدا ہوتے رہے جن کی طرف اوپر جا بجا اشارہ ہوتا رہا ہے۔ کوئی سمجھدار اور منصف مزاج شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ جس قدر فرقے اور فتنے پیدا ہوئے سب کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف سے غفلت اختیار کرنے کا نتیجہ تھے۔ مسلمانوں نے عام طور پر کسی وقت بھی قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے زبانی انکار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ ان دونوں اصلی چیزوں کو واجب العمل کہتے لیکن عملی طور پر مسلمان کہلانے والوں کی بڑی تعداد

کتاب وسنت سے غافل اور کتاب وسنت پر عامل ہونے سے انکار کرتی رہی اس دنیا میں چوں کہ نتائج ہمیشہ اعمال پر مرتب ہوتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کے عملی انکار نے جو انہوں نے کتاب وسنت کے خلاف کیا ان کے لیے وہ اذیت رساں نتائج پیدا کیے جن کا اوپر ذکر ہوا۔ اگر مسلمان دنیا کو دین پر مقدم نہ کرتے اگر نسلی اور خاندانی عصبیت کو رضائے الٰہی کے مقابلہ میں کوئی اہمیت نہ دیتے۔ اگر سلطنت وحکومت کو کسی خاص شخص یا خاص خاندان کی ملکیت قرار نہ دیتے بلکہ اس کو ایک امانت اور تمام مسلمانوں کی مشترکہ چیز سمجھتے اگر قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کو ہمیشہ اپنا مطمع نظر رکھتے۔ مگر جذبات اور خواہشات نفسانی کے مغلوب اور اغوائے شیطانی سے متاثر نہ ہوتے تو ساری دنیا راحت واطمینان اور امن و امان سے لبریز ہو کر جنت کا نمونہ بن جاتی لیکن ایسا نہ کبھی پہلے ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا، اس دنیا میں کفر واسلام اور نور وظلمت کی کشمکش قیامت تک جاری رہے گی، خوش قسمت وہی لوگ ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا کر دنیا اور آخرت کی کامیابی ومقصد وری حاصل کرتے ہیں اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو صراط مستقیم کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ۵۰۰ھ تک کے واقعات کی نسبت اوپر نہایت مجمل طور پر اشارات درج ہو چکے اب اسی مذکورہ زمانہ کے متعلق علمی سرگرمیوں اور مذہب وعقیدے کی پیچیدگیوں کا بھی جن کو فتنوں کے نام سے تعبیر کیا جا سکتا ہے تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مذہبی حالات پر ایک نظر

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے تیسری صدی کے شروع میں یونانی فلسفہ اور دوسرے علوم کی اشاعت کے سبب اسلامی عقاید زیر بحث آنے لگے تھے اور عقائد کے متعلق اجتہادی اختلاف نے بعض گروہ پیدا کر دیے تھے اسی طرح اعمال وعبادات اور حقوق وفرائض کے متعلق بھی اختلافات نمایاں ہو چکے تھے۔ ان اندرونی اختلافات میں کوئی خطرہ اور اندیشہ اسلام کے لیے نہ تھا بلکہ اسلام نے فطرت انسانی کی مدنظر رکھتے ہوئے عین حق وحکمت کی بنا پر اپنے اندر ایسے اختلافات کی خود گنجائش رکھی ہے اور اسی اختلاف کو رحمت بتایا ہے لیکن

یہ اختلافات رحمت اسی وقت تک ہو سکتے ہیں جب تک کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو مطمع نظر رکھا جائے اور اسی کی روشنی میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا جائے۔ جب مسلمان کتاب وسنت کی روشنی سے جدا ہو جائیں گے اسی وقت صراطِ مستقیم سے جدا ہو کر ہلاکت کی راہوں پر آ جائیں گے۔ دربار خلافت اور خلفائے عہد کو دوسرے فلسفوں اور دوسرے علوم وفنون کی طرف زیادہ متوجہ دیکھ کر علمائے ربانی میں سے بھی اکثر کی توجہ اسی طرف مبذول ہو گئی اور کتاب وسنت کی پابندی مسلمانوں میں ڈھیلی اور کمزور پڑ گئی۔ اسی کا یہ اثر ہوا کہ عبادات ومعاملات سے تعلق رکھنے والے مسائل کے اعتبار سے بھی لوگوں میں گروہ بندی اور عصبیت پیدا ہو گئی اور اس گروہ بندی میں کتاب وسنت کی اہمیت کو فراموش کر کے ہر شخص اپنے ہی استاد اور اپنے ہی گروہ کے فتوؤں کو ترجیح دینے لگا اور تمام تر ہمت اس بات میں صرف ہونے لگی کہ کسی طرح ہمارے استاد (ہمارے امام) اور ہمارے گروہ کا قول صحیح اور درست اور مرجح ثابت ہو۔

﴿ وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ [النور:٢٤/٤٨]

’’اور جب ان کو اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے اختلافات کا فیصلہ کریں تو ان میں سے ایک فریق اس سے گریز کرتا ہے۔‘‘

اگر عصبیت اور گروہ بندی پیدا نہ ہوتی تو ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی کہ جو قول کتاب وسنت کے موافق ہو اسی کو صحیح تسلیم کیا جائے خواہ کسی کا قول ہو۔ اگر یہ آخری بات ہوتی تو ہرگز ہرگز فقہی مذاہب الگ الگ پیدا نہ ہوتے اور مسلمانوں کو صرف مسلمان کہلانے کے سوا حنفی، مالکی، شافعی وغیرہ نسبتوں کی ضرورت پیش نہ آتی لیکن پہلی بات یعنی گروہ بندی چوں کہ موجود ہو گئی تھی لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ تیسری صدی کے خاتمہ اور چوتھی صدی کی ابتدا میں چار فقہی مذاہب الگ الگ متعین ومشخص ہو گئے اور پانچویں صدی ہجری کے خاتمہ پر خانہ کعبہ میں شافعی اور شیعہ الگ الگ مصلے قائم ہوئے۔ اس سے پہلے مکہ معظّمہ میں مصر کی شیعہ حکومت کا اثر غالب تھا۔ جب مصر کی شیعہ سلطنت

میں کمزوری نمایاں ہوئی اور خلیفہ بغداد کی سیادت بھی مکہ میں تسلیم کی جانے لگی تو شیعوں اور سنیوں کے الگ الگ مصلے مقرر ہوئے۔ اس زمانہ کا عباسی خلیفہ چوں کہ شافعی مذہب کا پیرو تھا لہٰذا سنی مصلے کا نام شافعی مصلیٰ ہوا۔ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں مالکی، حنفی، حنبلی مصلے بھی الگ الگ قائم ہوئے اور اسی کے قریبی زمانہ میں یمن کے شیعہ خاندان زیدیہ نے بھی اپنا الگ مصلّی قائم کیا۔ ایک مصلّٰی کسی سلطان یا اس کے وزیر کے نام سے قائم تھا۔ اس طرح خانہ کعبہ میں سات مصلے قائم ہو گئے جن میں پانچ سنیوں کے اور دو شیعوں کے تھے۔ پانچ سو سال تک خانہ کعبہ میں کوئی خاص مصلّٰی نہ تھا۔ پانچ سو سال کے بعد مسلمانوں نے اس بدعت کو گوارا کر لیا۔ اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نواب محسن الملک سید مہدی علی خان بہادر مرحوم کی کتاب ''تقلید اور عمل بالحدیث'' کے چند صفحات کا اقتباس انھیں کے الفاظ میں درج کر دیا جائے جو حقیقت اصلیہ کے ذہن نشین کرانے کے لیے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وھو ھذا۔

مذاہب اربعہ کے رواج اور ترکِ اجتہاد کا سبب

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم وتعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کی تھی لیکن اس وقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جھگڑے اور فساد کے اور جاہل ہو جانے خلفائے وقت کے اور شائع ہونے جھوٹ اور افترا کے اور واقع ہونے اختلاف کے اللہ نے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول وقواعد کے منضبط کرنے اور ارکان اور آداب عبادات کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے پر راغب کیا اور اس وقت کے نیک اور پاک لوگوں کو حدیث اور فقہ کی تدوین کا شوق دیا چنانچہ دوسری صدی کے اوسط سے جس شہر میں جو نامی فقیہ اور عالم تھا، ان میں بعض بعض نے حدیث کی تالیف پر اور فقہ کی تدوین پر کمر باندھی اور مسائل کا جمع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے اور مدینہ میں امام مالک رحمہ اللہ اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذہب نے اور کوفہ میں ثوری رحمہ اللہ نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے

اوّل اوّل حدیث میں تالیف کی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے فقہ کی تدوین شروع کی۔

سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی، اس لیے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اللہ نے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فرعات کی ایک خاص قسم کی استعداد دی تھی اور وہ زہد و ورع میں بھی کامل تھے۔ پس انھوں نے اپنے شہر کے امام وفقیہہ ابراہیم نخعی کی احادیث اور اقوال اور روایات پر اپنے مذہب کی بنا قایم کی اور انھیں کے اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا۔ چنانچہ یہ امر بخوبی اس شخص پر ظاہر ہے جس نے امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار اور جامع عبد الرزاق اور مصنف ابی بکر ابن شیبہ کو دیکھا ہے اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابوحنیفہؒ کے مذہب سے ملایا ہے۔ غرض جب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے ان کی طرف رغبت کی اور ان کے اصول وفروع کو پسند کر کے اسے سیکھا اور فقہائے کوفہ نے ان کے اجتہاد کو قبول اور ان کے استخراجی مسائل پر عمل کیا اور جب قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ دو شاگرد ان کے ہو گئے تب پہلے شاگرد کی امارت اور قضا کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم اور تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے عراق اور خراسان اور ماوراء النہر میں پھیل گیا۔

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی کہ امام مالک رحمہ اللہ حدیث اور فقہ اور زہد و پرہیز گاری میں بڑے مشہور تھے اور ان کو احایث نبوی بہت سی یاد تھیں اور وہ ان کے ضعف اور قوت سے بھی بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ انھوں نے نہایت عمدہ اور صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام ''موطا'' ہے اس کی قبولیت اعلیٰ درجہ پر پہنچی اور ہزاروں آدمیوں نے اس وقت کے اس کی سند امام مالک رحمہ اللہ سے حاصل کی، پس امام مالک رحمہ اللہ کی اس کتاب کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ پس جہاں جہاں ان کے اصحاب اور شاگرد پہنچے اور ان کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا ان کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا پھر تو ان کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے

مذہب کے اصول اور دلائل کو ترتیب دیا اور ان کی کتاب کے خلاصے کیے اور ان کے کلام اور فتوؤں کی شرح کی یہاں تک کہ آخر ان کا بھی ایک جدا مذہب قرار پایا اور نواح مغرب کی طرف جہاں ان کے تلامذہ زیادہ ہوئے مالکی مذہب پھیل گیا۔

ان دونوں مذہبوں کی بنیاد پڑ چکی تھی کہ امام شافعی رحمہ اللہ پیدا ہوئے انھوں نے دونوں مذہبوں کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور ان کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے ان باتوں کو جو ان مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طرز سے اصول اور قواعد کو ترتیب دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے سب سے اوّل ایک کتاب اصول کی کتاب کی اور اس میں احادیث مختلف کے جمع کرنے کے قاعدے مرتب کیے اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرنے کا بغیر پائے جانے اس کی شرائط کے التزام ترک کیا۔ چنانچہ جو کچھ انھوں نے حنفی اور مالکی مذہب سے اختلاف کیا اکثر ان باتوں میں تھا۔

۱۔ احادیث مرسل اور منقطع پر استناد نہ کرنا:

امام شافعی رحمہ اللہ نے حنفی اور مالکی مذہب والوں کو بعض احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرتے ہوئے دیکھ کر یہ اصول قائم کیا کہ ایسی احادیث پر جب تک اس کی شرائط پائی نہ جائیں سند نہ کی جائے اس لیے کہ طرق حدیث کے جمع کرنے سے بخوبی ظاہر ہوا کہ بعض احادیث مرسل محض بے اصل ہیں اور بعض مسند کے مخالف ہیں۔

۲۔ احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے اصول قائم کرنا:

امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے احادیث کی وہ کثرت نہ تھی جو ان کے زمانہ میں ہوئی، اس لیے کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے ہی شہر کے عالموں اور اماموں سے احادیث کو اخذ کرتے اور انھیں کو روایت کرتے مگر جب علم کی تدوین شروع ہوئی اور لوگوں نے ایک شہر سے دوسرے شہر میں جا کر احادیث کو سیکھا اور متفرق لوگوں کو جو حدیثیں یاد تھیں ان کو سنا تو احادیث کی کثرت ہوگئی اور پھر ان میں اختلاف بھی معلوم ہوا تو ضروری ہوا کہ اس اختلاف کے رفع اور احادیث مختلفہ کے جمع کرنے کے قاعدے مقرر کیے جائیں،

چنانچہ اسی واسطے امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک اصول کی کتاب تالیف کی۔

۳۔ احادیث صحیحہ کے ترک کرنے سے پرہیز کرنا:

پچھلے لوگوں نے جن جن بزرگوں سے فقہ کو حاصل کیا اور جن کے اقوال پر اپنے مذہب کی بنا قائم کی ان کو اس وقت تک بعض احادیث صحیحہ نہیں پہنچیں اور ان کو بسبب نہ معلوم ہونے ان احادیث کے جن سے مسائل بہ تصریح نکلتے تھے قیاس سے کام لینا پڑا، پس جب کہ امام شافعی نے دیکھا کہ بعض احادیث صحیحہ پر عمل کرنا پچھلے مذہبوں میں بہ مجبوری رہ گیا ہے تو امام شافعی رحمہ اللہ نے اس امر کو صاف بیان کیا کہ وقت مل جانے حدیث صحیح کے قیاس کو چھوڑ دینا اور حدیث صحیح پر عمل کرنا ضروری ہے اور انھوں نے ثابت کیا کہ یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا تھا کہ وہ ہمیشہ احادیث کی جستجو کرتے، جب کوئی حدیث نہ ملتی تب استدلال اور قیاس سے کام لیتے اور اگر اس کے بعد ان کو حدیث پہنچ جاتی تو اسی وقت قیاس کو چھوڑ دیتے اور عمل بالحدیث کرنے لگتے۔ اس بات سے کہ امام ابوحنیفہ یا امام مالک وغیرہ کو سب احادیث پر اطلاع نہیں ہوئی درحقیقت ان کی پاکی اور بزرگی اور علم پر کچھ الزام نہیں آتا اس لیے کہ اس وقت تک وہ مادہ احادیث کا نہ تھا جو پیچھے کر کے امام شافعی کو ملا اور اس کا عذر علمائے محققین حنفیہ نے خود کیا ہے چنانچہ امام شعراوی لکھتے ہیں کہ:

"اِنَّ عُذْرَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ فِیْ کَثْرَةِ الْقِیَاسِ عَدَمُ بُلُوْغِ الْاَحَادِیْث الصحیحة اِلَیْهِ فِیْ زَمَنِهٖ"

یعنی "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عذر کثرتِ قیاس میں یہ ہے کہ سب احادیث صحیحہ ان کو ان کے وقت میں نہ پہنچیں تھیں۔"

اور علامہ احمد بن عبدالسلام اپنی کتاب "رفع الملام عن ائمة الاعلام" میں لکھتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جو کہ خود خلفائے اربعہ رحمہ اللہ کو نہیں پہنچیں اور علاوہ ان کے اور اصحاب ان سے واقف ہوئے پس اگر بعد ان کے کسی امام کو احادیث صحیحہ پر اطلاع نہیں ہوئی تو کچھ جائے تعجب نہیں اور اس مضمون کو لکھ کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"فَمَنِ اعْتَقَدَ اَنَّ کُلَّ حَدِیْثٍ صَحِیْحٍ قَدْ بَلَغَ کُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ اَوْ

اِمَامًا مُعَيَّنًا فَهُوَ مُخْطِئٌ خَطَاءً فُحْشًا قَبِيْحًا "

"یعنی جس نے یہ اعتقاد کیا کہ ساری صحیح حدیثیں ہر ایک امام کو پہنچ گئیں یا کوئی خاص امام ان سب سے مطلع ہوا تو ایسا اعتقاد کرنے والا کھلی ہوئی نہایت قبیح خطاء پر ہے۔"

اور یہ بھی وہ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ کیونکر سب احادیث نبوی پر اطلاع نہیں ہوسکتی تھی جب کہ احادیث کی تدوین ہو چکی تھی تو یہ بھی بڑی غلطی ہے:

" لِاَنَّ هٰذَا اللّٰه الدَّوَاوِيْنَ الْمَشْهُوْرَةَ فِي السِّنِيْنَ اِنَّمَا جَمَعَتْ بَعْدَ انْقِرَاضِ الْاَئِمَّةِ الْمَتْبُوْعِيْنَ "

"اس لیے کہ یہ مشہور کتابیں ان اماموں کے گزرنے کے بعد مدون ہوئی ہیں جن کی لوگ تقلید کرتے ہیں اور یہ کہہ دینا مقلدین کا کہ ہر مسئلہ میں ہمارے امام کے پاس ایک حدیث تھی اور ایک خاص دلیل

" وَ اَنْ لَمْ نَعْرِفْهُ وَ نَعْتَقِدْه "

"یعنی گو ہم اس کو نہیں جانتے۔"

حقیقت میں ایسا جواب ہے جس کو سفسطہ محض اور جہالت قبیح کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے اور مقدمہ منہج کے باب " تَبَرِّیُ الْاَئِمَّةِ مِنْ اَقْوَالِهِمْ اِذَا خَالَفَ الشَّرِيْعَةَ " میں امام شعراوی نے صاف لکھ دیا ہے کہ:

" لَوْ عَاشَ اَبُو حَنِيْفَةَ اِلٰى تَصْحِيْحِ الْاَحَادِيْثِ لَتَرَكَ الْقِيَاسَ "

"یعنی اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اتنی زندگی پاتے کہ تصحیح حدیث کر سکتے تو ضرور وہ قیاس کو چھوڑ دیتے"

غرض کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے قیاس کو ان مسائل میں جن میں بسبب نہ پانے حدیث کے اگلے اماموں نے اجتہاد کیا تھا چھوڑ دیا اور صرف حدیث پر عمل کیا۔

۴۔ اقوال صحابہ پر بوجہ مخالفت حدیث کے استدلال نہ کرنا:

امام شافعی رحمہ اللہ کے وقت میں صحابہ کے اقوال بھی لوگوں نے جمع کر لیے تھے۔ اور وہ باہم مختلف تھے اور بعض بعض احادیث صحیح کے مخالف تھے اس لیے امام شافعی نے ان کے اقوال پر بعد پانے حدیث صحیح کے استدلال کرنے کو ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ (هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ) ''کہ وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں'' ان سے غلطی ہو سکتی تھی پس بعد پانے حدیث کے ان کے اجتہاد پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کا ترک کرنا اور حدیث پر عمل کرنا ضروری اور لازم ہے۔

"کما قال شارح سفر السعادة ابو حنیفه تقلید صحابی را در انچه صحابی با ختیار خود گوید واجب و اندو شافعی گوید" هم رجال و نحن رجال" ماو ایشاں در اجتهاد برابریم و همه مجتهد نیم مجتهد را تقلید مجتهد دیگر نرسد۔" ❶

۵۔ رائے اور قیاس میں تمیز کرنا:

امام شافعی کے وقت میں اکثر لوگ ایسے تھے جو اجتہاد میں رائے کو دخل دیتے اور اسی کو وہ قیاس سمجھتے جو شرعاً جائز ہے حالاں کہ قیاس جو شرعاً جائز ہے اور جو صحابہ اور تابعین میں جاری تھا وہ صرف یہ ہے کہ کسی حکم منصوص سے اس کی علت نکالنا اور جس میں وہ علت پائی جائے اسی پر اس حکم کو قائم کرنا مثلاً اللہ کی کتاب میں شراب کی حرمت مذکور ہے نہ کسی اور مسکرات کی تو حرمت شراب کی حکم منصوص ہے اور سکر اس حرمت کی علت ہے پس جس چیز میں وہ علت پائی جائے یعنی سکر اُس پر حرمت کا حکم قائم کرنا حقیقت میں قیاس ہے اور

❶ جس طرح سفر السعادۃ کے شارح نے کہا ہے کہ ابو حنیفہ نے بھی صحابی سے حاصل کیا کہ صحابی اپنی مرضی سے کہتا ہے کہ یہ واجب ہے اور شافعی کہتا ہے کہ ''وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں'' ہم اور وہ دونوں اجتہاد کرنے میں برابر ہیں۔ وہ بھی سب کے سب مجتہد نہیں تھے اور ہم بھی مجتہد نہیں ہیں مجتہد کی تقلید دوسرے مجتہد تک نہیں پہنچتی۔ یعنی حدیث تو ایک سے دوسرے تک بیان ہوتے ہوئے پہنچتی ہے جو درست ہے لیکن تقلید ایسے دوسرے تک نہیں پہنچتی۔''

رائے یہ ہے کہ کسی تراشی ہوئی بات کو اصول میں قائم کرنا اوراسی کو علت حرمت و حلت کی بنانا مثلاً مظنہ حرج یا مصلحت عام کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا پس ایسے قیاس کو جو کہ درحقیقت رائے ہے امام شافعی نے ترک کیا اور صاف کہہ دیا کہ

" مَنِ اسْتَحْسَنَ فَإِنَّهُ أَرَادَ أَنْ يَكُونَ شَارِعًا "

''کہ جو قیاس استحسان کو شریعت میں دخل دیتا ہے وہ دراصل اپنے آپ کو صاحب شریعت بنایا چاہتا ہے۔''

غرض کہ یہ چند کھلی ہوئی اور صاف باتیں ہیں جن سے امام شافعی نے اپنے پچھلے ائمہ سے اختلاف کیا اور بیچ کے ذریعے اور واسطے چھوڑ کر اصل ماخذ سے فقہ کو لیا اور کتاب و سنت ہی پر مدار اپنے مذہب کا رکھا اور کسی خاص شہر کے عالم یا کسی معین قوم کے فقیہہ کے اقوال و اصول پر اپنے اجتہاد کی بنا قائم نہ کی اور حقیقت میں یہ طریقہ ان کا نہایت ہی اچھا تھا۔ لوگوں کو حد سے زیادہ پسند ہوا اور بڑے بڑے فقہاء اور محدثین نے ان کے مذہب کی خوبی پر اقرار کیا اور اس کو اختیار فرمایا اور اس طور سے بعد چندے مذہب شافعی رائج ہوا۔

جو کیفیت حنفی اور مالکی اور شافعی مذہب کی بنیاد کی ہوئی قریب قریب اسی کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مذہب کی بنیاد پڑنے کی ہے۔

اس مسلسل مختصر بیان سے سمجھنے والے کو نہ صرف یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ بنیاد ان چاروں مذاہب کی کب اور کیونکر پڑی بلکہ یہ بھی ثابت ہوسکتا ہے کہ کسی نے منجملہ ان چاروں امام کے اپنے مذہب کو لوگوں کی تقلید کے لیے نہیں بنایا اور اپنے آپ کو صاحب مذہب کہلانے کے لیے اجتہاد و استنباط نہیں کیا بلکہ انھوں نے صرف اپنی ذات کے لیے اجتہاد کیا اور اپنے دین کے شوق میں فقہ کو تدوین کیا، کسی نے ان میں سے یہ نیت نہیں کی کہ ہم مقتدا بنیں اور ہم کوئی خاص مذہب کھڑا کریں اور لوگوں کو اس پر راغب کر کے کچھ شہرت یا عزت حاصل کریں۔ ان بزرگوں کی نیت ایسی کدورتوں سے بالکل پاک اور ان کے دل ایسے خطرات سے بالکل صاف تھے۔ آخر لوگوں نے تحقیق و تنقیح کو چھوڑ دیا اور جس امر کا دعویٰ ان اماموں نے خود نہیں کیا اسے ان کی طرف منسوب کیا اور ان کو مثل صاحب

الشریعت کے صاحب مذہب بنا دیا اور ان کو معصوم اور محفوظ عن الخطاء سمجھ کر ان کی باتوں کے سامنے اصل صاحب الوحی ﷺ کے قولوں پر تمسک کرنا چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ آخر اپنے آپ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کرنا بھی زمانہ سے اٹھ گیا اور حنفی اور شافعی کہنے پر مذہب کا مدار آ گیا اور پھر جیسا زمانہ گزرتا گیا اور دین میں تبدل ہوتا گیا اتنی ہی یہ خرابی بڑھتی اور دین و مذہب کی حقیقت چھپتی گئی۔ یہاں تک کہ اب جس زمانہ میں ہم کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور جس میں شاد و ناشاد زندگی کے دن کاٹتے ہیں کسی امام کے مذہب کو ترک کرنا یا اس کے قول کو نہ ماننا اسلام سے پھرنا اور نبی ﷺ کے کلام کا انکار کرنا سمجھا جاتا ہے اور تحقیق کا نام لینے والا کتاب وسنت پر عمل کرنے والا بدعتی اور فاسق اور اسلام کا دشمن تصور کیا جاتا ہے۔

تواریخ اور کتابوں کے دیکھنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ اگرچہ تقلید کی بنیاد دوسری صدی کے اوسط سے شروع ہوئی لیکن تیسری صدی تک پوری پوری جاری نہ ہوئی اور چوتھی صدی سے پہلے کسی ایک معین مذہب پر کامل تقلید لوگوں نے اختیار نہ کی۔ چنانچہ ابو طالب مکی نے قوۃ القلوب میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی سے پہلے مذاہب اربعہ کی تقلید کا کامل طرح سے رواج نہ تھا اور حنفی شافعی کہلائے جانے کا زور شور نہ تھا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر لوگ مسائل شرعی کس طرح تحصیل کرتے تھے اور فقہ کو کس طرح سیکھتے اور اس پر کیونکر عمل کرتے تھے؟ اس لیے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس وقت تک جو لوگ تھے وہ دو حال سے خالی نہ تھے یا ذی علم تھے یا جاہل، پس جو لوگ جاہل تھے وہ اپنے گھر میں روزہ نماز وغیرہ عبادت کے مسئلے سیکھتے اور اس پر عمل کرتے، اگر ضرورت کسی مسئلہ کے پوچھنے کی یا فتوے کے لینے کی ہوتی تو جس عالم کو وہ افضل اور بہتر جانتے اس سے پوچھ لیتے اور اس کی بات پر عمل کرتے بلا لحاظ اس کے کہ وہ عالم حنفی ہوتا یا شافعی یا مجتہد۔ اور لوگ خود ذی علم تھے، ان کی دو صورتیں تھیں، بعض اہل حدیث تھے بعض صاحب اجتہاد، جو اہل حدیث تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کتاب الٰہی اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ کرام پر عمل کرتے اور اگر کسی مسئلہ میں ضرورت ہوتی تو کسی فقیہہ کے کلام پر رجوع کرتے خواہ وہ فقیہہ مدنی ہوتا یا مکی، کوفی ہوتا یا بصری، اور جو صاحب اجتہاد

تھے وہ اجتہاد وتخریج کرتے اور اصول اور قواعد کلیہ کو پیش نظر رکھ کر اسی سے فروعات کا استنباط کرتے۔ پس اگر وہ اصول پہلے سے کسی خاص امام یا اس کے فرقے کے ساتھ مخصوص ہوتے تو لوگ اس مجتہد کو بھی اسی امام کی طرف منسوب کرتے اور اس مجتہد کو بھی ان اصول کا پابند پاکر شافعی یا حنفی سمجھتے۔

یہ صورت تیسری صدی کے آخر تک قائم رہی، اس وقت تک نہ عمل بالحدیث پر کوئی طعنہ کرتا نہ اجتہاد پر الزام دیتا۔ مگر جب جہالت کا زور ہوا اور اختلاف امت میں پڑ گیا اور طبیعتوں سے تحقیق کا مزا جاتا رہا اور صاحبِ شریعت تک واسطے در واسطے ہو گئے تب چوتھی صدی میں لوگوں نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اور دائیں بائیں چلنا شروع کیا اور سلاطین کے سامنے مناظرے اور مجادلے میں اپنے ہمسروں پر غالب ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ علم کو دنیا کی تحصیل کا ذریعہ گردانا اپنی ناموری اور عزت اور شہرت کے لیے ان مسائل کو جن میں نہایت نیک نیتی کے سبب سے باہم ائمہ اربعہ کے اختلاف ہوا تھا ذریعہ بحث کا بنایا اور اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو نہ صرف اس وجہ سے کہ حقیقت میں وہ ان ہی کو صحیح اور دوسرے کو غلط جانتے تھے، مثل کتاب وسنت کے مستند گردانا بلکہ اس لحاظ سے کہ وہ خود اس مذہب سے منسوب تھے اور اس امام کے مقلد کہلائے جاتے تھے ان اقوال کے اثبات کو اپنی غزرات علم کے اظہار کا سبب تصور کیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ ایسے بڑے مولوی اور فقیہہ ہیں کہ جن باتوں پر یہ عمل کرتے ہیں اور جن قولوں کو یہ واجب العمل جانتے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں اور ان کے پاس بہت سی دلیلیں ان کے اثبات پر موجود ہیں۔ انتھی کلامہ۔

اسی سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مفتی محمد عبدہٗ مصری رحمہ اللہ کی مصنفہ کتاب ''الاسلام والنصرانیت'' کے ایک حصہ کا ترجمہ درج کر دیا جائے جو مذکورہ مطالب کو قریبِ الفہم بنانے اور ذہن نشین کرانے میں معین و مددگار ثابت ہوگا، وھو ھذا:

مفتی محمد عبدہ مصری:

فرماتے ہیں: ''ایک عباسی خلیفہ نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کی بھلائی کے لیے اپنے دین وملت کی برائی گوارا کی اس نے اجنبی (عجمی) لشکر کی تعداد بڑھائی اور انھیں

میں سے (عجمیوں میں سے) سپہ سالار مقرر کیے۔ پس کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ یہی عجمی سپہ سالار خلفاء پر غالب و متسلط ہو گئے اور حکومت و سلطنت خلفاء کے ہاتھ سے نکل کر ان کے قبضہ میں آ گئی۔ ان لوگوں کی عقل ایسی نہ تھی جو اسلام سے اصلاح پذیر ہوئی ہو اور نہ دل ایسا تھا جس کو اسلام نے مہذب بنایا ہو۔ بلکہ یہ لوگ جہالت و ظلم میں آلودہ ہو کر اسلام کی طرف آئے اور انھوں نے اسلام کو اپنے جسموں پر تو اوڑھ لیا لیکن ان کے دلوں پر اسلام کا کوئی اثر نہ پہنچا اور ان میں اکثر ایسے تھے کہ وہ اپنے معبودوں یعنی بتوں کو لیے ہوئے تھے اور تنہائی میں ان کی پوجا کرتے تھے لیکن اپنے اقتدار کی پائیداری کے لیے جماعت کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے یعنی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ پھر تاتار وغیرہ نے اسلام پر حملہ کیا اور ان میں سے بعض کامیاب بھی ہوئے مگر ان حملوں سے زیادہ سخت وہ حملہ تھا جو لوگوں کو ان کا مرتبہ بتانے اور ان کی بری عادتوں کو ظاہر کرنے والے علم پر کیا گیا۔ انھوں نے علم اور اسکے رفیق اسلام دونوں پر حملہ کیا اور اپنے اعوان کو علماء کے گروہ میں شامل ہونے کی ترغیب دی کہ عالموں کا لباس پہن کر علما میں شمار ہونے لگیں پھر دین کے متعلق ایسی باتیں پھیلائیں کہ عام لوگوں کو علم سے عداوت و نفرت پیدا ہو اور وہ علم کی طلب سے دور بھاگنے لگیں۔ بڑے متقی اور دین کی حمایت کے مدعی بن کر یہ لوگ عوام الناس کے سامنے آئے اور دعویٰ کیا کہ مذہب ناقص ہے، ہم اس کو کامل کرنا چاہتے ہیں یا مریض ہے ہم اس کا علاج کرتے ہیں یا گرنے والا ہے ہم اس کو ستون لگا کر گرنے سے روک رہے ہیں یا یہ کہ وہ تو جھک ہی چکا تھا ہم اس کو سیدھا کر رہے ہیں۔ انھوں نے بت پرستی کی رسموں اور نصرانی قوموں سے ایسی باتیں منتخب کرکے اسلام کے لیے مستعار لے لیں جن سے اسلام بالکل بے تعلق اور بری ہے لیکن انھوں نے عام لوگوں کو اس طرح سمجھا کر مطمئن کر دیا کہ یہ شعائر اسلام اور احکام اسلام کی تعظیم و تکریم ہے۔ چنانچہ انھوں نے ہمارے لیے یہ تمام محفلیں اور میلے ایجاد کر دیے اور انھوں نے ہمارے لیے اولیا اور علماء کی عبادت اور اسی قسم کی رسمیں مقرر کیں جس سے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پیدا ہو گیا اور لوگ گمراہی

میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے یہ بھی ضروری ٹھہرایا کہ بعد میں پیدا ہونے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ پہلے گزرے ہوئے کے قول کے سوا کچھ کہے (یعنی متاخرین کو متقدمین کی تقلید کے سوا خود کچھ کہنے یا کلام کرنے کا حق نہیں) اور اس کو عقیدہ بنا لیا گیا تا کہ غور و فکر کی طاقتیں ساکن اور عقلیں منجمد ہو جائیں۔ پھر انھوں نے اپنے مدد گاروں کو اسلامی ملکوں میں پھیلا دیا تا کہ وہ ایسی حکایتیں اور روایتیں شائع کریں جن سے لوگوں کو اطمینان ہو جائے کہ عام کاموں اور عوام سے تعلق رکھنے والے معاملات کو جانچنے اور غور کرنے کا ہم کو کوئی حق نہیں اور جو کام ملت و سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں ان پر صرف حکام ہی غور کر سکتے ہیں عام لوگوں کو ان میں رائے زنی یا دخل دہی کا کوئی حق حاصل نہیں اور جو ایسے کاموں میں دخل دے یا اعتراض کرے وہ بے ہودہ ہے۔ اور (یہ بھی عوام کو سمجھائیں کہ) یہ جو اعمال میں فساد اور حالات میں اختلال پیدا ہو رہا ہے یہ حکام کی کرتوتوں کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ان باتوں کا سچا ثابت ہونا ہے جو آخری زمانہ کی نسبت حدیثوں میں وارد ہیں اور حال و مآل کی اصلاح کسی تدبیر سے ممکن نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد کر دیا جائے اور مسلمان کا فرض تو صرف یہ ہے کہ وہ اپنی ہی ذات تک محدود رہے (یعنی نظر کو زیادہ وسیع نہ کرے) احادیث کے بعض ظاہری الفاظ سے بھی ان کو کچھ مدد مل گئی اور ضعیف حدیثوں اور وضعی حدیثوں میں سے تو ان کو بہت سا سامان ہاتھ آ گیا جس سے ان اوھام کی نشر و اشاعت کا خوب موقع ملا۔ ان گمراہ کرنے والوں کا ایک لشکر مسلمانوں میں پھیل گیا اور شریر والیوں (حاکموں) نے ہر حصہ ملک میں ان کی امداد کی۔ قدر کا عقیدہ اس لیے ایجاد کیا گیا کہ ارادے پست ہو جائیں اور ہاتھ کاموں سے رک جائیں۔ سب سے زیادہ قوی عامل (محرک) نفوس کو ان خرافات کے قبول کرنے پر آمادہ کرنے والی سادہ لوحی اور مذہبی ضعف بصیرت اور خواہشات نفسانی کی پیروی تھی۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جب جمع ہو جاتی ہیں تو مہلک ثابت ہوتی ہیں پس ''حق'' باطل کی تاریکی میں پوشیدہ ہو گیا اور لوگوں کے دلوں میں ایسے عقیدے راسخ ہو گئے جو براہ راست دین اسلام کے خلاف اور اصول دین کو صدمہ پہنچانے

والے تھے۔ مسلمانوں کی طبقات آسمانی سے اونچی پہنچنے والی امیدیں برباد ہوگئیں اور مسلمانوں کو نا امید بنا کر بے زبان چوپایوں کے ہم مرتبہ بنا دیا۔ اب جس چیز کا نام اسلام رکھا جاتا ہے اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ اسلامی اعمال نماز، روزہ اور حج کی ظاہری صورتوں کا مجموعہ ہے اور چند اقوال ہیں جن کے معانی میں تحریف و تبدیلی کر لی گئی ہے، جن کی وجہ سے وہ بدعات وخرافات موجود ہیں جنھوں نے مسلمانوں میں وہ جمود پیدا کر دیا ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے اور مسلمانوں نے اسی کو اسلام سمجھ رکھا ہے۔ انتھی کلامہ

تصوف کی خانقاہیں اور صوفیوں کے خانوادے

چوتھی صدی ہجری تک فقہی مذاہب اربعہ کے پیدا ہونے کا حال تو بیان ہو چکا اب صوفیائی گروہوں کا حال بھی سنیے:

الحادی اور سازشی فرقوں کی کثرت جنگ و پیکار کے ہنگاموں، خانہ جنگیوں اور یونانی ایرانی و ہندی کتابوں کے ترجموں سے نئے نئے اعتقادی مسائل پر مباحثوں اور مناظروں کی کثرت اور منطق و علم کلام اور فلسفہ کی اصطلاحوں کے طوفان اور کتاب و سنت کی طرف سے غفلت و بے پروائی دیکھ کر بعض علماء نے گوشہ نشینی اختیار کر لی جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے زاویوں اور حجروں میں بیٹھ کر اپنے پاس آنے جانے والوں کو کتاب و سنت کی تعلیم و تلقین شروع کی اور امیروں، بادشاہوں اور شاہی درباروں میں غفلت افزا سامانیوں کی کثرت دیکھ کر ان سے بالکل اجتناب و احتراز اختیار کیا۔ سیدنا حسن بصری، سیدنا سفیان ثوری، داؤد طائی، سیدنا شقیق بلخی، سیدنا فضیل بن عیاض، سیدنا معروف کرخی، سیدنا یحییٰ بن معاذ رازی، سیدنا بشر حافی، سیدنا حاتم اصم بلخی، سیدنا احمد خضرویہ، سیدنا ذوالنون مصری، سیدنا بایزید بسطامی رحمہم اللہ اسی قسم کے لوگوں میں سے تھے جو دوسری اور تیسری صدی میں گزرے، یہ لوگ قرآن و حدیث کے عالم کتاب و سنت پر عامل اور دنیوی فتنوں سے بے تعلق رہ کر عزلت نشینی کی زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک مجتہد بھی تھا۔ سیدنا سفیان ثوری رحمہ اللہ کا

مرتبہ تو اجتہاد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے مساوی سمجھا جاتا اور ان کو ایک فقہی مذہب کا امام بھی مانا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ تھے جو فرقہ بندی سے سخت متنفر اور اپنی گوشہ نشینی وعزلت گزینی میں عافیت کے خواہاں تھے۔ ضرورت کے وقت ان لوگوں کو شمشیر بکف ہونے اور مجاہدین کے لشکر میں شامل ہونے سے بھی عار نہ تھا۔ غالباً سب سے پہلے شخص یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) تھے جو صوفی کے نام سے مشہور ہوئے۔ شقیق بلخی رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۴ھ) کے بعد حاتم اصم بلخی رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۷ھ) ان کے قائم مقام سمجھے گئے ان کے بعد احمد خضرویہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۰ھ) ان کے قائم مقام سمجھے گئے۔ اسی طرح اور بھی بعض بعض علماء کی جانشینی کا سلسلہ جاری ہوا اور چوتھی صدی ہجری میں ان سلسلوں اور خانقاہوں کو خوب رواج حاصل ہوا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر ایک صوفی اپنی وفات سے پہلے اپنا خلیفہ اور نائب اسی طرح تجویز کرنے لگا جیسے خلفائے بنوامیہ اور خلفائے عباسیہ اپنا ولی عہد تجویز کیا کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جا بجا صوبے خود مختار ہونے لگے تھے، مسلمانوں میں خانہ جنگی کا ہر طرف بازار گرم تھا۔ ان صوفیوں نے اپنی اپنی جماعتوں یعنی اپنے اپنے خاندانوں کو فتنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مجاہدات شاقہ کو بے تعلقی اور ترک علایق کا ذریعہ بنایا۔ عبادات میں مجاہدات کو ترقی دینے سے یہ مقصود بخوبی حاصل ہوا اور تمام وہ لوگ جو دنیا داروں کے ہنگاموں سے تنگ آ گئے تھے اس طرف متوجہ ہونے لگے۔ جب تصوف کی خانقاہوں میں ان تارک الدنیا لوگوں کی کثرت سے رونق اور ایک نئی دنیا پیدا ہونے لگی تو وہ دعاۃ ونقبا جو سیاسی سازشوں کو کامیاب بنانے کی کوشش میں مصروف رہا کرتے اور اپنے لیے مامون اسی قسم کے مجمعے تلاش کرتے تھے ان میں آ آ کر شامل ہونے لگے۔ ع

بہر زمین کہ رسیدیم آسماں پیدا ست

ان لوگوں کی آمیزش نے ان خانقاہوں کی حالت کو بہت جلد تبدیل کر دیا۔ وضعی حدیثیں، جھوٹی روایتیں، معتزلہ اور اشاعرہ کے مختلف فیہ مسائل وحدت شہود ذات باری تعالیٰ کے متعلق مجوسیوں اور ہندوؤں کے نظریے اور الحادی فرقوں کے (جو پہلی ہی صدی میں منافقوں کی کوشش سے پیدا ہوئے تھے) تمام الحادی عقاید اسلامی جامہ پہن پہن کر ان

خانقاہوں میں داخل ہونے لگے۔ بعض اللہ تعالیٰ کے نیک اور مخلص بندے ایسے بھی تھے کہ انھوں نے شریروں کی دال نہیں گلنے دی اور نہ اپنی صحبتوں کو ماؤف ہونے دیا بلکہ انھوں نے دوسرے شہروں اور علاقوں میں کتاب وسنت کی اشاعت کے لیے اپنے دوستوں اور تربیت کردہ لوگوں کو بھیجا اور اسلام کی بہترین خدمات انجام دیں لیکن زبردست اور پکے مؤمنوں کے بعض ایسے کمزور جانشین بھی تھے جو بجائے اس کے کہ سدّ سکندری ثابت ہوتے خود اس سیلاب میں بہہ گئے اور کہیں کہیں تو اباحتی زندگی کی لے حد سے زیادہ بڑھ گئی۔

چوتھی اور پانچویں صدی میں جب کہ دیلمیوں اور سلجوقیوں کے برسر اقتدار آنے پر علویوں کے خروج کا سلسلہ مدہم پڑ چکا تھا اور ان کے لیے ہر جگہ میدان تنگ ہو کر دوسری بہت سی قومیں اپنے اپنے حلقوں میں اپنی اپنی الگ الگ حکومتیں کر چکی تھیں، یہ خانقاہیں خوب آباد نظر آنے لگیں اور ان کی تعداد نے بھی ہر ملک میں بخوبی ترقی کی۔ اس طرح یہ تصوف کا سلسلہ بھی جو کتاب وسنت کی پابندی سے شروع ہوا تھا پانچویں صدی مین عجیب صورت اختیار کر گیا اور پھر آئندہ صدیوں میں فقہی مذاہب اربعہ کی طرح تصوف کے بھی متعدد خانوادے قائم ہو گئے اور شرک و بدعت کو اپنے لیے راہیں نکالتے رہنے کا موقع ملتا رہا۔ لیکن یہ خیریت رہی کہ تصوف کے ان سلسلوں میں تقلید کو اس طرح دخل نہیں مل سکا جس طرح کہ مذاہب اربعہ میں اس نے آہنی قلعے تیار کر لیے ہیں یعنی ایک ہی شخص ایک وقت میں قادری، نقشبندی، چشتی وغیرہ سب کچھ ہو سکتا ہے بخلاف اس کے کہ کوئی شخص بیک وقت حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بننا چاہے تو ممکن نہیں۔ تاہم سب سے بڑھ کر مصیبت اور سب سے زیادہ اذیت رساں تقلید سلاسل تصوف میں یہ موجود ہے کہ اگر کسی صوفی کو مشرکانہ عقاید و اعمال اور مخالف کتاب وسنت افعال سے روکا جاتا ہے تو وہ اپنے باپ دادا کا نام لے کر اپنی نالائقیوں سے دست کش ہونا اور فہم سلیم کو کام میں لانا نہیں چاہتا۔

باب چہارم

ہندوستان میں اسلام

۵۰۰ھ کے بعد سے اب تک جو جو مدو جزر اسلام اور اسلامیوں پر آئے ان کی داستان بہت طویل اور زیادہ تر معلومِ عوام ہے لہٰذا اس باب میں اور بھی زیادہ اختصار سے کام لیا جائے گا۔

ہندوستان میں افغانستان کے ذریعہ، جو خود بھی خام تھا، اشاعتِ اسلام

اگرچہ پہلی صدی ہجری میں سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا اور کئی سو سال تک یہ صوبہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہ چکا تھا لیکن چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری کے شروع میں جب سلطان محمود غزنوی نے پنجاب اور ملتان کو اپنی حکومت میں شامل کیا تو سندھ سے مسلمانوں کی حکومت مٹ چکی تھی اور مذکورہ سازشی سرگرمیوں کی یادگار صرف اس قدر باقی تھی کہ ملتان قرامطہ کی تحریک کا ایک مشرقی مرکز تھا اور سندھ و گجرات کے بہت سے ہندو قرامطہ کی اس تحریک میں شامل اور اس سے دلچسپی رکھتے تھے۔ سلطان محمود نے پنجاب و ملتان پر قابض ہو کر قرامطہ کے اثر کو ہندوستان سے بالکل مٹا دیا اور پھر اسلام پنجاب کی طرف سے داخل ہو کر آسام و بنگال اور راس کماری تک سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ دکن یعنی ملابار و کنارا دکارو منڈل وغیرہ میں بھی اسلام شروع ہی میں پہنچ چکا تھا لیکن اس کا دائرہ اس نواح میں اس وقت تک بہت محدود اور غیر اہم رہا۔ جب تک کہ شمال کی جانب سے اسلامی سیلاب وہاں تک نہ پہنچ گیا۔ بنا بریں ہم کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ اسلام مستقل طور پر ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کے ذریعے پانچویں صدی ہجری میں داخل ہوا اور افغانستان کے باشندوں نے جو خود بھی سیستان و طبرستان و اصفہان کے باشندوں کی طرح سازشی نقیبوں اور داعیوں کے معمول، جنگ و پیکار کے ہنگاموں میں

عرصہ سے مصروف اور اسلام کی حقیقی تعلیمات اور علم دین سے زیادہ تر بے بہرہ تھے۔ ہندوستان میں اسلام کو شائع کیا۔ دو سو سال تک اسلام پنجاب سے آگے نہیں بڑھا اور اس دو سو سال کے عرصہ میں خاندان غزنوی جو پنجاب پر قابض اور محمود غزنوی کی وفات کے بعد ہی سے مسلسل خانہ جنگی میں مبتلا تھا، پنجاب میں اشاعت اسلام کا کوئی اہتمام نہیں کر سکا۔ اور جیسا کہ دوسرے ممالک اسلامیہ کے مذکورہ حالات سے اندازہ ہو سکتا ہے پنجاب میں تعلیمات اسلامیہ کے شائع کرنے کا دوسرے مسلمانوں کو بھی موقع نہیں ملا۔ اسی زمانہ یعنی پانچویں صدی کے شروع میں فقہ حنفی کی سب سے پہلی کتاب قدوری احمد بن محمد بن احمد بغدادی نے لکھی لیکن ہندوستان اور پنجاب ابھی تک فقہی اختلافات سے بے خبر تھا۔ اسی زمانہ میں سلطان مسعود ابن سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں مخدوم علی ہجویری رحمہ اللہ ایک داعیٔ اسلام کی حیثیت سے وارد پنجاب ہوئے اور بعض ہندو خاندان مشرف بہ اسلام ہوئے مگر یہ کام محدود اور ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا کما حقہٗ کفیل نہ تھا۔ بخارا کا حکمران سامانی خاندان شیعیت کا مخالف اور سنی خاندان تھا۔ سلطان محمود غزنوی اور اس کا خاندان بھی اگرچہ سنی تھا لیکن افغانستان کے قبائل میں قرامطہ اور باطنیہ خیالات کی چونکہ خصوصی اہتمام سے اشاعت ہو چکی تھی لہٰذا محمود غزنوی کے جانشینوں کا جو اپنی ہی مصیبتوں اور خانہ جنگیوں میں مصروف رہے افغانستان والون کے عقاید و اعمال پر کچھ زیادہ اثر نہ پڑ سکا۔

بغداد میں اگرچہ مدرسہ نظامیہ سلجوقیوں کے عہد حکومت میں جاری ہو چکا تھا۔ لیکن دمشق میں ۴۶۸ھ تک مسجدوں میں شیعوں کی اذانیں ہوتی رہیں اور تراویح پڑھنے کی لوگوں کو جرأت نہ تھی ۴۶۹ھ میں بغداد کے اندر حنابلہ اور اشاعرہ میں کسی مسئلہ کے متعلق جھگڑا ہوا اور سینکڑوں آدمی مارے گئے، بحالات مذکورہ افغانستان میں کتاب و سنت کی اشاعت کا خصوصی اہتمام کہاں ممکن تھا۔ افغانستان کا غوری خاندان جس نے غزنویوں کو برباد کیا بہت سے ملحدانہ عقاید میں مبتلا اور قرامطہ بحرین اور عبیدیان مصر کے نشریہ سے بخوبی متاثر تھا جس کا تاریخوں میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے مگر چوں کہ اس عرصہ میں ماوراء النہر سے

لے کر عراق و شام تک سلجوقی چھا گئے تھے وہ چوں کہ بخارا (ماوراء النہر) سے اٹھے تھے لہٰذا سنی تھے اور شیعی خیالات سے دور و نفور تھے۔ ان سلجوقیوں کا اثر افغانستان کے قبائل پر بھی بتدریج پڑتا رہا۔ سنجر سلجوقی نے غوری سرداروں کو گرفتار و باجگزار بنا کر افغانستان پر نہایت قوی اثر ڈالا اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ سلطان شہاب الدین غوری اور اس کا بڑا بھائی دونوں کتاب وسنت کے متبع اور پابند تھے۔

دوسرے ملکوں کی حالت

پانچویں صدی کے آخر میں مسلمانوں کے تشتت و افتراق سے فائدہ اٹھا کر عیسائیوں نے صلیبی حملے شروع کیے اور مصر کی عبیدی حکومت نے انتہائی نالایقی اور اسلام دشمنی کو کام میں لاکر عیسائیوں کو شام وفلسطین پر حملہ آوری کی ترغیب دی۔ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا ادھر فقہ شافعی کا مراقش و اندلس وافریقہ میں فقہ مالکی سے اور بغداد وخراسان و بخارا میں فقہ حنفی سے زور شور کے ساتھ معرکہ جاری ہوا۔ اسی زمانہ یعنی ۵۰۰ھ میں یوسف بن تاشقین سلطان مراقش نے قاضی عیاض کی ترغیب سے امام غزالی رحمہ اللہ کی تصانیف کو سوختنی قرار دے کر آگ میں جلایا جس کا نتیجہ معتقدین امام غزالی رحمہ اللہ کے ہاتھوں سلطنت مرابطین کی تباہی کی صورت میں برآمد ہوا۔ ادھر امام بزودی اور قاضی ماوردی کے شاگرد امام قشیری وغیرہ حنفی اور شافعی مذہبوں کی حمایت و وکالت میں مصروف کار تھے۔ چھٹی صدی کے آخر میں قادری، سہروردی اور چشتی وغیرہ تصوف کے مشہور خاندان بھی خراسان وعراق میں قائم ہو چکے تھے۔ اس کے بعد ساتویں صدی ہجری کے شروع ہونے پر ہندوستان میں اسلامی دربار حکومت اور سلطنتِ اسلامیہ کا باقاعدہ سلسلہ جاری ہوا۔

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی ابتدا اور مبلغین اسلام کی کمی

۶۰۲ھ میں ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک لاہور میں تخت نشین ہوا اور اس کے بعد بہت جلد دہلی سلطنت اسلامیہ کا دار السلطنت قرار پایا۔ سلطان شہاب

الدین غوری کے ہمراہ سیدنا امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کے ہندوستان آنے اور واپس چلے جانے کا تاریخوں میں ذکر آتا ہے۔ لیکن قطب الدین ایبک کے ہمراہیوں میں جنگی آدمیوں، فوجی سپہ سالاروں اور لشکری لوگوں کے سوا صرف ایک دو معمولی عالموں کا نام آتا ہے۔ ہاں کچھ عرصہ پہلے سیدنا خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ اجمیر میں آکر فروکش ہو چکے تھے۔ لیکن ان کا کام خواجہ علی ہجویری رحمہ اللہ کی طرح ہندوؤں کو مسلمان بنانا تھا مسلمانوں یعنی نومسلموں کو اسلام سکھانا دوسرے لوگوں کا کام ہونا چاہئے تھا جن کی کمی تھی۔ اسی زمانہ میں صاحبِ مشارق الانوار کا بھی ہندوستان آنا بلکہ ہندوستان ہی میں پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے لیکن ان کا علمی زمانہ ہندوستان میں نہیں بلکہ بغداد میں بسر ہوا۔ تمام شمالی ہند دریائے اٹک سے لے کر بنگال و آسام تک مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا اور اسی قریبی زمانہ میں فتح کیا تھا۔ اس وسیع ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور ہندوؤں کی بغاوتوں کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے تمام تر توجہ اور پوری طاقتیں صرف کرنی پڑیں۔

ممالک اسلامیہ کی خانہ جنگی اور مغلوں کی مسلم کشی

یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ سلجوقیوں کے غلاموں، اتابکوں اور نوکروں نے جا بجا خراسان، ایران، فارس، عراق، شام وغیرہ ملکوں کے چھوٹے چھوٹے صوبوں پر قابض ہو کر آپس میں لڑنا شروع کر دیا تھا۔ انھیں کی طرح بغداد کا عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ بھی سلجوقیوں کی گرفت سے آزاد ہو کر اپنا اثر واقتدار قائم کرنے اور براہ راست ملکوں پر فرمانروا ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، ان خود مختار ہونے والے سرداروں میں سب سے زبردست خوارزم شاہ تھا۔ جس کا خراسان و ماوراء النہر کے اکثر حصہ پر قبضہ تھا۔ فارس کا صوبہ سعد زنگی کے قبضے میں تھے۔ طاش تکین اور اس کے داماد سنجر نے خوزستان پر قبضہ کر رکھا تھا۔ قتلغ بن ایلد کز رے پر قابض تھا۔ اغلمش نے بلاد جبل اور قہستان کے اکثر علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک طرف الموت کی باطنی حکومت بھی اسی علاقہ میں موجود تھی۔ لرستان، دیار بکر، آذر بائیجان، اربیلا، موصل، حلب اور شام کے مختلف

اضلاع میں الگ حکمران موجود ہو گئے تھے اور ان چھوٹے چھوٹے فرمانرواؤں کی تعداد مذکورہ ممالک اسلامیہ میں سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی اور سب کے سب ہی ایک دوسرے کو مارنے اور کچلنے میں مصروف تھے۔ ترکان غز کے گروہ عرصہ سے الگ لوٹ مار میں مشغول اور ماوراء النہر سے شام و فلسطین تک کے شہروں اور قصبوں کو غارت کرتے پھر رہے تھے۔ غرض قتل و غارت اور جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے یہ تمام علاقے وہاں کے باشندوں کے لیے تنور بلکہ نمونہ دوزخ بن گئے تھے۔ ۶۰۷ھ میں قطب الدین ایبک گھوڑے سے گر کر فوت ہوا اور شمس الدین التمش کا عہد حکومت شروع ہو کر ناصر الدین قباچہ اور شمس الدین التمش کی لڑائیاں شروع ہوئیں لیکن شمس الدین التمش نے جلد اپنے حریفوں کو مغلوب کر کے اپنی حکومت شمالی ہند میں قائم کر لی۔ ادھر خوارزم شاہیوں اور خلیفہ ناصرالدین اللہ کی فوجوں میں بڑے بڑے معرکے ہو چکے تھے۔ خلیفہ نے خوارزم شاہی طاقت کے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور پا کر اور کامیابی سے مایوس ہو کر مغلوں کے سردار چنگیز خاں سے جو غیر معمولی طور پر بڑی طاقت حاصل کر چکا تھا۔ سلام پیام کا سلسلہ شروع کر کے خوارزم شاہی سلطنت پر حملہ آوری کی ترغیب دی۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ چنگیز خاں نے خلیفہ بغداد کے اشارے سے حملہ کیا یا خود خوارزم شاہی سلطنت نے چنگیز خاں کو حملہ آوری پر مجبور کر دیا تھا۔ بہر حال ۶۱۵ھ میں چنگیز خاں نے سمرقند و بخارا کا علاقہ فتح کر کے خراسان کی طرف پیش قدمی کی اور انسانی خون کے دریا بہا دیے۔ صرف ہرات میں قتل ہونے والوں کی تعداد بعض مورخین نے سولہ لاکھ بیان کی ہے۔ اس سے صدہا شہروں اور قصبوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

غرض اس طرح وہ بد امنی و بربادی جو سلجوقیہ کی تباہی کے بعد چھٹی صدی کے ربع آخر سے ممالک اسلامیہ میں پیدا ہوئی تھی ساتویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں حد کمال کو پہنچ گئی۔ ایسی حالت میں جب کہ تمام ماوراء النہر اور خراسان و ایران و آذربائیجان پر غیر مسلم اور خونریز مغل مستولی و متصرف ہو گئے بقیۃ السیف مسلمانوں کے لیے عزلت نشینی و گوشہ گزینی اور علایق دنیوی سے بے تعلقی کے سوا کوئی بچاؤ کی صورت نہ تھی۔ غرض مغلوں کی اس تاخت و تاراج نے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی بد اعمالیوں اور

غفلتوں کی سزا تھی، مسلمانوں کی مردم شماری کو گھٹایا اور تلواریں توڑ توڑ کر گوشہ نشین ہو جانے والوں کی تعداد کو بڑھایا، چوں کہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت مغلوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہی تھی لہٰذا مذکورہ ممالک کے اکثر شاہزادے اور امراء بھاگ بھاگ کر ہندوستان چلے آئے اور اس طرح ہندوستان کا اسلامی دربار جو اپنی سپاہیانہ سادگی میں ممتاز تھا ایک شان و شکوہ اور شاہانہ عظمت و جبروت سے لبریز ہو گیا۔ چنانچہ سلطان ناصر الدین محمود ابن سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں بغداد کی تباہی کے بعد جب چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خان کا سفیر ہندوستان آیا تو دربار دہلی کی شان و شوکت اور پناہ گزین سلاطین کی کثرت دیکھ کر بے حد مرعوب واپس گیا۔ بغداد میں چنگیز خاں کی وفات کے بعد تک بھی خلیفہ موجود اور عباسیوں کا تخت خلافت قائم تھا ادھر الموت میں فدائیوں یا باطنیوں کی سلطنت جو حسن بن صباح کی قایم کردہ تھی باقی تھی۔ شاہ الموت نے مغلوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں اپنی موت دیکھ کر ۶۳۶ھ میں یورپ کے عیسائیوں کو مغلوں کے مقابلہ میں حملہ آوری کی ترغیب اور اپنا سفیر بھیج کر ممالک اسلامیہ کو جو صلیبی حملوں میں فتح نہ ہوئے تھے فتح کر لینے کی دعوت دی لیکن عیسائیوں نے گوشت خردندان سگ کہہ کر خاموشی اختیار کی اور باطنیوں کی یہ سفارت یورپ سے ناکام واپس آئی۔

خلافت بغداد کی بربادی اور ہندوستان میں ایرانی و خراسانی مسلمانوں کی آمد

۶۵۵ھ میں مغلوں نے ''اَلموت'' کی باطنی یعنی شیعہ سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ بغداد کے خلیفہ کو برباد کرنے کی مغلوں کو خواہش نہ تھی اور وہ شاید اپنی واہمہ پرستی کی وجہ سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ بغداد کے خلیفہ پر بیداد کرنے سے کوئی آفت سماویہ ہم پر نازل ہو جائے گی لیکن علقمی اور نصیر طوسی دو شیعہ، بغداد اور خلیفہ بغداد کی بربادی کے لیے متفق ہو گئے۔ علقمی خلیفہ کا وزیر اور نصیر طوسی مغلوں کے بادشاہ ہلاکو خاں کا مصاحب تھا۔ ان دونوں کی متفقہ سازش نے ۶۵۶ھ میں عباسی خلیفہ کو مغلوں کے ہاتھوں گرفتار و مقتول کرا کر دم لیا اور بغداد و نواح بغداد میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان مقتول و شہید ہوئے۔ بغداد کی اس

بربادی کا حال سن کر عیسائی ملکوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ ہندوستان میں جب یہ خبر پہنچی تو کئی سال تک اس خبر کو کسی نے صحیح نہ سمجھا۔ ہندوستان میں باقاعدہ اسلامی سلطنت قائم ہونے کے باون (۵۲) سال بعد خلافت بغداد برباد ہوئی اور ترکستان سے شام کے ملک تک مغلوں کی زبردست اور ظالم وخونریز سلطنت قائم ہوگئی عراق و شام وغیرہ کے مسلمان جو اپنا وطن چھوڑ کر بھاگ سکتے تھے مصر کی طرف جہاں مملوکیوں کی اسلامی سلطنت قائم تھی متوجہ ہوئے اور خراسان (افغانستان) وسیستان وغیرہ ملکوں کے وہ مسلمان جو بربادئ بغداد کے بعد اسلامی سلطنت کے دوبارہ قائم ہونے سے مایوس ہو چکے تھے اور وطن چھوڑ سکتے تھے ہندوستان میں آنے شروع ہوئے۔ ان نو واردوں میں جاہل سپاہی بھی تھے اور ذی علم پڑھے لکھے لوگ بھی شامل تھے۔ مغلوں کے پچاس سالہ مظالم نے حوصلوں کو پست اور خیالات کو تنگ کردیا تھا۔ ہندوستان میں جہاں سپاہی پیشہ مسلمانوں، نومسلموں اور ہندوؤں کی آبادی تھی اور فاتح وحکمراں ہونے کی حیثیت سے اس وسیع و زرخیز ملک میں مسلمانوں کو ہر قسم کی فراغت وراحت میسر تھی ان آنے والوں نے اپنی خاندانی عظمت اور برباد شدہ دولت وحشمت کا یقین دلا کر عزتیں اور جاگیریں حاصل کیں اور فوجی و انتظامی عہدوں پر مامور ہوئے۔

ہندوستان میں صوفیائے کرام

انھیں آنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے کہ انھوں نے اپنے خراسانی پیروں اور مرشدوں کے نام کی شہرت سے فائدہ اٹھا کر یا حقیقی شوق عبادت اور خواہش گوشہ نشینی کی بنا پر زاویوں اور خانقاہوں کی طرف رخ کیا۔ ایسے ہی لوگوں میں باطنیوں اور فدائیوں نے بھی پناہ لینی شروع کی۔ جس طرح دوسرے ملکوں میں شیخ مجد الدین بغدادی، شیخ شہاب الدین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ)، سیدنا محی الدین ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ)، مولانا شمس الدین محمد تبریزی (متوفی ۶۴۵ھ)، شیخ المشائخ سعد الدین عمویہ، (متوفی ۶۵۰ھ)، مولانا جلال الدین رومی، (متوفی ۶۷۲ھ) رحمہم اللہ وغیرہ صدہا صوفیائے کرام موجود تھے اسی

طرح ہندوستان کی باقاعدہ اور آزاد سلطنت اسلامیہ کو پورے سو برس نہ گزرنے پائے تھے کہ اس ملک میں خواجہ معین الدین چشتی (متوفی ۶۳۳ھ) خواجہ بختیار کاکی (متوفی ۶۳۴ھ) شیخ حمیدالدین ناگوری، خلیفہ خواجہ معین الدین اجمیری سنجری (متوفی ۶۷۳ھ)، شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (متوفی ۶۶۶ھ) شیخ فرید الدین گنج شکر (متوفی ۶۶۷ھ)، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر عراقی پانی پتی، (متوفی ۷۲۲ھ) شاہ نظام الدین اولیاء، (متوفی ۷۲۴ھ) شاہ حسام الدین حسینی تیغ برہنہ، شیخ برہان الدین وغیرہ سینکڑوں صوفیائے عالی مقام موجود ہو کر لشکر سلطانی کے فوجی لوگوں اور نومسلموں کے مرکز توجہ بن گئے۔ ان بزرگوں کی خانقاہوں میں مجاہدات شاقہ نفس کشی اور ترک علایق کا تو زیادہ زور شور تھا۔ مگر قرآن و حدیث کے درس کا کوئی قابل تذکرہ اہتمام نہ تھا۔ ہندوستان کے ہندوؤں پر جو اسلامی سلطنت کے قائم ہونے سے پہلے بودھوں کی مسخ شدہ تعلیمات اور برہمنی مذہب کے نو تصنیف شاستروں کے اثر سے وحدت وجود جوگ اور سادھوپن کی طرف راغب تھے۔ ان صوفیائے کرام کی خانقاہوں کا بہت ہی اچھا اثر پڑا اور ان کے ذریعے نومسلموں کی تعداد میں خوب اضافہ ہوا۔ انھیں صوفیائے کرام کے لباس میں باطنی طریقہ کو بھی رواج و رسوخ حاصل ہوتا رہا چنانچہ جس طرح ۳۰۹ھ میں منصور حلاج کا واقعہ بغداد میں پیش آیا۔ اسی طرح ۶۹۴ھ میں سید مولہ کا حادثہ دہلی میں رونما ہوا۔ بغداد میں منصور حلاج کو قاضی ابوعمر اور دیگر علماء و فقہا کے فتوے کے موافق قرمطی ہونے کے الزام میں قتل کیا گیا تھا۔ دہلی میں سید مولہ بھی فدائی اور باطنی ہونے کی وجہ سے مفتیان دہلی کے فتوے کے موافق مقتول ہوا۔ جس طرح چند روز کے بعد بغداد والوں نے منصور حلاج کو ولی کامل اور محبوب خدا یقین کیا اسی طرح دہلی والوں نے چند روز کے بعد سید مولہ کو اولیائے کرام میں شامل کیا۔ حالانکہ اس زمانہ میں فدائیوں نے گجرات و سندھ سے لے کر دہلی اور بدایوں تک تمام علاقے میں بہت سے ہندوؤں اور نومسلموں کو اپنا معمول بنا رکھا تھا اور یہی لوگ تھے جنھوں نے ۶۳۵ھ میں دہلی کی جامع مسجد میں جبکہ مسلمان نماز جمعہ ادا کر رہے تھے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

آٹھویں صدی کے شروع میں اسلام کی حالت ہندوستان میں کیا تھی؟

غرض آٹھویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ تک ہندوستان کے اسلام کی حیثیت بڑے بڑے مرکزی شہروں میں زیادہ سے زیادہ وہ تھی جو ساتویں صدی کے شروع میں خراسان کے اسلام کی تھی ۔ کیونکہ ہندوستان کا اسلام ابھی تک خراسان ہی کے اسلام کا ایک بگڑا ہوا عکس اور سایہ تھا۔ یہاں نہ عراق و شام و حجاز کے عالمان علم دین اور مبلغین کتاب وسنت کو آنے کا موقع ملا تھا اور نہ سمرقند و بخارا کے علماء کا یہاں گزر ہوا تھا(سمر قند و بخارا میں شیعیت کا کوئی قابلِ تذکرہ اثر اب تک نہ پہنچ سکا تھا) جو مسلمان ہندوستان میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہو کر حاکمانہ زندگی بسر کر رہے تھے وہ خود علم حدیث سے ناواقف اور دینی معلومات میں بالکل ادھورے ارخام و نا تمام تھے جو ہندوستانی نومسلم تھے وہ آج کل کے آگرہ و متھرا کی طرف رہنے والے ملکانوں کی طرح مسلمان تو تھے مگر حقیقتِ اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ سے بے خبر تھے اس لیے کہ قرآن و حدیث کے سیکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت و اہمیت سے تو خراسانی و افغانی مسلمان بھی ابھی تک کما حقہٗ آشنا نہ تھے۔ اس زمانہ کے ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک مصری عالم شمس الدین ترک ۷۰۸ ھ میں بعہد سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان آئے تھے ۔ ضیائے برنی کی تحریر کا حاصل مطلب بطور خلاصہ اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں جو اس طرح ہے کہ:

”ایک بے نظیر محدث اور عالم جن کو شمس الدین ترک کہتے تھے مصر سے حدیث کی چار سو کتابیں لے کر ملتان آئے تھے اور ملتان سے دہلی جانے کا قصد رکھتے تھے انھوں نے جب یہ بات سنی کہ ہندوستان کا بادشاہ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتا تو وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور شہر دھلی کے حالات سن سن کر ملتان ہی سے مصر کی طرف واپس چلے گئے ۔ واپس جانے سے پہلے انھوں نے ایک خط یا رسالہ لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ دھلی کے پاس روانہ کیا اس میں لکھا تھا کہ میں

مصر سے دھلی کا ارادہ کر کے چلا تھا کہ دھلی میں قیام کر کے علم حدیث کی اشاعت دہلی میں کروں گا اور محض اللہ اور رسول کی خوشنودی کے لیے آیا تھا کہ لوگوں کو علم حدیث کی طرف متوجہ کر کے خیانت پیشہ مولویوں اور بد دیانت عالموں کی روایتوں سے نجات دلاؤں لیکن چوں کہ آپ خود ہی نماز نہیں پڑھتے اور نماز جمعہ بھی ادا نہیں کرتے لہٰذا میں ملتان ہی سے واپس جا رہا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں احادیث نبوی پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ میں حیران ہوں کہ وہ شہر جس میں حدیث نبوی کے ہوتے ہوئے دوسرے لوگوں کی روایتوں پر عمل کرتے ہیں تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور عذاب الٰہی اس پر کیوں نازل نہیں ہوتا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے شہر میں سیاہ رو بد بخت مولوی فتوے اور نا معقول روایتوں کی کتابیں کھولے ہوئے مسجدو ں میں بیٹھے رہتے اور روپیہ پیسہ لے کر لوگوں کو قسم قسم کے حیلے اور جھوٹی تاویلیں بتاتے رہتے ہیں، مسلمانوں کے حق کو بھی باطل کرتے اور خود بھی غارت ہوتے ہیں۔'' انتہی کلامہٗ

سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں کتاب و سنت کی اشاعت کا کوئی انتظام ہندوستان میں نہ ہوا اور مذکورہ بے علم افغانی وخراسانی باپ دادا کی مراسم اور چند دور از کار بے حصل فقہی مسئلوں اور جاہلانہ فتوؤں کی واقفیت کا نام علم دین اور ہندوؤں، آتش پرستوں اور مسلمانوں کی رسموں کے مجموعہ کی حفاظت کرنے والے مراسم پرستوں کا نام علمائے دین رہا۔ اگر اتفاقاً کوئی اللہ کریم کا نیک بندہ فہم وفراست اور کتاب و سنت کی طرف توجہ دلاتا تو وہ علماء سوء اور بدمذہب لوگوں میں شمار ہوکر انگشت نما ہوتا اور جاہل بادشاہوں کی طاقت اس کے کچل ڈالنے اور آباء پرست مولویوں کا اثر اس کے ذلیل کرنے پر مستعد نظر آتا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ سلطان علاء الدین کے زمانہ میں راس کماری تک تمام براعظم ہند پر اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور سلطان علاء الدین کے محکمہ جاسوسی کی بدولت فدائیوں یا باطنیوں کو بھی اپنی شرارتیں پھیلانے کا مواقع باقی نہ رہا۔ سلطان فیروز تغلق آٹھویں صدی ہجری کے شروع میں پیدا ہوا اور ۷۵۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ اس نے اپنے رسالہ ''فتوحاتِ فیروز

شاهی" میں جو کچھ لکھا ہے اس کے ضروری اقتباس کو اسی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں، ان الفاظ کے ترجمہ کی اس لیے جرأت نہیں ہوئی کہ بعض الفاظ فحش اور تہذیب کے خلاف معلوم ہوتے ہیں، ان الفاظ سے اس زمانہ کے ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوستان کی عام اسلامی حالت کا اندازہ کرنے میں ضرور امداد مل سکتی ہے۔

"قومے بلباس دہریہ و ترک، تجرید مردمان را گمراہ میکردند و مرید می ساختند و کلمات کفری گفتند طائفہ ملحدان و اباحتیان جمع شدہ بودند، خلق را بالحاد و اباحت دعوت میکردند و در شبے بمقامے معین جمع می شدند از مردمان حرم و غیر محرم و طعام و شراب درمیان می آوردند و می گفتند این عبادت است و زنان و مادران و خواہران یکدیگر کہ دراں شب جمع می آوردند جامۂ ہر کہ بردست کسے از ایشاں می افتادے با او زنا کردے پیران ایشاں شیعہ بودند شیعی مذہبان کہ ایشاں را روافض میگویند بسبب رفض و شیعہ مردان را دعوت میکردند و رسالہ ہا و کتاب ہا دریں مذہب پرداختہ و تعلیم وتدریس پیشہ ساختہ بودند و جناب خلفائے راشدین ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وجمیع صوفیائے کبار رضی اللہ عنہم راسبِ صریح وشتم قبیح می گفتند ولواطت میکردند وقرآن مجید را ملحقات عثمانی میخواندند۔ رسم و عادتے کہ دردین اسلام جائز نیست در شہر مسلمانان جبلت شدہ بود کہ عورات درایام متبرکہ جماعت۔ جماعت پالکی سوار و گردوں سوار وڈولہ سوار واسپ سوار وستور سوار فوج فوج و جوق جوق پیادہ از شہر بیرون می آمدند و بمزار ہای رفتند۔ (مقتبس از فتوحات فیروز شاہی)

سلطان محمد تغلق اور اشاعتِ کتاب وسنت

آٹھویں صدی ہجری کے ربع اوّل تک ہندوستان میں کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت کا کوئی اہتمام نظر نہیں آتا۔ سلطان محمد تغلق نے تخت نشین ہوکر کتاب وسنت کی اشاعت کا خصوصی اہتمام وانتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ مراسم پرست قاضیوں، آباء پرست مفتیوں اور ہوا پرست اماموں کو موقوف کرکے ان کی جگہ مامور کرنے کے لیے کتاب وسنت پر عمل کرنے

والے عالموں کی تلاش وجستجو شروع ہوئی اور جہاں تک قابل آدمی مل سکے مذکورہ عہدوں پر مامور کیے۔ سلطان محمد تغلق کو سمجھدار اور کتاب وسنت سے واقف لوگوں کی کس قدر تلاش تھی اور ایسے لوگوں کا ہندوستان میں کس قدر کال تھا اس کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ خواجہ نصیر الدین اودھی المعروف بہ چراغ دہلی رحمہ اللہ کتاب وسنت کے عالم اور احادیث نبوی پر عمل کرنے کے شایق ہیں تو سلطان نے ان کو مجبور کیا کہ وہ سیدنا شاہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کی خانقاہ اور زاویہ تنہائی کو چھوڑ کر سلطان کی مصاحبت اختیار کریں اور اپنے علم حدیث سے دربار شاہی کو مستفیض ہونے کا موقع دیں خواجہ ممدوح کی طرف سے انکار اور سلطان کی طرف سے اصرار ہوا یہاں تک کہ اس انکار و اصرار نے ترقی کر کے دونوں میں کشیدگی اور ناخوشی پیدا کر دی۔ مشہور مغربی سیاح ابن بطوطہ جب ہندوستان آیا اور سلطان محمد تغلق سے ملا تو سلطان نے باصرار اس کو شہر دہلی کا قاضی مقرر کیا اور وہ کئی سال تک اس عہدہ پر مامور رہا۔ آخر چینی سفارت میں شامل ہونے کا حیلہ تلاش کر کے دہلی سے رخصت ہوا۔ عین الملک صوبہ دار اودھ ایک ذی علم اور روشن خیال شخص تھا ۔ سلطان محمد اس کے علم وفضل کی وجہ سے اس کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ ایک مرتبہ عین الملک کے بھائیوں نے غلط فہمی پیدا کر کے سلطان کے خلاف بغاوت پیدا کر دی اور عین الملک سلطانی فوج کے مقابلہ میں صف آراء ہوا عین الملک میدان جنگ میں گرفتار ہو کر سلطان کی خدمت میں پابہ زنجیر پیش کیا گیا۔ سلطان نے اس کو دیکھتے ہی آزاد کیا اور اس کی تمام خطاؤں سے درگزر فرما کر پہلے سے زیادہ اس کے مرتبہ کو بڑھایا اور اپنے برابر عین الملک کو بٹھایا نیز اس بات کو صاف الفاظ میں ظاہر فرمایا کہ اپنے علم اور روشن خیالی کی وجہ سے عین الملک ان تمام مہربانیوں کا مستحق ہے۔

کتاب وسنت کے خلاف بدعتی مسلمانوں کا جوش وخروش

اس اللہ والے اور روشن خیال اور متبع کتاب وسنت سلطان نے جب شرکیہ و بدعیہ مراسم کے خلاف کوششیں کیں تو تمام عالم نما جاہل اور مسلم نما بد دین لوگ اس کی مخالفت پر

کمر بستہ ہو گئے اور اس سب سے بہتر سلطان کو بد نام کرنے اور اس کے تمام بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے کے لیے مراسم پرست صوبہ داروں، آباء پرست فوجی سرداروں اور نالایق منشیوں نے متفق ہو کر اور بہت سے خانقاہ نشینوں کو بھی اپنی سازش میں شریک کر کے سندھ کے ریگستان میں اس کا اور اس کی اولاد کا خاتمہ کیا اور اس کے روشن خیال و مدبر وزیر کو دہلی کے قریب بے دردی سے قتل کر کے اطمینان کا سانس لیا اور اسی مجرمانہ سازش کا یہ نتیجہ ہوا کہ پورے براعظم ہند کی عظیم الشان اسلامی شہنشاہی کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی بنگال کا صوبہ خود مختار ہو گیا۔ دکن میں بہمنی سلطنت جدا قایم ہوئی اور بہمنی سلطنت کے جنوب یعنی دکن کے جنوبی تنگ حصہ میں ایک ہندو خود مختار ریاست بھی پیدا ہو گئی۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

سلطان محمد تغلق کے بعد اگرچہ کتاب وسنت کی تبلیغ و اشاعت کا نظام درہم برہم ہو گیا لیکن ممدوح نے جو تحریک شروع کی تھی وہ خود بخود اندر ہی اندر اپنا اثر کرتی رہی۔ سلطان محمد تغلق کے تفصیلی حالات اور شرک و بدعت کے طوفانوں کی مشرح کیفیت جو ہندوستان اور ایران وخراسان میں اُمڈے ہوئے تھے میں اپنی کتاب ''آئینہ حقیقت'' جلد دوم میں لکھ چکا ہوں جو قابلِ ملاحظہ ہے۔

غرض سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ہندوستان کی اسلامی سلطنت کمزور ہوتے ہوتے آٹھویں صدی کے خاتمہ پر بالکل پارہ پارہ ہو گئی اور ۸۰۰ھ میں تیمور نے جو چنگیزی مغلوں کی ایران پر حکومت کرنے والی شاخ کی مانند شیعیت کی جانب زیادہ مائل تھا ہندوستان پر حملہ کر کے خاندان تغلق کا خاتمہ کر دیا اور ہندوستان کو خانہ جنگی و بدامنی کی مصیبت میں مبتلا چھوڑ کر فوراً واپس چلا گیا اور سلطان بایزید یلدرم عثمانی کی ان سرگرمیوں کا جو وہ یورپ کی عیسائی سلطنتوں کے زیر کرنے اور صلیبی حملوں کا بدلہ لینے کے لیے کام میں

لا رہا تھا خاتمہ کر دیا۔

خانہ کعبہ میں چار مُصلّوں کا قائم ہونا

یہی وہ زمانہ تھا کہ ۸۰۱ھ میں مصر کے بادشاہ فرح بن برقوق چرکس نے خانہ کعبہ میں من جملہ سات یا زیادہ مصلوں کے صرف چار مصلے باقی رکھے۔ اس زمانے تک خانہ کعبہ کے ساتھ یا زیادہ مصلوں کو کوئی قابل تذکرہ اہمیت حاصل نہ تھی ہر شخص جس مصلے پر چاہتا نماز ادا کرتا اور ایک ہی امام کے پیچھے ایک ہی جماعت میں سب نماز ادا کرتے۔ فرح بن برقوق نے چار مصلے اور ہر مصلے کے لیے الگ الگ امام مقرر کر کے چار الگ الگ جماعتوں کا سلسلہ جاری کیا۔ اس زمانہ کے مسلمانوں اور ہر اسلامی ملک کے مسلم علماء نے اس کی سخت مخالفت کی مگر چوں کہ حجاز اور مکہ معظّمہ پر چراکسہ کی حکومت تھی لہٰذا یہ بات رفتہ رفتہ سب کو گوارا ہوگئی۔ اس سے قریباً ڈھائی سو سال پہلے یعنی ۶۶۵ھ میں مصر کے بادشاہ ملک الظاہر بیبرس نے مصر میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی چار قاضی مقرر کر کے چار فقہی مذاہب کو مخصوص و متعین کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی فقہی مذاہب کی شہرت و معرفت جاتی رہی ورنہ اس سے پہلے اور بھی متعدد فقہی مذاہب مشہور و مروج تھے۔

آٹھویں صدی کے خاتمہ پر شمالی ہند اور دکن و گجرات کی حالت

آٹھویں صدی ہجری کے خاتمہ پر شمالی ہند میں تو تاریکی چھائی ہوئی ہے لیکن جنوبی ہند میں سلطان محمود شاہ بہمنی ابن علاء الدین حسن گانگوی نے کتاب و سنت کی اشاعت میں بہت کوشش کی جو نویں صدی کے وسط تک کم و بیش ملک دکن کی روشنی کا موجب رہی۔ نویں صدی ہجری میں ہندوستان کے اندر بنگالہ، جونپور، دھلی، مالوہ، خاندیس، گجرات، کشمیر، سندھ، پنجاب، دکن وغیرہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی اسلامی حکومتیں قائم اور سب آپس کے لڑائی جھگڑوں میں مسلسل مصروف رہیں۔ اسی زمانہ میں سید بدیع الدین مکن پوری کے

ذریعہ تصوف کے سلسلہ مداریہ کی ابتدا ہوئی۔ تصوف کے سلسلہ نقشبندیہ نے بھی ہندوستان میں رسوخ ورواج پانا شروع کیا۔ باقی سلسلے پہلے سے موجود تھے۔ اس نویں صدی میں جب کہ کشت وخون کے ہنگاموں نے سارے براعظم ہندوستان کو میدان جنگ بنا رکھا تھا۔ عراق، عرب، خراسان، ایران اور مصر سے بعض علماء دکن اور گجرات کے درباروں میں آئے اور ان میں سے بعض جونپور بھی پہنچے لیکن لڑائیوں اور خانہ جنگیوں کی کثرت نے کتاب و سنت کی کوئی تذکرہ اور نتیجہ خیز خدمت نہ کرنے دی البتہ دکن میں وزیر السلطنت خواجہ محمود گاوان کی مساعی جمیلہ سے علم دین کا چرچا ہوا اور بعض دینی مدارس بھی جاری ہوئے۔ گجرات میں سلطان محمود بیکرہ کی دین پروری اور قدر دانی علم نے علمائے ربانی کے لیے احکام دین کی تبلیغ واشاعت کا موقع بہم پہنچایا اور مولانا وجیہ الدین مالکی کو جو مصر و شام ہوتے ہوئے گجرات آئے تھے ''ملک المحد ثین'' کا خطاب دے کر آخر عمر تک گجرات ہی میں قیام کرنے پر مجبور کیا(ان کے بعد گجرات میں وجیہ الدین نام کے ایک دوسرے بزرگ بھی گزرے ہیں جو ۹۹۸ھ میں جوفوت ہوئے تھے)

دسویں صدی ہجری کی ابتدا

نویں صدی ہجری کے آخرا ور دسویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ میں جس طرح دنیا کے اور ملکوں میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوئے اسی طرح ہندوستان میں بھی اہم تغیرات کا ظہور ہوا۔ عیسائیوں نے اندلس سے مسلمانوں کا نام ونشان گم کیا۔ عثمانیوں نے مصرو شام وحجاز پر قبضہ کر کے شاہان مصر اور خلفائے عباسیہ کے برائے نام سلسلہ کو مٹایا۔ کولمبس نے امریکہ اور واسکوڈی گامانے ہندوستان آنے کا بحری راستہ معلوم کیا۔ مارٹن لوتھر باشندہ جرمنی نے رومن کیتھولک عیسائیوں کے خلاف اور پوپ کا مذہبی اقتدار مٹانے کے لیے زبردست اور نتیجہ خیز کوشش شروع کی ۔ تیموریوں کی حکومت خراسان وایران سے مٹی۔ ایران میں صفویوں کی ایک زبردست شیعہ سلطنت قائم ہوئی۔ عثمانیوں کی سلطنت ایشیا و افریقہ ویورپ تینوں براعظموں میں وسیع ہوکر عروج کو پہنچی ۔ ہندوستان کی بہمنی سلطنت میں

زوال و انحطاط پیدا ہوا اور بہت جلد پارہ پارہ ہو گئی۔ شمالی ہند میں لودیوں نے اپنی زبردست سلطنت قائم کی۔

کبیر و نانک کے جدید فرقے اور مسلمان

بنارس میں کبیر داس نے اور پنجاب میں بابا نانک نے نئے مذہب اور نئے فرقے قائم کر کے اس بات کی کوشش کی ہندو مسلمان دونوں کو ایک مذہب اور ایک مسلک پر مجتمع و متفق کر دیا جائے۔ مشرقی ہند میں کبیر کا اور مغربی ہند میں نانک کا جدید مذہب جاری کرنا اور ہندو مسلمان دونوں کا ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے جدید مذہبوں کو اختیار کر لینا اس بات کی صاف دلیل ہے کہ کتاب و سنت کا کوئی معقول چرچا نہ ہونے کے سبب بے علم صوفیوں اور جاہل پیروں کے ہاتھوں ہندوستان میں عام طور پر مسلمانوں کی ایسی ناگفتہ بہ حالت ہو گئی تھی کہ ان کو مشکل ہی سے مسلمان کہا جا سکتا تھا ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ ایک شخص جو آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے واقف ہو اور کبیر کے دوہروں کو عقیدہ و اعمال کی بنیاد قرار دے اور گرو گرنتھ کے اشلوکوں پر آیاتِ قرآنی کی طرح ایمان لائے اور جب کبیر داس اور نانک صاحب فوت ہوں تو مسلمان اور ہندوؤں میں ان کی لاش کے دفن کرنے یا جلائے جانے پر تلواریں کھچ جائیں۔

سلطان بہلول لودی تو ایک سپاہی آدمی تھا اس کو علم و فضل سے کوئی واسطہ نہ تھا لیکن اس کا بیٹا سکندر لودھی پڑھا لکھا اور خاصا تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ فارسی زبان میں شعر بھی کہہ سکتا تھا لیکن گزشتہ سینکڑوں سال کی مسلسل خانہ جنگیوں نے شمشیر زن اور سپاہی پیشہ لوگوں کی قدر اس قدر بڑھا دی تھی کہ فوجی نوکریوں کے مقابلہ میں دفتروں کے اندر بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرنے کو مسلمان لوگ عام طور پر عیب اور بے عزت تصور کرتے اور علم دین تو کیا معمولی نوشت و خواند کی طرف بھی متوجہ نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ سلطان سکندر لودی کو مجبوراً ہندوؤں کی قوم کالیستھ کو فارسی زبان کی تعلیم دلا کر دفتروں کے عہدے ان کے سپرد کرنے پڑے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ جاہل پیروں اور معمولی سی شد بُد رکھنے والے ملاؤں

کے ہاتھ میں ان جنگلی لوگوں کی مذہبی باگ ہوگی اور انھیں کے فتوے اور انھیں کی ایجاد کردہ رسمیں ان لوگوں کے لیے آیت و حدیث کا مرتبہ رکھتی ہوں گی۔ سلطان سکندر کے زمانہ میں علمائے دین کس قدر نایاب تھے؟ اس کا اندازہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ جب شیخ جمالی کنبوہ حجاز وعراق وخراسان کا طویل سفر ختم کر کے دہلی آئے تو سلطان سکندر سنبھل میں مقیم تھا۔ سلطان نے بار بار ان کے بلانے کو آدمی بھیجے، ان کے آنے میں دیر ہوئی تو ان کے پیر اور خسر شیخ سماؤ الدین کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ میری سفارش کیجیے اور شیخ جمالی کو میرے پاس آنے پر آمادہ ورضا مند کر دیجیے پھر ایک مثنوی خود تصنیف کر کے شیخ جمالی کے پاس بھیجی جس میں شوقِ ملاقات کا اظہار کیا گیا تھا، شیخ جمالی آئے تو سلطان نے پھر ان کو اپنے پاس سے جدا نہ ہونے دیا اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ اسی طرح مولانا عبد اللہ دہلوی شارح میزان منطق اور مولانا عبد اللہ تلنبی (ملتانی) اور سید رفع الدین صفوی شیرازی شافعی کی بے حد عزت وتکریم بجا لاتا تھا۔

سید محمد جونپوری اور شیخ علائی کے ذریعہ کتاب وسنت کی اشاعت

آخر اس زمانہ کے طوفان جہالت اور شرک و بدعت کی ظلمت و ضلالت کو دیکھ کر جونپور سے سید محمد صاحب جو مہدی جونپوری کے نام سے مشہور ہیں محض کتاب وسنت کی اشاعت پر کمر بستہ ہوئے۔ ان کے دعوی مہدویت کے متعلق آج کل صحیح کیفیت کا معلوم ہونا بے حد دشوار ہے کہ اس کی کیا حقیقت و اصلیت تھی اور ان کے کیا الفاظ تھے اور ان کا کیا مفہوم تھا لیکن اس بات کی متفقہ شہادتیں ان کے مخالفین سے بھی بالتصریح منقول ہیں کہ وہ خود بھی قرآن وحدیث کے بے حد پابند اور ان کی جماعت کے تمام آدمی کتاب وسنت کے سوا کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ تھے۔ انھوں نے جونپور سے لے کر راجپوتانہ سندھ، گجرات اور دکن تک کتاب وسنت کی تبلیغ واشاعت کا کام کیا اور بڑے بڑے سرداروں، فرمانرواؤں اور سپہ سالاروں کو بھی کتاب وسنت کا پابند بنا دیا۔ آخر وہ دسویں صدی کے ابتدائی زمانہ یعنی ۹۱۰ھ میں ملک افغانستان پہنچے اور قندھار ہوتے ہوئے بمقام

فراہ پہنچ کر فوت ہوئے۔ ان کے شاگردوں اور عقید تمندوں میں شیخ خضر ناگوری، سید محمود ابن سید محمد مذکور، شیخ عبداللہ نیازی نے اس سلسلہ اشاعت کتاب وسنت کو جاری رکھا اور آخر میں شیخ علائی بیانوی نے اس خدمت کو سب سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ انجام دے کر اسی کام میں اپنی زندگی کو تمام کردیا۔ شیخ علائی کے متعلق جب اس زمانہ کے مولویوں اور سلیم شاہ ابن شیر شاہ نے فتوے طلب کیے تو جس قدر بدعتی مراسم پرست اور دنیا طلب مولوی تھے سب نے شیخ علائی کے کفر اور قتل کا فتوے دیا لیکن جو ذی علم، اللہ والے اور سمجھدار حضرات تھے انھوں نے شیخ کے اسلام کی تصدیق اور شیخ کے کام کی تائید وتوثیق فرمائی چونکہ اس زمانہ میں مولوی نما جاہلوں، بدعتی ملاؤں اور زر پرست جبہ پوشوں کی کثرت اور علمائے ربانی کا قحط تھا لہٰذا فتوے گروں کی کثرتِ تعداد اور کتاب وسنت سے عناد رکھنے والے مراسم پرستوں کی کوشش نے شیخ علائی کی جان لے کر دم لیا۔ اس کے چند سال بعد خانہ جنگی کی بدولت پٹھانوں کی سلطنت کا تختہ الٹ گیا اور ہمایوں نے جو ایران سے شیعوں کا ممنون منت بن کر اور بہت سے شیعہ سردار ہمراہ لے کر واپس آیا تھا ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد قائم کی۔

شیعوں اور سنیوں کی کش مکش

ہمایوں اگرچہ تیموری نسل میں تھا اور تیمور شیعیت کی جانب مائل تھا۔ لیکن ہمایوں کے باپ دادا، پردادا نے ترکستان کی ریاست فرغانہ میں پرورش پائی تھی جہاں شیعیت کو کسی زمانہ میں بھی دخل حاصل نہیں ہوا اور جس طرح شروع ہی سے ایران میں شیعہ خیالات اور شیعی مذاہب کا گہوارہ رہا تھا لہٰذا ہمایوں کا باپ بابر اور اسکے ہمراہی ترکستانی سردار سنی مذہب رکھتے تھے۔ اب ہمایوں کے ہمراہی سرداروں میں بابری زمانہ کے ترکستانی سردار بھی تھے اور نئے ایرانی دوست بھی۔ ترکستانی سب سنی تھے اور ایرانی سب شیعہ۔ اس طرح ہمایوں کی وفات کے بعد اکبر کی خورد سالی کے سبب سلطنت جب ان سرداروں کے اختیار میں آئی تو بیرم خاں کی وجہ سے شیعوں کا زور ہوگیا۔ ترکستانیوں یعنی سنی سرداروں نے شیعوں کے

خلاف ہاتھ پاؤں مارے اور نتیجہ یہ ہوا کہ بیرم خاں علی قلی خاں بہادر خاں وغیرہ سب مارے گئے اور شمس الدین محمد خاں انگہ اور ماہم انگہ کا فریق برسر اقتدار آ گیا۔ لیکن ان سینوں میں سب سے بڑے اعلم العلماء ملا پیر محمد خاں تھے جو عہد افغانیہ کے بدعتی ملاؤں کا ثنی اور معمولی شد بد رکھنے والے آدمی تھے۔ اکبر نے ہوش سنبھال کر جب سلطنت اپنے ہاتھ میں لی تو مذہب کی جانب زیادہ مائل ہوا۔

اکبر کے زمانہ میں اسلام

ہندوستان میں تمام مولویوں کے سرتاج اور عہد افغانیہ کے شیخ الاسلام ملا عبد اللہ سلطان پوری تھے یا شیخ عبد النبی گنگوہی (از اولاد امام ابو حنیفہ) چنانچہ شیخ عبد النبی کو اکبر نے ہندوستان کا صدر الصدور بنا کر ملا عبد اللہ سلطان پوری کو مخدوم الملک کا خطاب دے کر شیخ الاسلامی کا عہدہ سپرد کیا۔ آئندہ چل کر جب ان دونوں کا ملا مبارک ابن شیخ خضر ناگوری کے بیٹوں ابو الفضل اور فیضی سے واسطہ پڑا تو بہت جلد ان کا بھرم کھل گیا۔ اور ۹۸۶ھ میں دونوں نے اپنے عہدوں سے معزول و برطرف ہونے کے بعد آپس میں ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے دیے اکبر جو خود بھی جاہل اور نوجوان بادشاہ تھا لا مذہبی کی لعنت میں مبتلا ہو کر اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑانے لگا اور اس کے دنیا پرست مصاحبوں نے اس کی تائید کی۔ ملا عبد القادر بدایونی یا مثل ان کے اور بھی چند حضرات ایسے تھے جو اکبر اور اس کے مصاحبوں کی نالائقی کا اظہار کرنے سے باز نہیں رہتے تھے۔ اور یہ کتاب و سنت کی اسی اشاعت و تعلیم کا نتیجہ تھا جو سید محمد جونپوری اور شیخ علائی کے ذریعہ لوگوں کو دی جا چکی تھی۔ ملا عبد القادر بدیونی نے خود شیخ علائی کو دیکھا تھا ان کے باپ سید محمد جونپوری اور شیخ علائی کے معتقد تھے۔ ملا صاحب کے استاد ملا مبارک بھی اسی سلسلہ سے تعلق رکھتے اور تنگ خیالی و مراسم پرستی کے دشمن تھے اور یہی وجہ تھی کہ مخدوم الملک اور صدر الصدور مذکور دونوں ملا مبارک کے جانی دشمن تھے۔ آخر اکبر کی لا مذہبی مسلمانوں کی عام جہالت، امرائے دربار کی جاہ طلبی و شاہ پرستی نے ایک نیا مذہب ۹۸۵ھ میں جاری کرایا جس کا نام

"دین الٰہی" رکھا گیا اور اکبر اس جدید مذہب کا پیشوا قرار پایا "کفر شایع شد" اس کی تاریخ ہوئی۔ گوا ، دمن، دیو وغیرہ کے عیسائیوں کی معرفت توریت و انجیل وغیرہ عیسائیوں کی کتابیں منگوا کر ترجمہ کرائی گئیں اور ہندی و سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کا کام تو پہلے ہی سے زور شور کے ساتھ جاری تھا۔

دربار شاہی کی لا مذہبی اور الحادیہ احکام کا نفاذ

ہندو نویں صدی ہجری میں ہی طاقت ور اور ملک کے اکثر قطعات پر قابض و فرمانروا ہو چکے تھے اب ان کے ساتھ مسلمانوں کی رشتہ داریاں بھی شروع ہوئیں اور مغلیہ سلطنت میں ان کو وزارتِ عظمٰی سپہ سالاری اور صوبوں کی حکومتیں مل گئیں ایران کے شیعہ، ہندوستان کے ہندو اور ملحد و بے دین نام کے مسلمان ۔ ان تین قسم کے آدمیوں سے دربار شاہی آباد تھا ۔ان لوگوں کے سوا کسی سچے پکے مسلمان کی دربار شاہی میں مطلق گنجائش نہ تھی ۔یہی لوگ شہروں اور صوبوں کی حکومت اور فوجوں کی سپہ سالاری پر مامور تھے۔ ایسی حالت میں اسلام کی شمالی ہندوستان میں جو حالت ہوگی اس کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے ۔ ماہ آبان اور دوسرے مخصوص ایام تھے جن میں کوئی جانور قطعی ذبح نہیں کیا جا سکتا تھا۔قصابوں کو حکم شاہی کے موافق اچھوت قرار دیا گیا تھا ان کے ساتھ اگر کوئی دوسرا شخص کھانا کھا لیتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی ۔ میر فتح اللہ شیرازی جو شیعہ تھے، ہندوستان کے صدر الصدور مقرر ہوئے ۔نور اللہ شوستری ، حکیم ہمام ، حکیم ابوالفتح وغیرہ ایرانی امرا کا اثر و اقتدار عروج کو پہنچا۔ ۹۹۹ھ میں گائے ، بھینس اور اونٹ کو بھی شاہی حکم کے موافق حرام قرار دیا گیا۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ سیدنا شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ ، سیدنا خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ ، سیدنا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ بھی کتاب وسنت کی حمایت اور اس طوفان الحاد و بے دینی کے خلاف مصروف عمل ہو چکے تھے، مگر ان بزرگوں کا مقابلہ ایسے شیطانی لشکر سے تھا جو بادشاہِ وقت کی

تائید و حمایت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

دکن میں شیعیت کا زور و شور اور شاہ طاہر شیعی مناد

اِدھر شمالی ہند کی یہ حالت تھی اُدھر دکن میں جہاں نسبتاً دین اسلام اور کتاب و سنت کا زیادہ چرچا تھا دسویں صدی ہجری کا ربع اوّل ختم ہوتے ہی یہ مصیبت نازل ہوئی کہ شاہ طاہر اسماعیلی باطنی نے آ کر دکن کے سلاطین کو گمراہ اور شریعت اسلام کو خراب کرنا شروع کر دیا۔ یہ شاہ طاہر شاہ جعفر قزوینی کا بھائی اور ملاحدہ الموت کے عقیدہ کا آدمی تھا۔ اس نے قزوین میں اپنے پیری مریدی کے مخصوص طریقہ پر عامل ہو کر وہاں ملاحدہ کی ایک زبردست جماعت فراہم کر لی تھی ۔اس کا حال جب ایران کی صفوی سلطنت کو معلوم ہوا تو اس کی تحقیقات شروع ہوئی شاہ طاہر اپنی جماعت کو منتشر کر کے کاشان چلا گیا اور وہاں ایک مدرسہ میں بحیثیت مدرس کام کرنے لگا آخر کاشان میں بھی وہ اپنے خاص کام سے باز نہ رہا۔ صفوی دربار سے اس کے قتل کا حکم جاری ہوا۔ شاہ طاہر کی جماعت کے آدمی دربار شاہی میں بھی موجود تھے انھوں نے عین وقت پر شاہ طاہر کو آگاہ کر دیا اور وہ ۹۲۶ھ میں وہاں سے فرار ہو کر بندر گوا میں آیا۔ گوا سے بیجا پور پہنچا۔ بیجا پور کے بادشاہ کو شیعہ بنا لینے میں کامیاب ہوا۔ لیکن اس نے دکن میں آ کر اثنا عشری شیعیت کی دعوت دی جو ایران کا شاہی مذہب تھا۔ اسماعیلی اور باطنی شیعیت کا اس نے دکن میں مطلق تذکرہ نہیں کیا۔ شاہ طاہر بہت ذہین اور کثیر المطالعہ شخص تھا اس نے بیجا پور کی عادل شاہیہ سلطنت کو سب سے پہلے شیعہ بنایا۔ ۹۴۱ھ تک بیجا پور میں شیعوں کا خوب زور شور رہا لیکن ۹۴۱ھ میں جب ابراہیم عادل شاہ تخت نشین ہوا تو اس نے تخت نشین ہوتے ہی شیعہ مذہب ترک کر کے سنی طریقہ اختیار کیا اور ۹۶۵ھ تک یعنی جب تک زندہ رہا شیعوں کی مخالفت پر کمربستہ رہا۔ شاہ طاہر بھی ۹۴۱ھ میں بیجا پور سے احمد نگر کی جانب چل دیے۔ احمد نگر کا شاہی خاندان سید محمد جونپوری کے مہدوی مسلک کا پیرو اور کتاب و سنت پر عامل

تھا۔ شاہ طاہر نے دربار شاہی میں رسوخ حاصل کر کے بہت جلد اپنا اثر قائم کر لیا اور تین سال کی مسلسل کوشش کے بعد ۹۴۴ھ میں برھان نظام شاہ فرمانروائے احمد نگر کو شیعہ بنا لینے میں کامیاب ہوا۔ برہان نظام شاہ نے شیعہ مذہب اختیار کر کے خلفائے راشدین کے ناموں کو خطبہ سے خارج کر کے بارہ اماموں کے نام داخل کیے۔ تبرا کرنے والوں کے لیے شاہی خزانہ سے وظیفے مقرر ہوئے۔ مہدوی طریقہ پر قائم رہنے والوں کو قتل یا جلا وطن کیا گیا اور بہت جلد حدود ریاست احمد نگر میں شیعہ مذہب پھیل گیا یہ خبر جب طہماسپ صفوی کو پہنچی تو اس نے ۹۵۱ھ میں ایران سے نہایت قیمتی تحفے اپنے سفیروں کے ذریعے برہان نظام شاہ کے پاس الگ اور شاہ طاہر کے پاس الگ روانہ کیے اور نظام شاہی سلطنت کے نہایت مخلصانہ تعلقات ایرانی سلطنت کے ساتھ قائم ہوئے ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہمایوں ایران میں طہماسپ صفوی کا مہمان تھا اور غالباً اس لیے شیر شاہ کا ارادہ تھا کہ دکن کی اس شیعہ ریاست کو فتح کرنے کے بعد ایرانیوں کے خلاف سلطان روم سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری کیا جائے ۔شاہ طہماسپ صفوی نے چند مہینے کے بعد ایک سفارت گجرات کے دربار میں بھی بھیجی تھی ۔آخر شاہ طاہر ۹۵۲ھ یا ۹۵۶ھ میں بمقام احمد نگر فوت ہوا۔اس کے بعد ۹۶۵ھ میں بیجا پور کی سلطنت عادل شاہیہ بھی ابراہیم عادل شاہ کی وفات کے بعد پھر شیعہ ہو گئی احمد نگر اور بیجا پور کی ریاستوں کا اثر گولکنڈہ کی ریاست قطب شاہیہ اور دوسرے روسا دکن نے بھی قبول کیا اور قریباً تمام اسلامی دکن میں شیعہ مذہب رواج پا گیا۔ دسویں صدی ہجری کے خاتمہ پر دکن کی یہ حالت تھی ادھر شمالی ہند کی وہ حالت تھی کہ شیعوں اور ہندوؤں کا زور تھا اور الحاد و بیدینی کے شایع کرنے میں حکومت کی طرف سے کوشش ہو رہی تھی اسی حالت میں گیارھویں صدی ہجری شروع ہوئی۔

مجدد صاحب اور دوسرے علما

شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی اور گجرات ، کشمیر، سیالکوٹ ،سہارن پور، قنوج

جون پور، بہار، دہلی، آگرہ وغیرہ کے بعض دوسرے علمائے ربانی کتاب وسنت کی خدمت میں ضرور مصروف تھے۔ لیکن شیخ احمد صاحب مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے گیارہویں صدی ہجری کے ابتدائی زمانہ میں سب سے زیادہ کتاب وسنت کی اشاعت کا کام انجام دیا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے اکثر حصوں میں دینِ حق کی مشعلیں روشن ہو کر جا بجا تاریکی کے پردوں میں رخنے پیدا ہوئے۔ نور جہاں اور اس کے خاندان والوں کی حمایت میں شیعیت نے مجدد صاحب کی بابرکت تحریک کا مقابلہ کیا اور سلطنت کی طاقت نے مجدد صاحب کو گوالیار کے قلعہ میں محبوس کیا لیکن مجدد صاحب کی تحریک سید محمد صاحب جونپوری کی تحریک کے مانند خود بخود اپنے لیے راستے نکالتی رہی۔ مجدد صاحب اور شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی کی اولاد اور ان کے شاگردوں نے اپنے آپ کو عرصہ دراز تک اس کام میں مصروف رکھا۔

دربارِ مغلیہ کا مضر اسلام اثر

جہانگیر اور شاہجہاں کا زمانہ عیش وعشرت اور سامان غفلت کی افراط کا زمانہ تھا۔ مسلمان امیروں اور صاحب ثروت لوگوں کے گھر میں احکام شرع اور تورۂ چنگیزی مساوی حیثیت سے برتے جاتے تھے جن میں ہندوانی رسموں کی بھی بہت کچھ آمیزش ہو چکی تھی۔ صوفیوں کی گدیاں اور خانقاہیں بھی ماحول کے تمام اثرات قبول کر کے ایک خاص نئے قالب میں ڈھل چکی تھیں مگر ہر حصہ ملک میں دنیوی اعتبار سے مفلس اور دینی اعتبار سے مالا مال لوگ بھی موجود تھے جو کتاب وسنت پر عامل اور اللہ اور رسول کی طرف متوجہ تھے۔ اعلیٰ طبقہ کی حالت کا صحیح اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ شاہ جہان کے بڑے بیٹے دارالشکوہ ولی عہد سلطنت نے مجمع البحرین نام کی کتاب لکھی اور اس میں قرآن مجید اور اپنشدوں کو مساوی درجہ کی چیز ثابت کرنا چاہا بلکہ قرآن مجید کو اپنشدوں کا انتخاب بتایا، چنگیزیوں اور تیموریوں کی حکومت کا یہ اثر تھا کہ مسلمان

گھروں میں آئین مغلیہ یعنی تورۂ چنگیزی کو حقوق وفرائض واخلاق بلکہ بعض عبادات تک میں شریعت اسلام پر مقدم رکھا جاتا تھا یہاں تک کہ آج کل بھی اسی زمانہ کا اثر باقی ہے کہ شریف کہلانے والے گھرانوں میں اس قسم کے فقرے عام طور پر سنے جاتے ہیں کہ

"میاں! یہ شرع تورہ کی بات ہے ہم جاہل لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں۔"

دیکھو شرع کے ساتھ تورہ کا لفظ کس طرح بطور تابع مہمل یا بطور بدل مبدل منہ استعمال ہوتا ہے اگر تورۂ چنگیزی کو قانون شرع کا مرتبہ سلطنتِ مغلیہ نے نہ دے دیا ہوتا تو آج ہم کسی شریف اور معزز مسلمان کی زبان سے شرع کے ساتھ تورہ کا لفظ اس طرح نہ سنتے۔ سجدہ زمین بوس جیسے شرک اور ظلم عظیم کا ہندوستان کے کسی اسلامی دربار میں نام و نشان تک نہ سنا گیا تھا لیکن اسی مغلیہ سلطنت اور تورۂ چنگیزی کی بدولت دربار شاہی میں انسانوں کو چوپایوں کی طرح ذلیل اور مسلمانوں کو بت پرستوں کی طرح مشرک وگمراہ بنایا گیا کہ بڑے بڑے عالی جناب مسلمان سردار اور آج کل کے استخواں فروش شرفا اور آباء پرست علماء کے باپ دادا دربار مغلیہ میں روزانہ کئی کئی مرتبہ سجدہ زمین بوس ادا فرماتے اور ہم چشموں میں مطلق نہیں شرماتے تھے۔ اسی خلاف توحید شرکیہ رسم کا یہ نتیجہ ہوا کہ صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں بھی سجدہ تعظیمی نے رواج پایا اور جب کسی نے اعتراض کیا تو آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کا ذکر کر کے جاہ طلب صوفیوں اور پیشہ ور مولویوں نے اس کو جائز ٹھہرایا۔

عالمگیر کی مساعی جمیلہ

بہر حال گیارہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ نے ملحد دارشکوہ کو لحد کے تختہ تک پہنچا کر تخت سلطنت پر جلوس فرمایا اور اس صدی کے آخری حصہ میں نہ صرف شمالی ہند کے طوفان الحاد و بے دینی کو مٹایا بلکہ دکن کی شیعیت

کا بھی جس کا تخم شاہ طاہر مذکور نے بویا تھا، استیصال فرمایا۔ اگرچہ عالم گیر رحمہ اللہ نے کتاب وسنت کی کوئی خصوصی خدمت انجام نہیں دی لیکن یہ کیا تھوڑی بات تھی کہ اس نے تورۂ چنگیزی کی اکثر مراسم کو مٹایا اور فتاوٰے عالمگیری کے نام سے فقہ حنفی کی ایک ضخیم کتاب بہت سے مولویوں کو جمع کر کے تصنیف و تالیف کرائی جو آج تک مولویوں کے ہزار ہا فتوؤں کا ماخذ ہے۔ عالمگیر کی کوششوں سے نہ صرف چنگیزی آئین وقوانین منسوخ ہوئے بلکہ ہندوانی اثر بھی بہت کچھ کم ہو کر اشاعت اسلام کے لیے مناسب فضا پیدا ہوئی لیکن عالمگیر کی وفات کے بعد ہندوستان میں پھر طائف الملوکی برپا ہوئی اور ہر طرف سے تلواروں کی چمک نظر آنے لگی، تڑپتی ہوئی لاشوں سے خون کے فوارے، غارت شدہ بستیوں سے دھوئیں کے بادل اور مظلوموں کے نالہ وفغاں بلند ہوئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بارھویں صدی ہجری کے شروع میں قاضی محبّ اللہ ابن عبد الشکور بہاری، قاضی صوبہ بہار المخاطب بہ فاضل خاں، میر سید مبارک محدث بلگرامی، خواجہ محمد نقشبند بنیرۂ مجدد صاحب الف ثانی، شاہ محمد فاخر الٰہ آبادی، شیخ احمد امیٹھوی المعروف بہ ملا جیون، شیخ ابو الفیض عبد الرحیم صاحب دہلوی، میر عبد الجلیل ابن سید احمد بلگرامی، میرزا جانجاناں مظہر دہلوی، ملا نظام الدین ابن ملا قطب الدین لکھنویؒ، شیخ محمد افضل سرہندیؒ، شیخ نور الدین گجراتی وغیرہ بہت سے علمائے ربانی ہندوستان کے مختلف حصوں میں موجود تھے لیکن اس افراتفری اور بے اطمینانی کے زمانہ میں کتاب وسنت کی اشاعت کا جو کام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے کیا وہ کسی دوسرے سے ممکن نہ ہوا۔ شاہ صاحب ممدوح نے ہندوستان میں سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی ترجمہ لکھا، اس ترجمہ کے شائع ہوتے ہی ہر طرف سے مخالفت کا شور برپا ہوا اور مولویوں نے شاہ صاحب کی تکفیر تک نوبت

پہنچائی۔ شاہ صاحب نے اس جوش مخالفت میں حج کا ارادہ کیا اور دو سال تک ہندوستان سے غیر حاضر رہے مکہ معظمہ میں قیام فرما کر دو حج ادا کیے اس کے بعد ہندوستان واپس آئے تو مخالفت کا جوش فرو ہو چکا تھا۔ واپس آ کر شاہ صاحب کو کتاب وسنت کی اشاعت وتبلیغ کا آزاد اور وسیع موقع ملا، یہی وہ زمانہ تھا کہ نادر شاہ ایرانی نے ایران میں جعفری مذہب ایجاد کیا جس کو شیعہ مذہب کی ایک اصلاح شدہ حالت کہنا چاہیے، اسی زمانہ میں محمد بن عبدالوھاب نے نجد میں شرک و بدعت کے استیصال اور کتاب وسنت کی اشاعت کے لیے زبردست تحریک شروع کی اور بعض سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کو محمد بن عبدالوھاب اور ان کے خاندان والوں کی مخالفت کرنی پڑی۔ ہندوستان میں آصف جاہ صوبہ دار دکن، صفدر جنگ صوبہ دار اودھ، نواب بنگش والی فرخ آباد، افغاناں روہیل کھنڈ، صوبہ دار پنجاب سب خود مختار ہو چکے تھے۔ سندھ، ملتان، گجرات، مالوہ، بنگال، کشمیر وغیرہ کی بھی یہی حالت تھی، مرہٹوں نے بھی اودھم مچا رکھی تھی۔ راجپوتانہ بھی آزاد ہو چکا تھا۔ انگریز بھی بنگال و مدراس وبمبئی میں اپنی طاقت بڑھانے اور ملک پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے۔ میسور میں سلطان حیدر علی بھی اپنی سلطنت قائم کرنے کے لیے سامان فراہم کر رہے تھے۔

اودھ اور روہیل کھنڈ کی جنگ، دراصل شیعہ سنی کی جنگ تھی

روہیل کھنڈ کے پٹھانوں کو دہلی سے خاص تعلق اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے خصوصی عقیدت تھی جس کے اسباب بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ لہٰذا روہیل کھنڈ میں کتاب وسنت کی اشاعت اور اس پر عملدرآمد کا زیادہ موقع ملا۔ صدر جنگ حاکم اودھ چوں کہ شیعہ اور ہندوستان بھر کے شیعوں کا پیشوائے اعظم کہا جا سکتا تھا لہٰذا اودھ اور روہیل کھنڈ کی جس قدر لڑائیاں ہوئیں ان کا اصل سبب یہی مذہبی اختلاف تھا۔ اس مذہبی اختلاف بلکہ مخالفت نے بڑا طول کھینچا۔ نجیب الدولہ فرمانروائے نجیب آباد اور حافظ رحمت خاں فرمانروائے بریلی متبع کتاب وسنت اور شیعیت سے سخت متنفر تھے۔ نجیب الدولہ نے دارانگر

میں برلب دریائے گنگ ایک عالیشان مدرسہ تعمیر اور جاری کر کے دینی تعلیم کو روہیل کھنڈ میں خوب رواج دیا۔ حافظ الملک حافظ رحمت خاں حاکم بریلی نے شیعہ مذہب کی تردید میں ایک کتاب لکھی۔ صدر جنگ نے اپنے سنی ہمسایوں سے انتقام لینے اور روہیل کھنڈ و فرخ آباد کو برباد کرانے کے لیے مرہٹوں کو شمالی ہند میں فوجیں لانے کی ترغیب دی اور روحیل کھنڈ کے سنی پٹھانوں نے مرہٹوں کے مقابلہ میں اپنی پوری طاقتیں صرف کیں۔ آخر دہلی پر مرہٹوں کا قبضہ ہوا۔ احمد شاہ درانی کی آمد اور پانی پت کی تیسری عظیم الشان جنگ نے مرہٹوں کا زور توڑا اور چند روز کے لیے اودھ کے شیعوں اور صفدر جنگ کے جانشین شجاع الدولہ کو مرعوب و خاموش ہونا پڑا۔ لیکن فوراً ہی مذہبی عصبیت بلکہ تعصب جوش میں آیا۔ مرزا نجف خاں تربیت کردہ شجاع الدولہ نے دہلی میں بادشاہ پر اپنا اثر قائم کیا۔ شجاع الدولہ نے انگریزی فوجوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ نجف خاں اوّل شاہی فوجیں لے کر دہلی سے نجیب آباد کی طرف روانہ ہوا اور چند روز کے بعد شجاع الدولہ انگریزی لشکر کے ساتھ بریلی کی طرف بڑھا۔ تمام روہیل کھنڈ کو روند ڈالا اور ان پٹھانوں کی بربادی کے ساتھ ہی دہلی کی سلطنت اسلامیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ بارھویں صدی ہجری کے آخر میں روہیل کھنڈ کے پٹھان انگریزوں اور اودھ کے شیعوں کی متفقہ کوشش سے برباد ہوئے اور اس کے بعد ہی تیرھویں صدی کے ابتدائی حصہ میں سلطان حیدر علی کی قائم کی ہوئی زبردست سلطنت نظام حیدر آباد اور انگریزوں نے مل کر برباد کی اور ٹیپو سلطان بن حیدر علی کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ﴾ [البقرۃ:۲/۱۵۴]

اور انگریزوں نے دہلی پر اپنا قبضہ قائم کیا۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں بھی اسی قسم کے حالات پیش آئے اور پنجاب کے سوا باقی تمام ہندوستان میں انگریزوں کی قیادت قائم ہو گئی۔

تیرھویں صدی کے مجاہدین اسلام

اس تیرھویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں سیدنا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی اور شاہ

عبد القادر صاحب دہلوی نے قرآن مجید کے دو لفظی اور با محاورہ دونوں قسم کے ترجمے اردو زبان میں کیے شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ محدث دہلوی نے درس حدیث کا سلسلہ جاری کر کے تمام ہندوستان کو سیراب کیا۔ آج ہندوستان میں جہاں کہیں حدیث کے درس کا سلسلہ جاری نظر آتا ہے وہ شاہ صاحب ممدوح ہی کے فیض کا نتیجہ ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اور مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں، جنھوں نے تیرھویں صدی ہجری کے ابتداء میں دین اسلام کی بہت خدمت کی۔ اسی زمانے میں سکھوں نے پنجاب کی مسلم آبادی کے لیے ارکان اسلام کا بجالانا غیر ممکن اور ان کا مسلمان رہنا دشوار بنا دیا لہٰذا سید احمد صاحب بریلوی رحمہ اللہ، شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ، مولانا عبد الحی صاحب اور ان بزرگوں کے دوستوں نے ہندوستان سے افغانستان کے سرحدی علاقہ میں ہجرت کی اور وہاں سے سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ اور سید صاحب رحمہ اللہ شہید ہوئے ان کی جماعت اور ان کے متبعین کا سلسلہ تو آج تک سرحدی علاقہ میں موجود بتایا جاتا ہے لیکن سکھوں کی حکومت وسلطنت عرصہ دراز ہوا کہ ختم ہو چکی ہے۔

تبصرہ:

اس تمام داستان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر کوئی بھی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ ملحدوں، بے دینوں، بدعتیوں، مشرکوں اور خود مسلمانوں کے برپا کیے ہوئے فتنوں سے مسلمان ایمن ومطمئن بیٹھے ہوں اور شریروں نے اپنی شرارت اور شیطانوں نے اپنی شیطنت اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں پوری طاقت کے ساتھ صرف نہ کی ہو اور کفر واسلام یا ظلمت ونور کی یہ جنگ کبھی ملتوی ہوئی ہو۔ خاص بات جو قابل التفات اور خصوصی توجہ کی مستحق ہے، یہ ہے کہ کفر وظلمت اور شیطانی طاقتوں نے ہر ملک اور ہر زمانے میں نئے نئے چولے بدل کر اور نئی نئی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو ہو کر اسلام کے مقابلہ میں

صف آرائی کی اور اپنی پوری طاقتوں سے کام لیا اور بظاہر دین حق کمزور اور مغلوب ہو کر کوئی دم کا مہمان نظر آیا لیکن پھر سنبھل کر اسی شان اور اسی آن بان سے مقابلہ پر مستعد دیکھا گیا۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد ہمیشہ فریب کھاتی اور طاغوتی طاقتوں کے بہکانے سے بھکتی اور راہِ راست سے بھٹکتی رہی لیکن ایک چھوٹی تعداد ہمیشہ قرآن و حدیث یعنی کتاب و سنت کو تھامے ہوئے صراطِ مستقیم پر قائم رہی۔ شیطانی اور طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں ہمیشہ ایک ہی ہتھیار اور ایک ہی سامان نے کام دیا اور وہ کتاب وسنت کے سوا دوسری چیز نہ تھی۔ عیسوی، موسوی، زردشتی، بودھ، برہمنی وغیرہ مذاہب کی تاریخ پر غور کرو اور سوچو کہ ان مذاہب پر جب کبھی کوئی افتاد پڑی اور ان مذاہب کے ماننے والوں میں کسی بدعت نے رواج پایا تو پھر وہ لوگ اس بدعت سے جدا ہو کر اپنے اصلی مذہب کی طرف ہرگز واپس نہ آسکے اور دم بدم اپنے اصل مذہب اور اصل عقاید سے دور ومہجور ہی ہوتے گئے اور مذہبی اعتبار سے اس قدر مسخ ومتغیر ہو گئے کہ آج ان مذاہب کی حقیقت واصلیت کا معلوم کرنا سراسر محال اور غیر ممکن ہو گیا ہے لیکن اسلام اپنی اس خصوصیت میں بالکل منفرد اور یکہ وتنہا ہے کہ اس پر ہزاروں ایسے طوفان آئے کہ ان میں صرف ایک ہی طوفان کسی دوسرے مذہب کو فنا اور مسخ کر دینے کے لیے کافی تھا لیکن اسلام کا ایک خط و خال اور ایک بال بھی متغیر نہ ہوا اور وہ اپنی پوری اور مکمل حالت میں ہمیشہ موجود اور جلوہ گر رہا ہے اور آج بھی اسی پوریا ور مکمل اسلام تک ہر شخص کی رسائی ہو سکتی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ کا اسلام تھا اور اسی لیے یہ نتیجہ استقرائیہ خود بخود برآمد ہو جاتا ہے۔ کہ آئندہ بھی اسی طرح بڑے بڑے فتنے اور طوفان برپا ہوتے رہیں گے لیکن اسلام کو وہ ہرگز ہرگز متغیر نہ کرسکیں گے اور اسی تصور کے ساتھ آیت:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ﴾ [الحجر: ۹/۱۵]

---

❶ بخاری، کتاب المناقب، باب ۲۸، رقم الحدیث: ، مسلم، کتاب الامارۃ: باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا تزال طائفۃ من امتی ...." رقم الحدیث: ۱۹۲۰، وما بعدہ۔

کی صداقت ذہن نشین ہو سکتی اور اس حدیث کا مطلب بھی سمجھ میں آ سکتا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ’’کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ قیامت تک صراطِ مستقیم پر قائم رہے گا۔‘‘ ❶

نیز ہر ایک شخص اس کے لیے جو فلاح دارین کا خواہاں۔ رضائے الٰہی کا طالب اور مقصد زندگی کو حاصل کرنا چاہتا ہے ہر وقت موقع حاصل ہے کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے اور اپنی عقل وفہم کی تگ وتاز اور بلند پروازیوں کے لیے نہایت وسیع میدان اور نہایت بلند و بسیط فضا پا کر تسکینِ خاطر اور اطمینان کامل پائے۔ اس ہمارے موجودہ زمانے میں جو جو فتنے اور طوفان شیطانی طاقتوں نے برپا کر رکھے ہیں ان کی حقیقت و اصلیت سے واقف ہونا بے حد ضروری اور ہمارے فرائض میں داخل ہے کیونکہ بیماری کی تشخیص کے بعد ہی مریض کے لیے پرہیز نسخے کے اجزاء اور اجزا کے اوزان متعین کیے جا سکتے۔ یعنی کتاب و سنت کی طرف متوجہ ہونے کی ترکیب بتائی جا سکتی ہے۔

باب پنجم

حاصل مطالعہ ومشاہدہ

مسلمانوں کی بد اعمالیوں اور آج کل کے فتنوں کی تعداد حد شمار سے بیرون افزوں ہے نہ سب کا استیعاب و استقراء ممکن اور نہ اس محنتِ شاقہ کی ضرورت۔ اس جگہ محض مثال کے طور پر بعض باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

تقلید جامد:

اگر ہم اپنے ماں، باپ اور اساتذہ کی تقلید نہ کرتے تو آج انسانیت کی نہایت ابتدائی ضرورتوں سے بھی محروم ہوتے۔ ہم میں ہوش وحواس کے پیدا ہونے سے پہلے تقلید یعنی دوسروں کے نمونہ پر کام کرنے اور نقل اتارنے کا مادہ موجود تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اپنی مادری زبان بھی نہ سیکھ سکتے۔ اگر استاد کے ہر ارشاد کی بلا دلیل تعمیل نہ کرتے تو الف ب یعنی حرفِ ہجا سے بھی واقف نہ ہوتے کتابوں کا پڑھنا اور لکھنا تو بڑی بات تھی۔ ہمارا کھانا، پینا، چلنا، پھرنا روزی کمانا اور تمام ضروریات زندگی کا فراہم کرنا اسی تقلید سے وابستہ ہے۔ [1] مکتب یا مدرسہ میں استاد کی تقلید

[1] شریعت اسلامیہ میں ہمیں اطاعت واتباع کا امر دیا گیا ہے اور کہیں بھی تقلید کا حکم موجود نہیں کیونکہ تقلید کہتے ہیں کسی بھی شخص کی بات یا عمل کو بے دلیل مان لینا۔ دنیوی امور میں اس کی حاجت محسوس ہوتی ہے۔ البتہ امور دینیہ میں بے دلیل بات تسلیم نہیں کی جا سکتی ہے۔ عامی آدمی کے لیے اہل علم سے مسئلہ پوچھنے اور سوال کرنے کا حکم ہے اور اہل علم اسے کتاب وسنت کی مدد سے مسئلہ بتائیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ "اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم نہیں جانتے۔"
کتاب وسنت کے دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ اور سلاطین ظاہرہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ذکر سے

ہماری دماغی واخلاقی نشوونما کا موجب بنتی ہے۔ ہر ایک علم اور ہر ایک فن کی اصطلاحات ومبادیات اگر تقلیدی طور پر بلا چون و چرا یاد نہ کی جائیں تو کوئی علم وفن حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ لغات ومحاورات کے معانی ومطالب اگر مقلد بن کر نہ سیکھیں تو عربی و فارسی وغیرہ کسی زبان میں زبان دان نہیں بن سکتے۔ سانپ اور سنکھیے کا موجب ہلاکت اور بہت سی دواؤں کا موجب شفائے امراض ہونا بھی ہم کو تقلیدی طور پر معلوم ہوا۔ میدانِ جنگ میں لڑنے والی فوج اگر اپنے سپہ سالار کے ہر ایک حکم کی بلا چون وچرا تعمیل نہ کرے تو کبھی فتح مند نہیں ہوسکتی اور ذمہ دار حاکموں کے ماتحت اہلکار اگر احکام کی بلا دلیل تعمیل نہ کریں تو ملک کا انتظام وامن وامان ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔ غرض ہماری تمام جسمانی، روحانی، دماغی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی ترقیات وکمالات کی بنیاد تقلید اور بلا چون وچرا تقلید پر رکھی گئی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی بھی اسی اتباع وتقلید کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

﴿ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾

[سورہ الحشر: ۷/۵۹]

مراد قرآن اور حدیث ہے اور اہل ذکر قرآن وحدیث والے شمار ہوں گے جیسا کہ صاحب سبل السلام نے "ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتہاد" میں ص:۱۲۸ میں ذکر کیا ہے۔

اور آیت کے بعد بالبینت والزبر سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلائل و براہین سے بات کی جائے۔ لہٰذا عامی آدمی اہل علم سے پوچھے اور وہ اسے کتاب وسنت سے مسئلہ بتائے جب کہ عامۃ مقلدین کا طرز عمل اس کے برعکس ہے وہ فتویٰ نویسی اور ارشاد و وعظ میں کتاب وسنت کو بالائے طاق رکھ کر اپنے فقہاء کے فتاویٰ جات، آراء، قیاسات سے فتویٰ صادر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی کی رائے کا پابند ہمیں نہیں بنایا۔ تقلید علم کا راستہ نہیں ہے اور تقلید جہالت سکھاتی ہے اس پر اہل علم کا اجماع ہے اور عامی کا مفتی کی طرف رجوع کرنا، قاضی کا گواہوں سے پوچھنا اور اللہ و رسول کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے کیونکہ مفتی اپنا فتویٰ دلیل سے صادر کرنے کا پابند ہے۔ گواہ ماننا کتاب وسنت میں بتایا گیا ہے یہ سب ادلہ ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ کم جاننے والوں کے لیے اپنے آپ سے زیادہ جاننے والوں کی تقلید کرنا اور اس ذریعہ سے ترقی کی منازل کا طے ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور یہی تقلید تمام انسانی ترقیات کا موجب ہوئی ہے لیکن اگر وہ مقتدا جس کی تقلید کی جاتی ہے خود غلطی پر ہو یا دانستہ ہمارے سامنے اپنا غلط نمونہ پیش کرے تو اسی تقلید کی بدولت ہم گمراہ اور غلطی میں مبتلا ہو سکتے اور بجائے اس کے کہ کامیاب و مقصد ور ہوں ناکامی و خسران کا منہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ گنواروں کے بچے شہریوں کی صاف وشستہ زبان سیکھنے سے محروم رہتے۔ وحشیوں اور جنگلی لوگوں کی اولاد مہذب اور شائستہ لوگوں کے اخلاق ومعاشرت سے بے بہرہ رہتی ہے۔ بری صحبت میں بیٹھنے والے بری باتیں سیکھتے اور اچھی صحبتوں میں رہنے والے نیک بن جاتے ہیں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے: ﴿كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کا حکم دیا ہے پس جب کہ تقلید میں مذکورہ خطرہ ونقصان بھی موجود ہے تو اس کے حدود کا تعین لازمی ہوا۔

غور وتامل سے یہ بات باآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان کے قویٰ جب تک کمزور رہتے ہیں اور وہ حدِ بلوغ کو نہیں پہنچتا اور اس میں کارآمد عقل اور سمجھ پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک وہ اضطراری طور پر مقلد ہوتا ہے اور اس اضطراری تقلید سے ہر قسم کے منافع حاصل کرتا ہے لیکن جب اس میں عقل وفراست پیدا ہوجاتی ہے تو اس کی تقلید کا مرتبہ اختیاری ہو جاتا ہے اور عقل کو کام میں لائے بغیر اگر وہ کسی کی تقلید کرتا ہے تو نقصان اٹھاتا ہے۔ وہ تمام امور جو انسان کے لیے نفع ونقصان اور ترک وتسلیم میں کوئی اہمیت رکھتے ہیں اس کے بالغ اور سمجھدار ہونے کے بعد ہی اس کے راستے میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عقل اور سمجھ کے موجود ہوئے بغیر یعنی بالغ ہونے سے پہلے یا دیوانہ ہو جانے کے بعد انسان احکام شرع کی تعمیل سے آزاد ہوتا ہے۔ عقل وفہم کے ساتھ اختیار وارادہ معتبر اور اختیار وارادہ کے معتبر ہونے کے ساتھ ہی حدودِ شرعیہ کی پابندی لازم ہو جاتی ہے۔ اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ ناسمجھ بچے اضطراری طور پر جس تقلید کے لیے مجبور ہیں اس کو تقلید جامد کہتے ہیں

اور وہ بے عقل اور نا سمجھ لوگوں کے لیے کار آمد اور مفید ہو سکتی ہے اور وہ حدود شرع سے باہر کی چیز ہے عقل اور فہم وفراست کو کام میں لا کر نفع رساں اور ضروری چیزوں کے سیکھنے اور کسی کی پیروی کرنے کو حصولِ ہدایت اور اتباع واطاعت کہتے ہیں اور یہ حدود شرع سے عموماً باہر نہیں ہوتی۔ شریعتِ اسلام میں تقلید کی حیثیت وحقیقت کیا ہے؟ موجودہ اصطلاحی تقلید جو فقہی مذاہب اربعہ اور ائمہ اربعہ کے ساتھ مخصوص ومحدود ہے آیا واجب ہے یا کیا؟ اجتہاد اور مجتہد کی تعریف و حدود کیا ہیں؟ قیاس اور رائے میں کیا فرق ہے؟ یعنی ان کو کام میں لانے کی کہاں تک اجازت ہے؟ حیلہ شرعی اور بدعت حسنہ کی حقیقت کیا ہے؟ ان تمام سوالات کے جواب میں میں ایک الگ مستقل کتاب لکھنے کا عزم رکھتا ہوں۔ لہٰذا اس کتاب میں تقلید کی مذہبی بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔ اس جگہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس طرح دنیوی تقلید جامد عاقل بالغ انسانوں کے گلے کا ہار بن کر انواع واقسام کے مصائب کا موجب بنتی ہے اسی طرح دینی ومذہبی تقلید جامد بھی باعثِ اذیت اور موجبِ نقصان ہو جاتی ہے۔ ذیل میں دنیوی تقلید جامد کی چند مثالیں درج کرتا ہوں۔ جو یقیناً فہم مطلب میں معین اور دلچسپی سے خالی نہ ہوں گی۔

① میں نے ایک بزرگ سے جنھوں نے دردِ سر وغیرہ کی شکایت کی تھی عرض کیا کہ موسم سرما میں آپ جرابیں ضرور استعمال کریں تاکہ پاؤں گرم رہیں اور آپ کو دردِ سر کی شکایت نہ ہو، انھوں نے اس سے انکار کیا۔ میں نے طبی اعتبار سے نہایت واضح دلائل کے ساتھ ان کو سمجھایا کہ اس موسم سرما میں پاؤں کے سرد رہنے کا دماغ پر کیا اثر ہوتا ہے مگر وہ جرابیں پہننے پر رضا مند نہ ہوئے۔ میں نے کہا اچھا آپ کشمیرے کا گرم پاجامہ پہنیں تاکہ پاؤں کا اکثر حصہ گرم رہ سکے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا باپ دادا پر دادا نے کبھی جرابیں نہیں پہنیں اور کشمیرے کا پاجامہ بھی کبھی استعمال نہیں کیا۔ لہٰذا ہم اپنی خاندانی روایات کے خلاف کوئی لباس ہرگز اختیار نہ کریں گے اور ہماری شرافت و وضعداری

تمھارے مشورے پر عمل کرنے کی کسی طرح اجازت نہیں دیتی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے دادا صاحب کے زمانے میں یہ لٹھا کہاں تھا؟ جس کا آپ پاجامہ پہن رہے ہیں اور یہ چھینٹ کہاں تھی جس کا روئی دار اچکن زیب بدن کیے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر وہ ناراض ہو گئے اور ان کے رضا مند کرنے میں مجھے بڑی دقت پیش آئی۔

۲ ایک دوست پر ستمبر مہینے کے موسمی بخار کا اثر ہوا۔ میں نے ازراہِ ہمدردی عرض کیا کہ آپ دونوں وقت کھانا کھانے کے بعد پانچ گرین کونین یا اس کی گولی استعمال فرمالیا کریں انھوں نے کہا کہ کونین کو تو بڑی گرم آتش بتاتے ہیں، میں نے کہا کہ آپ اوّل اس کو ہاتھ لگا کر دیکھ لیں اگر آپ کا ہاتھ نہ جلے اور گرم معلوم نہ ہو تو کھائیں۔ کہا کہ میرا مدعا ظاہری گرمی سے نہیں ہے بلکہ اس کی تاثیر گرم ہے۔ میں نے کہا اس کی تاثیر ملیریا بخار کے مادہ کو زائل کرنے کی ہے گرم اور سرد تاثیر بے حقیقت باتیں ہیں۔ کہنے لگے: میں نے آج تک کوئی انگریزی دوا نہیں کھائی۔ کیونکہ ساری انگریزی دوائیں گرم آتش ہوتی ہیں اور انسان کو پھونک دیتی ہیں۔ میں نے کہا انگریزی دواؤں کا اس لیے کہ وہ انگریزی یعنی غیر ملکی ہیں استعمال نہ کرنا تو قابلِ قدر ہو سکتا ہے لیکن سب دواؤں کا گرم آتش ہونا اور انسان کو پھونک دینا صحیح نہیں اور آپ کے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل بھی نہیں۔ کہا سارے محلّہ میں یہاں سے وہاں تک دریافت کر دیکھو ہر شخص میرے قول کی تصدیق کرے گا اور ہمارے بڑے بوڑھے اور پرانے طبیب احمق تو نہ تھے کہ وہ عطاروں کی دوکان کے جو شاندے اور شربت وجوارش ہی استعمال کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ بڑے بوڑھے اور پرانے طبیب تو احمق نہ تھے مگر آپ کی حماقت اگر یقینی نہیں تو تحقیق طلب ضرور ہے۔ وہ اتنی ہی بات پر مجھ سے روٹھ گئے۔

③ دوستوں کی ایک بے تکلف مجلس میں اتفاقاً میری زبان سے یہ شعر نکلا ۔

تبسم مے چکد بے اختیار از غنچۂ نازش
لب مے گونِ ساقی چشم مخمور است پنداری ❶

ایک دوست نے فوراً اعتراض کیا کہ ''یہ تشبیہ بالکل غلط اور نا درست ہے۔ میں نے کہا: ''کیوں؟ کہا'' اگر صحیح ہے تو استادوں کے اور اشعار ثبوت میں پیش کرو''۔ میں نے کہا ''مجھے کوئی ایسا شعر یاد نہیں لیکن اگر استادوں کے ایسے اشعار مل جائیں تو سب سے قدیم اور سب سے پہلے استاد کے لیے صحت کی دلیل کیا ہوگی''؟ اس کا جواب ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

④ میں نے ایک بزرگ کو خط لکھا۔ اس میں بجائے'' آداب وتسلیمات'' کے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' لکھا۔ انھوں نے اس کو گستاخی شمار کی اور لوگوں سے شکایت کی کہ چھوٹے ہمیشہ بڑوں کو آداب وتسلیمات لکھا کرتے ہیں اور قدیم سے یہی دستور چلا آتا ہے۔ آج کل کے چھوٹے برابر والوں کی طرح بڑوں کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ ایک بزرگ کا قصہ سنا ہے کہ ان کو کسی قصائی نے جو نماز روزہ کا پابند اور اپنی برادری کا چودھری بھی تھا السلام علیکم کہا۔ انھوں نے اس کو اپنی توہین سمجھا اور قصائی کو گالیاں دے کر مارنے کے لیے اٹھے۔ لوگوں نے بمشکل قصائی کو بچایا اور ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس قدر ناراضی کی کیا بات تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ ہمیشہ ہم کو جھک کر ''میاں سلام'' کہا کرتے تھے اب یہ برابر والوں کی طرح السلام علیکم کہنے لگے، بقول فردوسی :ع

---

❶ اس محبوب کے غنچۂ نما لبوں سے بے اختیار تبسم یوں ٹپک رہا ہے، کہ تو دیکھے تو یہ سمجھے کہ نشہ کیے ہوئے ساقی کے شرابی رنگ کے لبوں سے تبسم ٹپک رہا ہے یعنی وہ پھول کھلنے ہی کو ہے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو ❶

⑤ میرے ایک دوست اپنا مکان تعمیر کرا رہے تھے اور جو حصہ زیر تعمیر تھا اس میں پختہ اینٹیں چونے کے ذریعہ لگائی جا رہی تھیں۔ چونے والی تعمیر میں اینٹوں کا اوّل پانی میں کچھ عرصہ تک بھیگا رکھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ اینٹ اور چونے میں تعلق پائیدار و استوار ہو جائے۔ میں اتفاقاً وہاں چلا گیا اور دیکھا کہ ایک تغار یعنی چھوٹا سا عارضی حوض صحن میں بنا ہوا ہے۔ اس کے چاروں طرف ایک ایک اینٹ کھڑی کر کے چونے سے جوڑی گئی ہے اور اس میں پانی بھر کر اینٹیں بھگنے کے لیے ڈال دی گئی ہیں۔ لیکن تغار کا پانی کسی سوراخ کے ذریعے جلد باہر نکل جاتا یا زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ سقّا جس کنویں سے مشکیں بھر بھر کر لاتا اور اس میں ڈالتا ہے وہ کنواں ذرا فاصلہ پر ہے لہٰذا سقّا ہر مرتبہ جب پانی کی مشک لاتا ہے تو اس تغار میں کسی سوراخ کو تلاش کرتا ہے تاکہ اسے بند کرے اور پانی اس طرح ضائع ہونے سے بچے۔ میں نے یہ تماشا دیکھا اور اپنے دوست سے کہا کہ جس قدر اینٹیں آپ کے اس عارضی حوض میں آ سکتی ہیں اس سے زیادہ تعداد

---

❶ ''اے گردش کرتے ہوئے اے آسمان!...... تجھ پر لعنت ہے کہ تو نے یہ دن دکھائے۔ (نعوذ باللہ)'' یہ فردوسی شاعر کے شعر کا مصرعہ ہے۔ فردوسی سلطان محمود غزنویؒ کا درباری شاعر تھا، اس نے شاہنامہ لکھا۔ جب محمود نے شاہنامہ کے شعر سنے تو تاریخ ایران کے بادشاہوں کی تاریخ اشعار میں لکھنے کے لیے کہا تو اس نے ۳۲ ہزار شعر لکھے۔ سلطان کی طرف سے معاہدہ ہوا تھا کہ جتنے شعر کہو گے اتنی ہی اشرفیاں دوں گا۔ جب شعر مکمل ہوئے تو ۳۲ ہزار اشرفیوں کی بجائے ۳۲ ہزار سکے دیے گئے، تو اس نے محمود غزنوی کے خلاف شعر لکھے کہ یہ تو غلام ہے، غلام کا بیٹا ہے، اگر بادشاہ ہوتا تو مجھے پورا معاوضہ دیتا۔ یہ لکھ کر کتبہ وہاں ٹانک کر چلا گیا، جب پتہ چلا تو محمود نے کہا اسے پکڑو لیکن وہ ہرات کی سرحد پار کر چکا تھا۔ لہٰذا فوجی پکڑنے سے قاصر رہے۔ محمود نے ۳۲ ہزار اشرفیاں اس کو اس کے وطن میں گھر پر بھیجیں، جب سلطان کے نمائندے گئے تو وہ مر چکا تھا اور اس کا جنازہ نکل رہا تھا۔ سلطانی نمائندوں نے اشرفیاں اس کی بیٹی کو دینا چاہیں لیکن بیٹی نے وصول نہ کیں اور کہا کہ میرے باپ نے جس کام کے لیے سب کچھ کیا جب وہ خود ہی نہ رہا تو اس کا کیا فائدہ۔ یہ شاعر شیعہ تھا اور عربوں کے خلاف تھا۔

اس لوہے کے عظیم الشان کڑھاؤ (بڑی کڑھائی) میں آ سکتی ہیں جو اس وقت بیکار پاخانے کی دیوار سے لگا ہوا کھڑا ہے۔ آپ اس کڑھاؤ کو پانچ چھ آدمیوں سے سیدھا کرا کر اس حوض کے پاس یا اس کے اندر رکھوا دیں اور اینٹیں اس میں بھگوئیں اس طرح پانی زیادہ خرچ نہ ہو گا اور آپ بخوبی اپنے مقصد کو پالیں گے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن قدیمی دستور یوں ہی چلا آتا ہے کہ اینٹیں تغار میں ہی بھگوئی جائیں۔ میں سن کر خاموش ہو رہا اور کوئی دوسرا ذکر چھیڑ دیا۔

⑥ جس زمانے میں رسالہ عبرت جاری تھا۔ تبادلہ میں بعض زراعتی رسالے بھی آیا کرتے تھے اور مجھ کو کبھی کبھی ان کے پڑھنے کا موقع بھی مل جاتا تھا۔ پنجاب کے بعض اضلاع میں زمین جوتنے کے لیے نئی قسم کے ہل ایجاد ہوئے ہیں جن کے ذریعہ تھوڑی محنت میں زیادہ زمین تیار ہو جاتی ہے۔ ان ہلوں اور ان کے پرزوں کی الگ تصویریں بھی ایک رسالہ میں موجود تھیں۔ میں نے ازراہ ہمدردی ایک صاحب کو جو کاشت کاری کرتے تھے ہلوں کی مذکورہ تصویریں دکھائیں ان کے استعمال کرنے کے طریقے پڑھ کر سنائے۔ ہلوں کی قیمت اور ان کے ملنے کا پتہ بھی بتایا اور کہا کہ تم اس نئے ہل کو استعمال کر کے فائدہ اٹھاؤ۔ انھوں نے سب باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا اور اس طرح فائدہ حاصل ہونے کی توقع بھی ظاہر کی۔ لیکن اپنی مجبوری بڑی حسرت زدہ لہجہ میں اس طرح ظاہر کی کہ ہمارے خاندان میں کئی پشتوں سے کھیتی کا پیشہ چلا آتا ہے ہمارے باپ دادا نے جس قسم کے ہلوں سے کام لیا ہے ہم اس کے خلاف دوسری قسم کے ہل کیسے استعمال کر سکتے ہیں اور اگر استعمال کریں گے تو دوسرے ہمسایہ کاشت کار بھی معترض ہوں گے اور ہمارا مذاق اڑائیں گے۔

اس قسم کی سینکڑوں ، ہزاروں مثالیں بیان کی جا سکتی ہیں اور یہ سب تقلید جامد کے کرشمے ہیں جنھوں نے لوگوں کو صاحب عقل ہوتے ہوئے بے عقل اور بینائی ہوتے

ہوئے نابینا بنا رکھا ہے اب سوچنے اور غور کے قابل بات یہ ہے کہ کیا ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ خلافت وحکومت اور سلطنت و بادشاہت عطا کر دیا کرتا ہے اور کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی قسم کی دماغی نشوونما اور تربیت پائی تھی اور کیا اس طوفان کو کم کرنے کے لیے سعی وکوشش کی ضرورت نہیں؟ اور کیا مسلمانوں کو مسلمان بنانا سب سے مقدم اور اہم کام نہیں؟

اطاعت وفرمانبرداری

چونکہ کمزور اور مجبور بچے کو اپنے آپ سے زیادہ طاقت رکھنے والے با اختیار والدین یا دوسرے بزرگوں کی تقلید کرنی پڑتی ہے جو اس سے محبت بھی کرتے اور اس کے محسن بھی ہوتے ہیں لہٰذا انسانی فطرت میں یہ بات مرتکز پائی جاتی ہے کہ ہر ایک طاقتور اور ہر ایک محسن ومحبّ اس قابل ہے کہ اس کی تقلید و پیروی کی جائے۔ انسانی فطرت کے اسی تقاضے کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعت والدین کو ضروری قرار دیتے ہوئے بھی جا بجا اپنی طاقت و قدرت اور اپنے احسانات کی طرف انسان کو توجہ دلائی اور اس سے اپنی فرمانبرداری چاہی ہے۔ انسان جس طرح دوسروں کی طاقت واحسان سے متاثر ہو کر اطاعت وفرمانبرداری پر آمادہ ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ طاقتور اور دوسروں کا محسن یقین کرتا ہوا ان سے اپنی اطاعت چاہتا ہے چنانچہ باپ کو بیٹے سے استاد کو شاگرد سے بادشاہ کو رعایا سے اور ہر حاکم کو محکوم سے اطاعت و فرمانبرداری کی توقع ہوتی ہے۔ جب کئی طاقتوروں کی طاقتوں اور کئی محسنوں کے احسانات میں مقابلہ پیش آ جائے تو عقل کا فیصلہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ سب سے بڑے طاقتور اور سب سے بڑے محسن کو دوسرے طاقت وروں اور دوسرے محسنوں پر مقدم رکھا جائے اور تضاد واقع ہو تو بلا تامل بڑے کی فرمانبرداری اختیار کر کے چھوٹے کی اطاعت سے انکار کر دیا جائے۔ لیکن جب بڑے اور چھوٹے میں امتیاز نہ کیا جائے گا تو انسان لازماً صراط مستقیم اور مقتضائے عقل

سلیم سے جدا ہو جائے گا۔ شریعتِ اسلام انسان کو بتاتی اور سمجھاتی ہے کہ اللہ کے برابر کوئی طاقتوں کا مالک نہیں اور اللہ کے مانند کوئی محسن نہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر مقدم رکھو اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کے موافق اس کے رسول کی اطاعت اور اسی کے حکم کے موافق ماں باپ اور اولوالامر کی فرمانبرداری کرو یہی عقل کا تقاضا اور یہی نور فراست کا مقتضا ہے۔ لیکن انسان جب عقل اور شریعت کی روشنی سے کام لینا اور فائدہ اٹھانا چھوڑ دیتا ہے تو شیطانی و نفسانی تاریکیوں میں آوارہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ کاملہ کے یقین سے جدا ہوکر شرائط ایمان کو برباد کر دیتا اور ہوائے نفسانی کی موجوں میں بہنے لگتا ہے۔ زبان سے ہستی باری تعالیٰ کا اقراراور اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرتا ہے۔ لیکن اس کا دل اس کی زبان سے اور اس کا ایمان اس کے اسلام سے موافق نہیں ہوتا اپنے دنیوی فائدے کے لیے جھوٹ بولنے، اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی بیجا حمایت کرنے معمولی عذر پر نماز ترک کرنے، سود لینے، زکوٰۃ نہ دینے اور دنیا کو دین پر مقدم رکھنے میں تامل نہیں کرتا۔ ایسے شخص کی نمازیں اور روزے، اس کا مسلمانوں کا سا نام، مسلمانوں کا سا لباس، مسلمانوں کی سی صورت۔ اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے بلکہ یہ تمام چیزیں اس لیے ہوتی ہیں کہ مسلمانوں سے اور برادری سے ڈرتا اور اپنے مجلسی حقوق قایم رکھنے کی خواہش کو پورا کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی ہستی میں شبہ ہوتا اور بلکہ وہ حقیقتاً منکرِ الٰہہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے صفاتِ حسنہ کاملہ کا یقین رکھتا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو ضروری سمجھتا تو اپنی خواہشات نفسانی کو اللہ اور رسول کی اطاعت کے مقابلے میں ہرگز مقدم نہ ٹھہراتا۔

اسلاف پرستی

جب انسان حقیقت ایمان و اسلام اور فرمانبرداری الٰہی سے بے پروا اور جدا ہو کر ادھر ادھر ٹاپک ٹوئیے مارتا اور خواہش نفس و شیطان کے آگے آگے ہو لیتا ہے تو اس

کے نزدیک سب سے بڑا سہارا اپنے خاندان اور قبیلہ کی عصبیت میں پناہ لینا۔ اپنے بزرگوں کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار کرنا اور اپنے اعمال نا بائیستہ کو شائستہ ثابت کرنے کے لیے شرعی جواز کی صورتیں کسی نہ کسی طرح پیدا کرنا ہوتا ہے ایسے شخص کے سامنے جب کبھی رسول ورسول کے صاف صاف احکام پیش کیے جاتے ہیں تو وہ کبھی اپنے دادا یا پردادا کا نام لیتا۔ کبھی اپنے دادا استاد اور بڑے مولوی صاحب مرحوم کا حوالہ دیتا۔ کبھی آیات و احادیث کے الفاظ کا مفہوم اپنے حسب منشاء متعین کرتا۔ کبھی اپنی مانند گمراہ شدہ گزشتہ لوگوں کو اپنا بزرگ و مقتدا کہہ کر ان کی پیروی وتقلید کو ضروری بتاتا۔ اور کبھی کسی بزرگ کا کوئی بلا دلیل قول پیش کر کے قرآن و حدیث اور فہم وخرد سے یہ کہہ کر صاف صاف بغاوت اختیار کر لیتا ہے کہ ہمارے بزرگ تم سے زیادہ شریعت سے واقف اور تم سے زیادہ قرآن و حدیث کے عالم تھے۔ ایک مرتبہ اسی قسم کے ایک شخص سے میری گفتگو بعض شرکیہ و بدعیہ مراسم کے متعلق ہوئی۔ جب وہ ہر طرح لاجواب اور مجبور ہو گیا تو اس نے آخر میں یہی سب سے بڑی دلیل پیش کی ہمارے بزرگ شریعت سے ناواقف نہ تھے اور وہ ان مراسم کو بجا لاتے تھے۔ میں نے کہا کہ اپنے پوتوں اور پڑپوتوں کے لیے تم بھی ایسے ہی بزرگ قرار پاؤ گے جیسے آج اپنے دادا اور پردادا کو تم اپنا قابل اقتدا بزرگ قرار دے رہے ہو۔ حالانکہ اس وقت تمہاری بے بضاعتی اور جہالت ثابت شدہ ہے۔ پس کیوں نہ یقین کیا جائے کہ جس طرح تمھارے پاس کوئی معقول دلیل نہیں ہے اسی طرح تمہارے باپ دادا کے پاس بھی ان بد اعمالیوں کی کوئی دلیل نہ تھی۔

درحقیقت ایسے ہی لوگ شیطان کی کھیتی بلکہ اس کی ذریت اور اعوان و اخوان ہوتے ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کا بار بار ذکر کیا اور ہر ایک نبی کو اسی قسم کے دشمنوں اور منکروں سے واسطہ پڑا ہے جیسا کہ آئندہ کسی باب میں بالتفصیل اس کا ذکر آنے والا ہے۔ باپ دادا کا نام لے لے کر اور اپنے بڑوں کی راہ و روش پر قائم رہنے کو ضروری قرار دے کر انبیاء علیہم السلام

کی مخالفت کرنا صراط مستقیم کی طرف آنے سے متنفر ہونا اور دین حق سے لوگوں کو روکنا نسل انسانی کی پرانی سنت اور شیطان لعین کا نہایت کاری حربہ ہے۔ جب ایسے لوگوں کیکثرت ہوتو جاہ پسند، زر پرست اور پیشہ ور مولویوں کا گروہ کیوں برسر اقتدار نہ آئے اور مذکورہ دنیا دار لوگوں کی رہنمائی و پیشوائی کا فخر حاصل نہ کرے۔

جاہ پسند اور بندہ دینار و درھم مولوی

ان پیشہ ور اور زر طلب دنیا کے کتوں نے آج کل مسلمانوں کی قوم کے اتحاد و اتفاق کو بالکل ملیا میٹ اور برباد کر دیا ہے امید نہیں کہ اس گروہ کے برسر اقتدار رہنے کی حالت میں ہندوستان کے مسلمان متحد و متفق ہو سکیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

«اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ الاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ» [1]

”میں اپنی امت کے متعلق گمراہ کرنے والے اماموں یعنی فریب دینے والے لیڈروں سے ڈرتا ہوں۔“

ان مولویوں میں پانچ فیصد بلکہ ایک فیصد بھی ایسے نہیں ہوتے جنہوں نے قرآن مجید کو فکر و تدبر کے ساتھ ایک مرتبہ بھی اوّل سے آخر تک پڑھا ہو۔ یا صحاح ستہ یا صحیحین یا مشکوۃ یا عمدۃ الاحکام جیسا چھوٹا سا رسالہ بھی حدیث کا بغور مطالعہ کیا ہو۔ لیکن کنز، قدوری، فتاوٰی قاضی خان فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں عمریں صرف کر دیتے ہیں۔ لطف یہ کہ فتاوٰی اور فقہ حنفی کی کتابوں میں ہدایہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس میں مسائل کے اصول استخراج پر بھی نظر ڈالی گئی اور کسی قدر احادیث کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں اور غور و فکر کرنے والے کے لیے تھوڑا بہت سامان موجود ہے لیکن ہدایہ میں جس قدر یہ چیز موجود ہے ہمارے مولویوں کی اسی قدر اس کتاب کی طرف توجہ کم ہے ان لوگوں نے دین کو تمسخر اور بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے۔ جو نفس پرست دولتمند اور

[1] ابو داؤد کتاب الفتن : باب ذکر الفتن و دلائلھا ،رقم الحدیث: ٤٢٥٢ ، ترمذی ، کتاب الفتن: باب ماجاء فی الائمة المضلین ، رقم الحدیث: ٢٢٢٩ ، ابن ماجه ، کتاب الفتن : باب ما یکون من الفتن ، رقم الحدیث: ٣٩٥٣

جو صاحب سیم و زر چاہے اپنی تمام نفسانی و شیطانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے انواع و اقسام کے شرعی حیلے ان مولویوں سے ایجاد کرائے۔ شرک و بدعت کے مٹانے اور قرآن و حدیث کی طرف توجہ دلانے کا نہ ان کو کبھی خیال آتا ہے نہ اس کام کو یہ لوگ ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ان کو خود قرآن و حدیث سے واقفیت، استنجا اور آبدست کے متعلق مسائل کی تمام موشگافیوں کو جو ان لوگوں نے اپنی ذہانت اور محنت کو کام میں لاکر فرمائی ہیں اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو شاید کئی جلدوں کی ایک ضخیم و جسیم کتاب بن جائے۔ لیکن شرک و بدعت جس کے طوفان مسلمانوں میں اُمڈے ہوئے ہیں اور جس نے مسلمانوں کو خَسِرَ الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃَ بنا رکھا ہے اسی کی طرف سے ہمارے مولوی اس قدر غافل اور بے پرواہ ہیں کہ گویا مسلمانوں میں شرکیہ و بدعیہ مراسم اور بداعمالیوں کا کہیں نام و نشاں ہی نہیں۔ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں یقیناً چھ کروڑ مسلمانوں کو گور پرستی میں مصروف دیکھتے اور آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ بلکہ پیرانِ کلیر اور اجمیر کے عرسوں میں شریک ہو ہو کر گور پرستی کی رونق دوبالا کرتے اور وہاں گور پرستوں کو مسرور کرنے والے وعظ فرماتے ہیں۔ بڑا ہی بہادر اور میدانِ مولویت کا تیس مار خان بھی اپنے وعظ میں عرس پیران کلیر یا عرس اجمیر کی بیہودگیوں اور بے حیائیوں کے خلاف لب کشائی نہیں کر سکتا۔ بدعتِ مولود کی غزل خوانیوں اور مسلمانوں کی بے شرمیوں کے خلاف وعظ فرمانا تو بہت ہی کٹھن اور نہایت ہی مشکل بات ہے دورانِ وعظ میں غزلوں اور مثنویوں کو سریلی آواز سے گا کر اپنی تان سینی کے جوہر دکھانا اور مراسیوں کو شرما دینا مولویت کا کمال اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اور گروہ بندی پیدا کر کے تکفیر تک نوبت پہنچانا، ہمارے زمانہ کے مولویوں کا قابل فخر و مباہات کارنامہ ہے۔ ان مولویوں ہی میں سے اکثر مسلمانوں کی قوم کو نقصان پہنچانے کے لیے جاسوسی کا پیشہ اختیار کر کے صرف چند روپیوں کے عوض قوم اور مذہب کو فروخت کر دیتے ہیں۔ انھیں میں ایسے فتنہ پرداز بھی ہیں جو مسلمانوں کے بنے ہوئے کاموں کو بگاڑنے اور مخلص مسلمانوں کی بڑی بڑی کوششوں کو نقش بر آب ثابت کرنے میں خصوصی مہارت

اور حیرت انگیز ملکہ رکھتے ہیں۔ان پیشہ وروں میں بعض ایسے بھی ہیں جو ہندوؤں اور آریہ پنڈتوں سے ساز باز رکھتے اور اپنی گرم بازاری کے لیے مذہبی مباحثوں کے اکھاڑے جما لیتے اور ہندو مسلمانوں کو جوش دلا کر نذرانوں کی وصولی کے لیے راہ نکال لیتے ہیں۔ ان ہی مولویوں کا سب سے آخری قابل تذکرہ کارنامہ یہ ہے کہ افغانستان کی اسلامی سلطنت کو ہلاکت و بربادی کے منہ میں جھونک دینے اور عالمِ اسلامی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے میں ان کو کوئی تامل نہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

الحاد پناہ پیر اور شرک پرور صوفی

اس بات کا فیصلہ کرنا بے حد دشوار ہے کہ ملت اسلامیہ کے حق میں پیشہ ور مولویوں کا گروہ زیاد موذی ہے یا دوکاندار پیروں کی جماعت زیادہ ہلاکت آفرین ہے۔ ایک طرف بھیڑیوں نے جبے اور عمامے سنبھال رکھے ہیں دوسری طرف خون آشام چیتوں اور ریچھوں نے مصلوں اور تسبیحوں کی پناہ لے رکھی ہے اور اسلام کو سینہ فگار و زخم دار بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت وفضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اکثر خانقاہیں بدچلنی اور بے حیائی کی درسگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اور اکثر پیروں نے ناچنے گانے والی فاحشہ عورتوں اور بے دین وَ آوارہ نوجوانوں کی سرپرستی اپنے ذمہ لے رکھی ہے ان کے تعویز گنڈوں اور ان کی شیطانی چالاکیوں نے مسلمانوں کو قرآن و حدیث اور اللہ و رسول سے ہزار ہا فرسنگ دور ڈال دیا ہے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور پیر پرستی وگور پرستی کی لعنت میں گرفتار کرنے کے لیے ان بگلا بھگت پیرانِ پارسا نے جو عظیم الشان کامیابی حاصل کی ہے وہ اولادِ آدم کی بے عزتی کا نہایت ہی المناک مظاہرہ ہے۔ ان ظالموں نے اپنے نذرانوں اور چراغیوں کو مریدوں کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور تمام تکلیفاتِ شرعیہ کا کفارہ قرار دے دیا ہے۔ دنیا کا شریر سے شریر انسان اور چالاک سے

چالاک بدمعاش جن چالاکیوں فریبوں اور دھوکہ بازیوں کو ایجاد و استعمال کر سکتا ہے ان سب کی مثالیں ان دوکاندار پیروں کے اعمال اور ان کی زندگیوں میں موجود مل سکتی ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ ان پیروں کی اطاعت و پیروی میں عملاً حقیقتاً اسلام سے بے تعلق اور نا آشنا ہو چکا ہے کہ اس میں سوائے اسی اشتراک اور دعوائے اسلام کے اور کوئی اسلامی چیز نظر نہیں آتی۔

خود پسند اور شکم پرور لیڈر

مولویوں اور پیروں نے مسلمانوں کی وہ حالت بنادی جو اوپر مذکور ہوئی تو ایسی حالت میں ایک اور گروہ جو سرکاری مدارس اور انگریزی مدارس کے تیار کردہ لوگوں پر مشتمل اور قرآن و حدیث سے بالکل بے بہرہ لیکن مسلمانوں کی نکبت و بدحالی سے بے تاب تھا آمادہ کار ہوا اور بہت جلد مسلمانوں میں اپنا اثر و اقتدار قائم کر لیا۔ اس نے مسلمانوں کی دنیوی حالت سدھارنے کے لیے سیاسی جدو جہد شروع کی ان لوگوں نے انہی علوم اور انہی یورپی اصولِ سیاست کو مشعل راہ بنایا جن کو سرکاری مدارس میں پڑھا تھا۔ ان لوگوں کو مصروف کار دیکھ کر بعض علمائے ربانی اور سچے پکے مسلمان جو خاموش بیٹھے ہوئے اپنی بے کسی و بے بسی پر چشم پُرآب تھے قرآن و حدیث کو لیے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے اور ان کو قرآن مجید کے پختہ اور نا قابل ترمیم اصول کی طرف توجہ دلائی۔ یہ رنگ دیکھ کر پیشہ ور مولوی بھی جو ابھی تک اس سیاسی جدو جہد میں شریک ہونے کی جرأت نہ کر سکے تھے اپنی نحوستوں اور ذلیل قسم کی خواہشوں کے ساتھ آشامل ہوئے۔ ان پیشہ وروں نے جن کی بڑی تعداد مجاہدین اسلام میں درخور ہو چکی تھی، مسلمانوں کی جمعیت میں اختلاف و افتراق پیدا کیا۔ ان میں سے بعض کی نالائقیوں، بد اعمالیوں، خیانتوں، حماقتوں اور بعض کی شرارتوں ریشہ دوانیوں اور جاسوسیوں نے ایک طرف نئی روشنی کے تعلیم یافتوں اور مخلص مسلمانوں کا اعتماد برباد کیا۔

دوسری طرف ہمسایہ اقوام کو جن سے مسلمانوں کا صلح نامہ ہو چکا تھا شکستِ عہد کی سہولت بہم پہنچائی اور اس ملک میں مسلمانوں کی رہی سہی عزت بھی خاک میں ملائی پاک باطن اور مخلص و باالله والے لوگ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھتے ہوئے اپنے اپنے آشیانوں کی طرف رخصت ہو کر منقار زیر پر ہو بیٹھے۔ لیکن نئی روشنی والوں اور یورپی علوم کی تعلیم گاہوں کے تربیت یافتوں میں جو دون ہمت اور بد بخت لوگ تھے وہ مذکورہ پیشہ وروں کے ہتھکنڈوں کو لے اڑے اور انھوں نے اپنی فطری رذالت و کمینگی کے تقاضے سے پیشہ ورمولویوں کے نقش قدم پر لیڈری کا ایک پیشہ ایجاد فرما کر اس کو اپنا ذریعہ معاش بنایا اور اس طرح سلانوں کی مصیبتوں میں ایک اور مصیبت کا اضافہ ہوا۔ جس طرح یورپ کی ہر ایک چیز زیادہ چمکدار اور زیادہ جاذب نظر ہوا کرتی ہے اسی طرح ان پیشہ ور لیڈروں نے اپنے پیشہ کو ایسے اصول و قواعد پر قائم کیا کہ وہ ذرا زیادہ جاذب توجہ اور زیادہ شاندار نظر آئے۔

بہر حال آج کل مسلمانوں کے لیے پیشہ ور لیڈروں کی ایک ایسی لعنت گریباں گیر ہے جو اور دوسری لعنتوں سے کسی طرح کم نہیں اور ان کی ایک جماعت ہے جو موذی جماعتوں میں کسی سے ہٹی نہیں۔ میں اپنے رسالہ ''اکابرِ قوم'' میں علمائے اسلام فقرائے عالی مقام اور امرائے عظام کی پوست کندہ حالت درج کر چکا ہوں اور وہ رسالہ عرصہ ہوا ملک میں شائع اور مقبول ہو چکا ہے۔

مساجد کی بدامنی

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ لوگوں اور امیروں میں جو لوگ نماز کے پابند ہیں وہ فرض نمازیں بھی اپنے گھروں میں پڑھتے اور مسجدوں میں نہیں جاتے۔ پنج وقتہ نماوں کی جماعتیں جو مسجدوں میں قائم ہوتی ہیں ان میں عموماً محلّہ کے غریب اور جاہل لوگ شامل ہوتے ہیں ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ جامع مسجدوں کے

اندر جمعہ کی نماز کے لیے بعض تعلیم یافتہ اور امراء بھی چلے جاتے ہیں مگر بعض جمعہ کی جماعت کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسجدوں پر جاہلوں اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کا قبضہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہی جاہل محدث، فقیہہ اور مفتی بھی بن گئے۔ مسلمانوں کا قدیمی دستور تھا کہ زیادہ آدمیوں کی مجلس میں زیادہ احتیاط برتی جائے اور ہر شخص اس بات کا لحاظ رکھے کہ دوسروں کے لیے باعثِ اذیت نہ بنے۔ شریعت اسلام نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ مہذب اور سب سے زیادہ شفیق علی خلق اللہ بنانے کا اہتمام فرمایا ہے۔ مسلمانوں کے لیے مسجدوں میں ہر روز پانچ مرتبہ جمع ہونا چونکہ ضروری قرار دیا گیا ہے لہٰذا مسجدوں کے مخصوص آداب بھی تعلیم فرما دیے۔ مسجدوں کے اندر بدبو دار لباس میں جانا، لہسن، وغیرہ بدبودار چیز کھا کر جانا، مسجدوں میں ہنسنا، قہقہے لگانا، بلند آواز سے چوپایوں اور نشست گاہوں کی طرح دنیوی معاملات پر گفتگو کرنا، مسجدوں میں خرید وفروخت کرنا، مسجدوں میں پہلے سے آئے ہوئے اور نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے کاندھوں کو پھلانگتے ہوئے اگلی صفوں میں جانا ممنوع قرار دیا خوشبو لگا کر جانے، خوف وخشوع کی حالت میں مسجدوں کے اندر داخل ہونے، دوسروں کی رعایت ملحوظ رکھنے، جماعت میں اپنے دونوں طرف کے نمازوں کے لیے اپنے بازوؤں اور مونڈھوں کو نرم کر دینے اور اسی قسم کی اور ضروری باتوں کی شریعت اسلام نے ترغیب دی ہے۔ اس انتظام و اہتمام نے مسلمانوں کی مسجدوں کو سب سے زیادہ پُر امن مقامات بنا دیا تھا۔ اور دنیا کی تمام قوموں نے مسلمانوں ہی سے مجلسی آداب اور جلسوں کے ضوابط وآئین سیکھے تھے اور مسلمانوں کی مسجدوں ہی کے نمونے نے دنیا کو تہذیب وشائستگی کے بہت سے مراحل طے کرائے تھے لیکن آج کل مسلمانوں کی اکثر مسجدیں جاہل اور جہالت پناہ لوگوں کے زیرِ اقتدار آ کر سب سے زیادہ خطرناک مقامات بن گئی ہیں۔ تعلیماتِ اسلامیہ سے ہر ایک نابلد اور تہی مغز مسجد میں داخل ہو کر دوسروں پر اعتراض کرنے، بات بات پر ٹوکنے اور اپنی مذہبی قابلیت بگھارنے کے کام کو نماز کے ادا کرنے سے بھی زیادہ ضروری سمجھتا اور خاموشی کے

ساتھ مسجد میں نماز پڑھ کر خاموشی سے چلے آنے کو نماز کے قضاء ہو جانے سے زیادہ گراں محسوس کرتا ہے کبھی کسی کے ترکی یا شکاری کوٹ پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے نماز نہیں ہوتی کبھی پتلون نما پاجامہ یا بر جس سے نماز خراب ہو جاتی ہے کبھی داڑھی کبھی سر کے بالوں، کبھی جرابوں کو نشانہ اعتراض بنا کر انتہائی جوش و خروش کا اظہار کیا جاتا ا ور ایسی مذہبی فقاہت استعمال کی جاتی ہے کہ کوئی سمجھ دار آدمی اس کے دیکھنے اور سننے کی تاب نہیں لا سکتا۔

ایک مشہور تاریخی بستی کی جامع مسجد میں ایک شخص نے کئی ہفتے تک امام صاحب سے حالت جنگ محض اس لیے قائم رکھی کہ امام صاحب نے بعض نمازیں عمامہ باندھے بغیر صرف ٹوپی اوڑھ کر پڑھا دی تھیں۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس سرگرم فقہ کے فتوے پر عمل کر کے بعض دوسرے صاحبوں نے بھی اپنی وہ تمام نمازیں جو امام صاحب نے بلا عمامہ پڑھائی تھیں دہرائیں۔ امام صاحب اپنے اس عقیدے پر قائم تھے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھانا اگرچہ اولیٰ و افضل ہے لیکن صرف ٹوپی اوڑھ کر نماز پڑھانے سے امام یا مقتدی کی نماز میں کوئی سقم یا نقص واقع نہیں ہوتا اور نماز کا دہرانا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اب ان جاہل مفتیوں نے امام صاحب کے اس عقیدہ کو حجت قرار دے کر جامع مسجد میں نماز پڑھنا ہی ترک کر دیا اور دوسرے محلّہ کی مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اختیار کیا اور اس محلّہ کے نمازیوں نے غالباً ان کو غازیوں کا مرتبہ عطاء کیا۔ اگر جامع مسجد کے نمازیوں میں ان کی تعداد زیادہ ہوتی تو امام صاحب کو یقیناً مسجد سے بہ یک بنی و دو گوش نکال دیا جاتا۔ دوالین اور ضالین پر یا التحیات میں انگشت شہادت کا اشارہ کرنے یا نہ کرنے پر لٹھ چل جانا۔ سر پھوٹ جانا اور چاقوؤں کا نکل آنا معمولی بات ہے نماز کے وقت بعض مسجدوں میں سب سے زیادہ شور و غل برپا ہوتا ہے۔ چنانچہ جاہلوں کی تو تو میں میں نے مسجدوں کی حرمت کو بازاروں کی غفلتوں سے اور امن کو فساد سے تبدیل کر دیا ہے۔ اندریں حالات بہت سے سنجیدہ مزاج لوگوں کے لیے اگرچہ گھروں میں فرض نمازیں ادا کرنے کی ایک معقول وجہ پیدا ہوگئی ہے لیکن مسجدوں کی اس قابل

اصلاح حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش نہ کرنا اور بہت سے بدتمیزیوں کو علی حالہ باقی رکھنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔

جہل مرکب کا طوفان

اسی سلسلہ میں یہ تذکرہ بھی از بس ضروری ہے کہ بہت سے عالم کہلانے والوں نے مذکورہ جاہلوں سے بھی بدتر بے ہودگیوں کا اظہار کیا ہے۔ ان عالم نما لوگوں کی پست فطرتی نے علم کو روسیاہ اور مذہب کو بدنام کرنے میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ جس طرح انگلستان کی اکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگ اپنے ناموں کے ساتھ ان یونیورسٹیوں کے مخفف نام بھی شامل کرنے ضروری سمجھتے یا علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ اپنے ناموں کے ساتھ علیگ لکھنا پسند کرتے ہیں، اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء دارالعلوم دیوبند، جامعہ ازہر مصر، مدرسہ سہارنپور، مدارس کانپور وغیرہ عربی و اسلامی درسگاہوں کے تعلیم یافتہ لوگ بھی ان درسگاہوں کے ساتھ اپنی نسبت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں جو دلیل اس بات کی ہے کہ ان لوگوں نے جس درس گاہ سے فیض حاصل کیا اور فائدہ اٹھایا ہے اسکو بلند مرتبہ سمجھتے اور اس کے ساتھ محبت رکھتے ہیں یہ ایک شریفانہ جذبہ ہے اور اس پر ہرگز کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ لیکن غضب اور ستم یہ ہے کہ یہ تعلیم یافتہ لوگ علم اور مذہب کو اپنی درسگاہوں اور اپنے استادوں کی جاگیر اور جائیداد قرار دے کر دوسروں سے درپے منازعت اور اپنے سوا کسی دوسرے کو علم کا وارث اور مذہب سے واقف تسلیم کرنے میں اپنی موت تصور کرتے ہیں اس سے زیادہ معیوب اور گھناؤنی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ موجودہ زمانہ کے علماء کی اس نا معقول عصبیت کا احساس مجھ کو سب سے پہلی مرتبہ ۱۹۱۵ء میں ہوا جبکہ میں دہلی کے بعض خرابوں کی سیر کے لیے دو دن اور ایک رات دہلی میں ایک بزرگ کے پاس مقیم ہوا۔ ان بزرگ سے رات بھر خوب مزے مزے کی باتیں ہوئیں جو بہترین مذاکرۂ علمیہ تھا۔ میں ان کے علم و فضل، وسعتِ نظر، ذہانت اور روشن خیالی کا دل سے قائل ہوگیا۔ اکثر مسائل میں جو

یکے بعد دیگرے زیر بحث آئے میں ان کا ہم خیال ہوتا گیا۔ اگلے روز دہلی کے خرابوں کی سیر سے فارغ ہوکر جب شام کے وقت میں ان سے رخصت ہونے لگا تو وہ ازراہِ شفقت مجھ کو ریلوے اسٹیشن تک پہنچانے آئے۔ اس وقت بھی میرے ان کے درمیان ایک مسئلہ زیر بحث تھا۔ میرے دلائل جو حقیقتاً صحیح اور مضبوط تھے انھوں نے اپنی معقول پسندی کی وجہ سے تسلیم کر لیے اور فرمایا کہ تو جو کچھ کہتا ہے بالکل درست اور صحیح ہے اور اُس کی تردید ممکن نہیں لیکن ہم کو اس پر عمل کرنے میں اس لیے تامل ہے کہ ہمارے استاد کا طرز عمل اس کے خلاف تھا اور ہم اپنے استاد کے خلاف کوئی عمل اختیار کرنا نہیں چاہتے۔ ان کی زبان سے یہ الفاظ سن کر مجھے یہ معلوم ہوا کہ ایک بجلی سی چمک گئی۔ میں آج تک اس معمے کو حل نہیں کر سکا کہ ایسا زبردست عالم، ایسا ذہین، عقل مند اور معقول شخص کس طرح تقلید جامد کی اس دلدل میں پھنسا رہ سکتا ہے کہ ایک غلطی اور نادرست فعل کا غلط ہونا یقین کر لینے کے بعد بھی اس فعل کو محض اس لیے ترک نہیں کر سکتا کہ شاگرد کا فعل استاد کے فعل سے مختلف ہو جائے گا۔ دہلی کی اس شام کا مذکورہ واقعہ مجھ کو بار بار یاد آتا رہا اور میں نے آج تک سینکڑوں ایسے واقعات محسوس کیے کہ بڑے بڑے روشن خیال اور وسیع النظر کہلانے والے علماء میں بھی گروہ بندی موجود ہے۔ اپنے گروہ یا اپنے علمی خاندان کے کسی شخص کی غلطی ناقابل التفات قرار دے دی جاتی ہے۔ لیکن کسی دوسرے شخص کی ویسی ہی غلطی پر اصلاح و قیادت کا نقارہ بجا کر شیر مردم خوار اور گرگ درندہ کا چولا فوراً بدل لیا جاتا ہے کیونکہ

ستوں چشم بددور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خلق رُسولِ امیں کے

بعض ایک ہی قسم کے عالم نما لوگوں نے اپنی جمعیتیں اور سوسائٹیاں قائم کرکے اپنے آپ کو علم و فضل کا ٹھیکیدار قرار دے لیا ہے وہ اپنے سوا کسی دوسرے عالم کو اس بات کا مستحق نہیں سمجھتے کہ وہ کوئی علمی خدمت بجا لائے یا کسی کو کوئی پند و نصیحت کر سکے۔ غرض کہ نفس پرستی نے اسلاف پرستی سے تائید حاصل کرکے اکثر عالموں کو بجا

اسی طرح شیطان کا کھلونا بنا دیا ہے جس طرح جاہلوں کو بنایا تھا۔

اسلام بہت ہی آسان اور فطری مذہب ہے

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے حصہ اعمال میں کوئی ایسی تنگی اور محنت نہیں رکھی جو انسان کے لیے نا قابل برداشت ہو۔اسی طرح عقاید میں بھی کسی ایسی بات کے ماننے پر مجبور نہیں کیا جو عقل انسانی کے صریح خلاف اور فطرت انسانی اس کو دونوں ہاتھوں سے دھکے دیتی ہو۔ مثلاً اسلام میں نہ رہبانیت ہے نہ تثلیث و کفارہ کا اعتقاد۔ دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے عمل کے لیے بہت ہی آسان اور عقیدہ کے لیے عین فطرت انسانی کے موافق و متوازی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

❁ ﴿ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ ﴾ [الحج:٢٢/٨٧]

”اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایسی کوشش کرو جیسا کہ کوشش کا حق ہے اللہ نے تم کو منتخب کرلیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی۔ یہ دین تو تمہارے باپ ابراہیم ہی کا دین ہے۔“

❁ ﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ ﴾ [الانفال:٨/٦٦]

”مسلمانو! اب اللہ تعالیٰ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اس نے دیکھا کہ تم میں کمزوری ہے۔“

❁ ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴾ [النساء:٤/٢٨]

”اللہ تعالیٰ تم پر سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

❁ ﴿ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ ﴾ [النحل:١٦/١١٦]

”اور جو کچھ تمہاری زبان پر آئے بے سوچے سمجھے جھوٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اس طرح اپنی بیہودہ باتوں سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھنے لگو۔“

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرہ:۲/۲۸۶]

”اللہ تعالیٰ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر کہ جس کو وہ اٹھا سکے۔“

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرہ:۲/۱۸۵]

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تم کو دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا۔“

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الروم:۳۰/۳۰]

”اے رسول! دین حنیف کی طرف اپنی توجہ منعطف رکھ یہ دین حنیف اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی وہ سرشت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی بناوٹ میں ردّ و بدل نہیں ہوا کرتا یہی دین قیم ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔“

﴿وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى﴾ [الاعلی:۸۷/۹]

”اور اے رسول! ہم آسانی یعنی دین اسلام کو تیرے لیے آسان کر دیں گے۔ پس تو لوگوں کو نصیحت کر بشرطیکہ نصیحت کرنا مفید بھی ہو۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”میں وہ شریعت لایا ہوں جو آسان اور روشن ہے۔“ [1]

نیز فرمایا کہ یہ دین آسان ہے اور جو کوئی اس دین میں سختی کرے گا وہ آخر کو عاجز اور درماندہ ہو گا۔ یعنی اعمال شاقہ سے تھک کر ضروری فرائض بھی ترک

[1] مسند احمد:۶/۱۱۶

کرنے لگے گا۔ ❶

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت عمر بن اسحاق سے منقول ہے اصحاب نبی ﷺ میں جتنے صحابیوں کو میں نے دیکھا ہے وہ ان کی نسبت زیادہ ہیں جو مجھ سے پہلے گزر گئے میں نے کوئی گروہ دین میں آسانی کرنے والا سختی نہ کرنے والا ان سے زیادہ نہ دیکھا۔ ❷

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سردی کی شدت دیکھ کر جب کہ نہانے میں جان کا خوف اور بیماری کا اندیشہ تھا غسل جنابت کے عوض تیمم کیا اور نماز ادا کر لی اور آیت:﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ ''اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' کو اپنے اس فعل کی دلیل گردانا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو کچھ نہ کہا۔ ❸

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آیت ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ کی بنا پر یہ حکم لگایا کہ تیمم کا حکم عورت کو چھونے کے متعلق ہے۔ جنابت کی نسبت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر ان کو بھی برا نہ کہا۔ ❹

اس موقع پر قبل اس کے میں اپنی طرف سے کچھ لکھوں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب عقد الجید کی عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں اس کو بغور مطالعہ کرنا چاہیے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

> ''اور ہر ایک شخص جو رسول اللہ ﷺ کے اصولِ احکام اور آپ کے فتوؤں کی تحقیق و تلاش کرے گا تو ایک کلیہ قاعدہ اس کے ہاتھ میں آجائے گا۔ وہ کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ آپ نے نیکی کے تمام انواع مثلاً وضوء، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ کو جن پر ملتوں کا اجماع ہے منضبط فرما دیا ہے اور ان کے

❶ اَلدِّيْنُ يُسْرٌ بحواله صحيح بخاری، كتاب الايمان، باب الدين يسر، رقم الحديث: ۳۹

❷ اَلدِّيْنُ يُسْرٌ بحواله دارمی

❸ ابو داؤد، كتاب الطهارة: باب اذا خاف الجنب البرد ايتيمهم، رقم الحديث: ۳۳٤

❹ عقد الجيد

ارکان و شروط و آداب مقرر فرما دیے اور ان کے لیے مکروہات و مفسدات اور کمی کو پورا کرنے کی ترکیبیں وضع فرمادیں اور اس معاملہ میں جیسا کہ چاہئے تھا حکم مکمل فرما دیا۔ لیکن ان ارکان وغیرہ کی تعریف کے متعلق زیادہ جامع و مانع بحث نہیں فرمائی اور آپ ﷺ سے جب کبھی ان جزوی باتوں کے متعلق سوال کیا جاتا جو ان ارکان و شروط وغیرہ سے متعلق ہوتیں تو ان باتوں کو آپ ان الفاظ مستعملہ پر ہی محمول فرما دیتے جن کو وہ لوگ اپنے دلوں میں سمجھتے تھے اور ان کو ہدایت فرما دیتے کہ جزئیات کو اسی قسم کی کلیات سے سمجھ لیا کرو اور اس سے زیادہ ہرگز نہ فرماتے۔ مگر ہاں صرف چند مسائل میں اتفاقی اسباب کی بنا پر مثلاً قوم کے اصرار کرنے پر یا اور کسی وجہ سے کبھی کچھ تشریح بھی فرما دی۔ مثلاً وضوء میں اعضائے اربعہ کا دھونا تو فرما دیا مگر اس دھونے کی ایسی جامع و مانع تعریف نہیں فرمائی جس سے سمجھا جائے کہ اعضا کا ملنا دھونے کی حقیقت میں داخل ہے یا نہیں اور پانی بہانا اس میں داخل ہے یا نہیں اور پانی کے عام اور خاص ہونے کی کوئی تقسیم نہیں فرمائی اور نہ کنواں اور تالاب وغیرہ کے متعلق صراحت فرمائی حالانکہ یہ تمام مسائل کثیر الوقوع ہیں اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان مسائل کا وقوع نہ ہوا ہوگا اور جب سائل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیر بضاعہ [1] اور قلتین [2] کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان الفاظ سے زیادہ نہ فرمایا جن کو وہ لوگ سمجھتے تھے اور آپس میں ان الفاظ کے عادی تھے۔ اور یہی سبب ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم نے پانی کے معاملہ میں وسعت و فراخی حاصل کی اور جب ایک عورت نے اس کپڑے کی

---

[1] ابو داؤد، کتاب الطهارة: باب ما جاء فی بئر بضاعة برقم الحديث: ٦٦۔ ترمذی، کتاب الطهارة: باب ما جاء ان الماء لا ينجسه شيء برقم الحديث ٦٦۔ نسائی، کتاب المياه: باب ذكر بئر بضاعة، رقم الحديث: ٣٢٧

[2] ابو داؤد، کتاب الطهارة باب ماينجس الماء، رقم الحديث: ٦٣، ٦٥، ترمذی، کتاب الطهارة: باب منه آخر، رقم الحديث: ٦٧، نسائی۔ کتاب المياه: باب التوقيت فی الماء، رقم الحديث: ٣٣٩، ابن ماجه۔ کتاب الطهارة: باب مقدار الماء الذين لا ينجس، رقم الحديث: ٥١٨

نسبت سوال کیا جس پر حیض کا خون لگ جائے تو آپ نے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا کہ:

((حُتِّيهِ ثُمَّ اقْرِصِيهِ ثُمَّ انْضِحِيهِ ثُمَّ صَلِّيْ فِيهِ)) [1]

''کپڑے کو کھرچ دے، پھر اس کو مل دے، پھر دھو ڈال، پھر اس میں نماز پڑھ لے۔''

یعنی جو وہ سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ اور آپ ﷺ نے قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے کا تو حکم دیا لیکن قبلہ کی سمت معلوم کرنے کا کوئی قاعدہ تعلیم نہیں فرمایا حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر کرتے رہتے تھے اور قبلہ کے معاملہ میں اجتہاد کرتے تھے اور سمت قبلہ کے معلوم کرنے کا باقاعدہ جاننے کی ان کو سخت ضرورت تھی اس کا اصل سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس قسم کی تمام باتیں انھیں لوگوں کی رائے کے سپرد کر دی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے اکثر فتووں کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ دانا منصف پر پوشیدہ نہیں اور ہم نے آپ ﷺ کے احکام کی پیروی اور تلاش سے یہ سمجھا ہے کہ گہری باتوں کو چھوڑ دینے اور شرائط و انضباط کو زیادہ بیان نہ فرمانے میں ایک بہت بڑی مصلحت مد نظر رکھی ہے۔ وہ یہ کہ اس قسم کے مسائل ایسے حقائق کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو حقائق باعتبار عرف مجمل طور پر مستعمل ہیں اور ان کی جامع و مانع تعریف بلا دشواری نہیں سمجھی جا سکتی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان کی تعریف بیان کرتے وقت دو مشکل حقیقتوں میں فرق اور تمیز پیدا کرنے کے لیے اصول اور ضوابط متعین کرنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ پھر اگر ان حقائق کو منضبط اور مشرح بھی کیا جائے تو ان کی تشریح و تفسیر ممکن نہیں جب تک کہ اس قسم کے اور مجمل حقائق کی طرف اشارہ نہ کیا جائے۔ پھر ان مجمل حقائق کی تفسیر و تشریح لازم ہو جاتی ہے اور اس طرح تفسیر حقائق کا تسلسل کبھی ختم نہ ہو گا اور بعض حالتوں میں ختم ہو گا تو اسی طرح کہ مامور کی رائے

---

[1] بخاری، کتاب الوضوء، باب غسل الدم، رقم الحدیث: ۲۲۷، مسلم۔ کتاب الطهارة: باب نجاسة الدم و کیفیة غسله، رقم الحدیث: ۲۹۱، باختلاف یسیر

کے سپرد کر دیا جائے۔ حالانکہ اس محنت کے بعد تفویض پر عمل کرنے سے تو بہتر یہی ہے کہ پہلے ہی تفویض پر عمل کر لیا جائے لہٰذا اسی مصلحت کی وجہ سے آپ ﷺ نے حقائق کو شروع ہی سے ماموروں کی رائے کے حوالے کر دیا اور اخلاقی مسائل میں کسی پر تشدد نہیں کیا درآں حالیکہ اختلاف ایسے مسئلہ میں ہو جو ان کی رائے کے سپرد تھا اور اس میں اختلاف کا موقع بھی تھا۔

"انتہی کلامہ سنن نسائی میں طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ:

« اَنَّ رَجُلًا اَجْنَبَ فَلَمْ يُصَلِّ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ اَصَبْتَ فَاَجْنَبَ رَجُلٌ فَتَيَمَّمَ وَ صَلّٰى فَاَتَاهُ فَقَالَ نَحْوَ مَا قَالَ لِلْاٰخِرِ يَعْنِي اَصَبْتَ » [1]

"ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہوئی پس اس نے اس حالت میں نماز نہ پڑھی یعنی تیمم نہ کیا پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ کیفیت آپ کو سنائی آپ نے فرمایا کہ تو نے اچھا کیا، پھر ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہوئی پس اس نے تیمم کیا اور نماز پڑھ لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے شخص کو دیا تھا۔ یعنی تو نے اچھا کیا۔"

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام نے دینی و مذہبی معاملات میں ہرگز اس سختی اور تشدد کی اجازت نہیں دی جس کو لوگوں نے بعد میں رواج دیا اور دین کو دشواری کا مترادف بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں سینکڑوں مسائل ایسے تھے جن کے مختلف پہلوؤں پر لوگ الگ الگ عامل تھے لیکن کوئی شخص مسئلہ کی ایک صورت پر عمل کرتا ہوا دوسرے شخص کو جو اسی مسئلہ کی دوسری صورت پر عامل تھا برا نہ جانتا اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھتا بلکہ وہ لوگ شریعت کی اجازتوں اور رخصتوں سے فائدہ اٹھانے اور حسب موقع آسان پہلو اختیار کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

[1] نسائی۔ کتاب الطهارة: باب فيمن لم يجد الماء و لا الصعيد، رقم الحديث: ۳۲۵

وہ لوگ دینی مسائل میں اجتہادی اختلاف کے دونوں پہلوؤں کو حق جانتے اور دین کے معاملہ میں وسعت اور آسانی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس بات کو بہت ہی معیوب سمجھتے تھے کہ کسی ایک پہلو کو اختیار کر کے اسی پر جم جائیں اور اس کے دوسرے جائز پہلو کو ناقابل عمل قرار دیں یہی وجہ تھی کہ ان کے زمانہ میں کوئی مذہبی فرقہ بندی نہ تھی نہ ان کو آج کل کے لوگوں کی طرح تقلید کے واجب ہونے کی خبر تھی نہ وہ آج کل کی پیری مریدی کے جھمیلوں اور چلہ کشی کے قاعدوں سے آگاہ تھے۔ ان کے عہد مبارک میں نہ قوالیاں تھیں نہ وجد و حال انھوں نے نہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی عرس جاری کیا نہ اپنی گدیاں قائم کیں۔ وہ بعد کی ایجاد شدہ اصطلاحوں سے ناواقف تھے اور نہ جدید اصطلاحوں کے ایجاد اور استعمال کی ضرورت سمجھتے تھے وہ نماز اور وضوء کے بیسیوں فرائض واجبات، سنن اور مستحبات کی تعداد اور گنتی یاد نہیں رکھتے تھے۔ وہ اوّل کلمہ، دوم کلمہ اور سوم کلمہ وغیرہ کلمات کی ترتیب وغیرہ سے بھی بے خبر تھے بلکہ انھوں نے جس طرح رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اسی طرح نماز پڑھتے اور جس طرح آپ کو وضوء کرتے دیکھا اسی طرح وضوء کرتے جن چیزوں کو رسول اللہ ﷺ نے ضروری قرار دیا تھا ان کو ضروری سمجھتے اور جن سے منع کیا تھا ان سے بچتے تھے۔ یہی ان کا اسلام تھا اور یہی سچا پکا اور اصل اسلام تھا جس نے نہ ان کو سفر کرنے سے روکا نہ تاجر بننے میں مانع ہوا، نہ سپاہی بننے اور میدان جنگ میں کام کرنے سے باز رکھا نہ، ملکوں کے فتح کرنے اور اقوامِ عالم پر حکومت و فرمانروائی کرنے میں سدِّ راہ ہوا۔ ان میں سے ہر شخص فقیہہ تھا۔ لیکن ان کی فقہ نے اس طرح لوگوں کو لاتعداد تکلیفات کے جال میں نہیں جکڑا تھا جس طرح بعد کے فقہا نے ہزار ہا اصطلاحات ایجاد کرنے کے بعد بال کی کھال نکال کر شریعت اسلام کو بڑی ہی ہیبت ناک اور ناقابل عمل چیز بنا دیا۔ اگر کوئی شخص صرف وضوء یا صرف غسل یا صرف پانی کے مسائل سے واقف ہونا چاہے تو ہمارے فقہا کی مہربانی سے اس کو کئی مہینے بلکہ کئی سال اسی ایک مسئلہ کی بحث مطالعہ کرنے سے فرصت نہ ملے گی اور اس مطالعہ کے بعد بھی وہ شاید مشکل ہی سے

کوئی ایک پختہ عقیدہ قائم کر سکے گا۔

تمام فقہی مسائل پر کماحقہ عبور حاصل کرنا تو انسان کی ایک پوری زندگی میں کسی طرح ممکن نہیں۔عمل کرنے، مؤمن کامل بننے اور قرآن مجید میں تدبر کرنے کی مہلت نکالنے کا تو موقع کہاں؟ جس دین کو اللہ تعالیٰ نے آسان بتایا جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے «اَلدِّیْنُ یُسْرٌ» فرمایا [1] وہ دین ہمارے زمانہ میں تکالیف ما لا یطاق کا مجموعہ اور «اَلدِّیْنُ عُسْرٌ» کا مصداق بنا ہوا نظر آرہا ہے۔ بڑے بڑے جید اور جگادری جبہ و قبہ والے مولانا و بالفضل اولانا جب آیت یا حدیث کے مقابلہ میں عاجز آکر کسی آسانی یا رخصت کے تسلیم کر لینے پر مجبور ہونے لگتے ہیں تو پھر یہ لاجواب اور کوہ البرز سے زیادہ پائیدار اور آخری دلیل پیش فرماتے ہیں ''کہ اچھا پھر تو شریعت پر عمل کرنے میں کوئی دقت و دشواری ہی باقی نہ رہی'' گویا انھوں نے آسانی کو شریعت کی ضد اور دشواری کو لازمہ شریعت یقین کر رکھا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

یسر و آسانی کی حقیقت میانہ روی ہے شتر بے مہار ہونا نہیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر فطری طور پر جو قوتیں، خواہشیں اور جذبے پیدا کر دیے ہیں ان کے ظاہر کرنے اور زیر عمل لانے کے لیے افراط اور تفریط سے بچ کر اعتدال اور حد اوسط کو مدنظر رکھنا ہی صراط مستقیم پر چلنا ہے اور اسی کی اسلام تعلیم دیتا ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ [سورة البقرة، ۲/۱۴۳]

انسان شریعت کی پابندی سے آزاد ہو کر جب شتر بے مہار بن جاتا ہے تو اپنی خواہشات اور جذبات کے رخ کو سیدھا نہیں رکھ سکتا کبھی افراط کے گڑھے میں اور کبھی

[1] صحیح البخاری۔ کتاب الایمان۔ باب الدین یسر (ح:۳۹)

تفریط کی خندق میں گر کر ہلاک ہو جاتا ہے اسی مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ انسانی جذبات اس اسٹیم سے مشابہ ہیں جو کسی انجن کو متحرک کرتی ہے یا بارود کی مانند ہیں جو آگ دکھانے سے مشتعل ہوتی اور توپوں یا بندوقوں کے استعمال کرنے میں کام آتی ہے۔ انجن کی اسٹیم کے زور کو اگر بہت سے کل پرزوں کے ذریعہ روک تھام کے ساتھ استعمال نہ کیا جائے تو وہ انجن کو متحرک اور کارآمد نہیں بنا سکتی۔ یا اگر وہ حد متعین سے زیادہ یا کم کردی جائے تب بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی اسی طرح بارود کو اگر مقررہ مقدار سے کم یا زیادہ کردیا جائے یا بندوق اور توپ کے پرزوں کو جو بارود کی قوت کو مناسب اور موزوں طریقہ پر کام میں لانے کا موجب ہیں بیکار اور ناقص کردیا جائے تو وہ مقصد جو توپ و بندوق کے ذریعے بارود سے حاصل کیا جاتا ہے فوت ہو جائے گا۔ حاضر اور ضابطہ پرزوں کے خراب ہو جانے سے انجن کی سٹیم انجن کو اور بندوق کی بارود بندوق کو تباہ اور ان دونوں کے چلانے والے کو ہلاک کردیتی ہے۔ اسی طرح انسانی جذبات حد متعین سے آگے بڑھ کر انسان کی ہلاکت کا موجب بن جاتے اور حد معین سے کم یا مردہ ہو کر انسان کو اس کے مجد و شرف سے معزول کردیتے ہیں۔ ان انسانی جذبات سے فائدہ حاصل کرنے اور ان کو مفید طریقہ پر استعمال کرنے کے لیے عقل یا مذہب سے کام لینا پڑتا ہے عقل یا مذہب سے بے بہرہ و آزاد ہو کر انسانی جذبات انسان کی گمراہی اور ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس جگہ عقل اور مذہب دونوں کا نام اس لیے لیا گیا کہ تمام الٰہی مذہب اور منزل من اللہ شریعتیں عقل کے اس انتہائی مقام اور اعلیٰ درجہ کا نام ہے جس تک انسانی عقل کا اپنی کوشش سے پہنچنا آسان نہ تھا اسی لیے بعض عقل مندوں نے کہا ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے سمجھ دار اور عقلمند لوگ جمع ہو کر غور و خوض اور عقل و دانائی کے تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے نوع انسان کے لیے کوئی دستور العمل یا نظام زندگی ترتیب دیں تو اس کے بنانے اور مرتب کرنے میں جس قدر زیادہ مقتضائے عقل کو پورا کیا گیا ہو گا اسی قدر وہ شریعتِ اسلام کے زیادہ موافق و مطابق ہو گا۔ مثلاً:

انسان کے اندر منجملہ اور جذبات کے ایک نہایت قوی جذبۂ محبت ہے۔ یہ جذبہ محبت عموماً حسن اور احسان سے متحرک اور مشتعل ہوتا ہے۔ حسن اور احسان کے مفہوم پر غور کیا جائے تو جس طرح دونوں لفظوں کا مادہ ایک ہے۔ اسی طرح دونوں کا مفہوم بھی حقیقتاً ایک ہی ہے اللہ تعالیٰ انسان کا سب سے بڑا محسن اور ہمہ حسن ہے۔ جس نے انسان اور اس کی تمام ضروریات کو انسان کے کسی عمل اور استحقاق کے بغیر پیدا اور موجود کر دیا ہے۔ رسول اور نبی بھی جو نوع انسان کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور نفع رساں وجود ہوتے اور اس کو فوز و فلاح کا راستہ بتاتے ہیں۔ دنیا میں انسان کے بہت بڑے محسن ہیں۔ ماں باپ اور دادا، پردادا جو بظاہر دنیا میں اس کی جسمانی پیدائش اور بچپن کی بے بسی میں پرورش کا ذریعہ ہیں باقی انسانوں سے زیادہ محسن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرق مراتب کو مدنظر رکھ کر انسان کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھنے کے لیے ایک طرف تو یہ حکم دیا کہ ماں باپ کے ساتھ محبت کے تقاضوں کو پورا کرو یعنی والدین کی اطاعت وفرمانبرداری اور ان کی تکریم میں مطلق کوتاہی نہ کرو جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴾ [سورہ بنی اسرائیل: ۲۳/۱۷]

”تو تیرے رب نے یہ بات طے کر دی ہے کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو ان کو اف بھی نہ کہا جائے اور ان دونوں سے تعظیم وتکریم کے ساتھ کلام کرنا چاہیے۔“

دوسری طرف حکم دیا کہ اللہ اور رسول کی محبت ماں باپ دادا، پردادا کی محبت سے بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ اللہ اور رسول کے احسانات ماں باپ کے احسانات سے بہت زیادہ ہیں اگر ماں باپ اور اللہ اور رسول کی خواہشیں متضاد واقع ہو جائیں تو اس حالت میں اللہ اور رسول کے حکم کی فرمانبرداری میں ماں باپ کے حکم کو رد کر دینا ضروری

ہے اور یہی عقل کا بھی تقاضا ہے:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۗ وَإِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾ [سورة العنكبوت: ۸/۲۹]

''اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اگر ماں باپ اس بات پر اصرار کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔''

فریب خوردہ ناصحین اور اباحت نواز مصلحین

متشقق مولویوں اور دقت پسند قل اعوذیوں کے مقابلہ میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو درحقیقت دنیا کو دین پر مقدم رکھنے والوں میں شامل ہے۔ لیکن دینی عالموں اور اللہ والوں کے لباس میں جلوہ فرما ہوا ہے۔ یہ لوگ اس لیے زیادہ خطرناک ہیں کہ اپنی ہر ایک بات کو قرآن و حدیث سے مدلل کر کے پیش کرتے اور شریعت کی رخصتوں اور آسانیوں کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ گویا ان رخصتوں ہی کو نصوصی مرتبہ حاصل اور اس کے سوا دوسری صورت قطعاً باطل ہے یہ لوگ غالباً احکام شرع کی اصل حقیقت سے واقف مگر تن آسانی کی جانب اس قدر مائل اور اباحتی زندگی کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ شریعتِ اسلام کی حقیقی روح کو فنا اور عبد و معبود کے اصل تعلق کو نابود کر دینے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں ان کا پیش کردہ اسلام روحانیت سے قطعاً خالی اور قلب میں للّٰہیت پیدا کرنے اور محبت الٰہی کے شعلے کو بڑھکانے سے بالکل عاری ہوتا ہے۔ان کے طریق تبلیغ اور اندازِ وعظ کا صحیح اندازہ اس بات پر غور کرنے سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ جب مسلمانوں کو دولت کمانے، امیر بننے اور صنعت و تجارت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں تو اس مضمون کی آیتوں اور حدیثوں کو انتہائی اہتمام اور پورے جوش و خروش اور قابلیت و طاقت کے ساتھ بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور ان کے تمام ارشادات کا مجموعی اثر سننے والے کے دل پر یہ ہوتا ہے کہ وہ دولت

مسند اور صاحبِ جاہ و حشم بننے ہی کو اسلام کا اصل مقصد سمجھنے لگتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اسلام مفلس اور تہی دست بننے اور مسلمانوں کو فاقہ مست فقیروں کی جماعت بننے کی تعلیم و ترغیب نہیں دیتا۔ لیکن وہ مال و دولت ہی کے فراہم کرنے، خزانے کا سانپ اور قارون بننے کو بھی مدعائے اصلی نہیں بتاتا۔ مذکورہ پند و ارشاد کے ساتھ ہی اگر مال و دولت کے دوسرے خطرناک پہلو سے تعلق رکھنے والی آیات و احادیث بھی پیش کردی جائیں اور یہ بھی سمجھا دیا جائے کہ اسلام کا اصل مقصد کیا ہے تو نصیحت و ہدایت کامل اور نفع رساں ہو کر سننے اور سمجھنے والے کے دل میں اﷲ اور رسول کی محبت و عظمت پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوتا اس قسم کے یک رخی مسائل اور اباحتی عقاید و اعمال کی تعلیم سے مسلمانوں کا آرام طلب اور نفس پرست طبقہ بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے اور اس طبقہ کی تعداد تھوڑی نہیں بلکہ بہت ہے جب ان اباحتی مسائل کے مقابلے میں فرائض اور اصولی احکام کا رد اور شکست ہونا لازم ہو جاتا ہے تو یہ لوگ ان فرائض اور منصوص احکام کو باسانی توڑ دیتے اور مطلق نہیں ڈرتے۔

اس طرح شریعت اسلام کی بے عزتی اور بے اعتباری پیدا ہو کر مسلمانوں کے ایمان کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں مثلاً چند سال ہوئے کہ ایک صاحب نے ایک خاص قسم کے سود کا جواز ثابت کرنا چاہا اور مسلمانوں کے افلاس کو ان کی تمام خرابیوں کا سرچشمہ ظاہر کر کے افلاس کے دور کرنے کی ترکیب سود خوری تجویز کی۔ بعض مولویوں کے فتوے اور بعض آیتوں کی نامناسب تاویلیں اور بعض وضعی حدیثیں بھی فراہم کردیں۔ ان کے اس اعلان کی تردید بھی بدلائل لوگوں نے شایع کی لیکن ان صاحب کو شاید اس خبر کے سننے سے مسرت حاصل نہ ہوگی کہ چند ہی روز کے اندر اندر مسلمانوں میں ہزاروں سود خور پیدا ہو گئے اور مزدوری پیشہ مفلس مسلمانوں کی ایک ہیبت انگیز تعداد اپنے مسلمان ہمسایوں اور مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں اس طرح افلاس و خانہ ویرانی کا شکار ہونے لگی ہے کہ اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ سود کے مجوز صاحب نے تجارتی سود کے نام سے ایک خاص قسم کا سود جائز ٹھہرایا تھا۔

لیکن سود کا دروازہ کھلتے ہی اس طوفان سود خوری نے ہر اس شخص کو جس کے پاس دس پندرہ یا سو پچاس روپیہ بھی تھے سود خور بنا دیا اور ان مسلمانوں سود خوروں سے سودی روپیہ لے لے کر چند روزہ گل چھرے؟ اڑانے والے ہزاروں لاکھوں مزدوری پیشہ مفلس اور ناعاقبت اندیش مسلمان موجود ہو گئے جن کو ہندو ساہو کاروں سے نہ سودی روپیہ مل سکتا تھا نہ ان کو کبھی سودی قرضہ لینے کا خیال آیا تھا۔ ان نئے سودی قرضہ لینے والوں میں فی ہزار ایک آدمی بھی ایسا نہیں جس نے کسی تجارتی ضرورت سے سود لیا ہو اور اپنے ہاتھوں خود اپنی بربادی کا سامان فراہم نہ کیا ہو۔ اب اگر خود وہ سود پسند صاحب بھی قرآن کا جامہ پہن کر آئیں اور مسلمانوں کو سمجھائیں کہ ہمارا مدعا اس قسم کی تباہ کن سود خوری سے نہ تھا تو کوئی ان کی بات نہ سنے گا اور کوئی سود خور اس سود خوری سے باز نہ آئے گا۔

قومی انجمنوں کا تباہ کن طوفان

نسل انسانی کی صلاح و فلاح کو برباد کر کے تباہی وخرابی لانے والی بیماریوں میں افتراق وتشتت ایک سب سے بڑی بیماری ہے۔ شریعت اسلام نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا کر نسلی اور قومی عصبیتوں کو فنا کر دیا تھا۔ قوموں اور نسلوں کو قرآن مجید نے تعارف کا ذریعہ بتا کر صرف تقویٰ کو موجبِ عزت اور باعثِ تکریم قرار دیا ہے لیکن چند سال سے دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان میں اللہ جانے کس غیر محسوس اور غیر معلوم محرک کی طرف سے یہ تحریک القا کی گئی کہ قومی برادریوں کے الگ الگ نظام قائم ہو کر مسلمانوں کے اندر ہزار ہا قومی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ سیدوں، مغلوں، پٹھانوں، قریشیوں، صدیقیوں، فاروقیوں، عثمانیوں، آرائیوں، اعوانوں، کشمیریوں، ککے زئیوں، قصائیوں، مراسیوں، انصاریوں، پنجابیوں، مسلم راجپوتوں، ندافوں، نائیوں، حلوائیوں وغیرہ کی سینکڑوں قومی انجمنیں قائم ہو گئیں۔ ہر ایک قوم نے اپنے الگ الگ مقاصد تجویز کیے الگ الگ قومی اخبار اور رسالے جاری ہوئے۔ ان اخباروں اور رسالوں

کے ذریعہ اپنی ہی اپنی برادری اور قوم کی سود و بہبود پر غور کیا جاتا ہے اور دوسرے مسلمانوں کو غیر سمجھ کر ان کی طرف سے بے التفاتی اختیار کر لی جاتی اور جب اپنی برادری اور کسی دوسری مسلم برادری کے درمیان کسی معاملہ میں اختلاف یا مخالفت واقع ہو تو پوری طاقت اور انتہائی جوش خروش کے ساتھ اپنی قوم کی حمایت اور جا و بے جا طرفداری کی جاتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں برادریوں میں رقابت اور مناقشت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک قوم بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر نہ صرف یہ کہ اپنے اتحاد و اتفاق کو کھو چکی بلکہ اس کے اجزاء آپس میں بھی چھری کٹاری ہونے لگے۔ ان قومی انجمنوں اور الگ الگ برادریوں کے قائم ہونے سے کوئی بھی نفع ایسا نہیں پہنچ سکتا جس سے بہتر نفع رسانی کا سامان قرآن مجید اور اسلام کے ذریعہ فراہم نہ ہو سکتا ہو۔ قرآن مجید سب کو ملا کر ایک قوم بنانا چاہتا ہے اور آج کل اس ایک قوم کو توڑ پھوڑ کر سینکڑوں چھوٹی چھوٹی قومیں بنائی جا رہی ہیں اور اس کام کو نہایت اچھا اور مستحسن کام سمجھا جا رہا ہے یہ نتیجہ ہے قرآن مجید کی طرف سے غفلت اور بے پروائی اختیار کرنے کا۔ اسلام کی ان اندرونی گرہ بندیوں نے قرآن کی طرف متوجہ ہونے اور قرآن مجید کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنانے کی سہولتوں کو برباد کر دیا اور فرقوں کی عصبیتوں نے یہاں تک ترقی کر لی کہ آج کل کوئی سید (فاطمی) کسی سید کی نسبت اور کوئی مغل کسی مغل کی نسبت اور کوئی قصائی کسی قصائی کی نسبت کسی مسلمان سے کوئی جائز نکتہ چینی بھی برداشت نہیں کر سکتا اور بجائے اس کے مسلمان اسلام کے حامی و خادم ہوتے اپنی مخصوص و متعین قوموں اور قومیتوں کے حامی و خدمت گزار ہیں۔ اسلامی مقاصد اور خدا و رسول کے منشاء کا ضائع اور برباد ہونا با آسانی برداشت کر لیا جاتا ہے لیکن اپنی برادری کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کی جا سکتی۔ مجھ کو ذاتی طور پر اس بات کا تجربہ ہے کہ بعض اچھے خاصے سمجھ دار اور ذی علم لوگوں نے محض اس لیے کسی عظیم الشان اسلامی نفع کو اپنے ہاتھوں سے ملیا میٹ کر دیا کہ ان کی قوم کے کسی فرد کو نقصان پہنچتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ» ❶

''وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے جو بے جا طرف داری کی طرف بلائے۔''
(اس کلمہ کو تین مرتبہ دہرایا)

ابوداؤد ہی کی ایک دوسری حدیث ہے:

«مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِيْ رَدّٰى فَهُوَ يَنْزِعُ بِذَنْبِهٖ» ❷

جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق امداد یا طرف داری کی وہ اس لدّو اونٹ کی مانند ہے جو کسی جھیرے میں گر گیا ہو اور پھر اس گڑھے میں پڑا ہوا اپنی دُم ہلا رہا ہو۔''

غرور و تکبر اور ابلیس و شیطان

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے گنہگار اور نافرمانوں کے سپہ سالار ابلیس لعین سے جو نافرمانی سرزد ہوئی وہ تکبر کی وجہ سے ہوئی۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [سورة البقرہ: ۲/۳٤]

﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝﴾ [الاعراف: ۱۲/۸]

﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ

❶ سنن ابو داؤد ، كتاب الادب: باب في العصبية، رقم الحديث: ۵۱۲۱، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے ضعیف سنن ابی داؤد (۵۱۲۱/۱۰۹۵)

❷ ابو داؤد ، كتاب الادب : باب في العصبية، رقم الحديث: ۵۱۱۷، ۵۱۱۸

مِنَ الْكَافِرِيْنَ ۞ قَالَ يَا اِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۞ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ [ص: ۳۸/ ۷۳]

اس مضمون کی آیتیں سورۂ بنی اسرائیل رکوع :۷۔ اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات میں بکثرت موجود ہیں۔ حدیث قدسی میں آتا ہے:

« قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعِزُّ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ شَيْئًا مِّنْهُمَا عَذَّبْتُهٗ » [1]

''فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بزرگی میری ذاتی چادر ہے اور عزت میرا تہ بند ہے پس جو شخص ان دونوں میں سے کچھ چیز مجھ سے چھینے یا جھگڑا کرے یعنی تکبر کرے اور میری ذات و صفات میں شرکت کرنا چاہے تو میں اس کو عذاب کروں گا۔''

''تکبر'' کے معنی ہیں اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا، بہتر اور برتر سمجھنا۔ چونکہ متکبر انسان اپنے اس عقیدہ میں فریب خوردہ ہوتا ہے اور اپنی بڑائی اور کبریائی کا غلط اور نادرست یقین رکھتا ہے لہٰذا متکبر کو مغرور بھی کہہ دیتے ہیں۔ غرور (غین مضموم) کے معنی فریب اور دھوکے کے ہیں۔ غرور (غین مفتوح) فریبی اور دھوکہ باز کو کہتے ہیں اور اسی لیے شیطان رجیم کا ایک نام غرور بھی ہے۔

﴿ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ [فاطر: ۳۵/ ۵]

جب کسی متکبر آدمی کو اس کے تکبر کی پاداش میں ذلت و رسوائی حاصل ہوتی ہے تو عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ حمیت یعنی ضد اور ہٹ اس کی گریبان گیر ہو جاتی ہے اور فریب خوردگی سے باہر آنے اور اپنے مرتبہ کو پہچاننے کے عوض الٹا اپنے غلط اور نادرست خیال کی

[1] مسلم، کتاب البر والصلة: باب تحریم الکبر، رقم الحدیث: ۲۶۲۰، ابوداؤد، کتاب اللباس: باب ما جاء فی الکبر، رقم الحدیث: ۴۰۹۰۔ بروایت ابی سعید و ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما

تائید میں دوسروں کو بھی فریب خوردہ بنانے اور فساد پھیلانے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ﴾ [القصص: ۲۸/۶۳]

سب سے پہلے متکبر گنہگار یعنی ابلیس لعین نے اپنے اصرار اور ضدی پن سے راندۂ درگاہ ہو کر کہا کہ:

﴿ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ... شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴾ [الاعراف: ۷/۱۷]

قرآن مجید کی اصطلاح میں ابلیس کا نام ابلیس اس وقت لیا جاتا ہے جب کہ وہ تکبر کا اظہار اور اپنے آپ کو برتر و بہتر قرار دے کر حکم کی تعمیل سے انکار کرتا ہے لیکن جب وہ دوسروں کو گمراہ کرنے اور فریب خوردہ بنانے کی کوشش کرتا ہے تو شیطان کہلاتا ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب نافرمانی اور تکبر متکبر کی ذات تک محدود ہو تو اس متکبر کا نام ابلیس ہے اور جب دوسروں کو نافرمان و گمراہ بنانے میں مصروف ہو جائے تو اس کا نام شیطان ہے قرآن مجید میں یہ دونوں نام اسی طرح اپنے اپنے موقعوں پر استعمال ہوئے ہیں۔

اغوائے شیطانی اور خواہشات نفسانی

دنیا میں جب سے نسل انسانی آباد ہے نور و ظلمت یا یوں کہو کہ نیکی و بدی کی کش مکش برپا ہے اور قیامت تک برپا رہے گی اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فہم عطاء کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے ذریعہ اچھی اور بری باتوں سے آگاہ فرما کر اچھے کاموں کے کرنے کی ترغیب دی اور برے کاموں سے بچنے کی تاکید فرمائی۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴾ [الاعراف: ۳۵/۷، ۳۶]

﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوْا الطَّاغُوْتَ ﴾ [النحل ۳۶/۱۶]

بخلاف اس کے شیطان انسان کی عقل کو ماؤف کر کے اسے اچھے کاموں سے باز رکھنے اور برے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرنے میں مصروف ہے شیطان کا نام سب سے پہلے گنہگار ابلیس لعین کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر ایک گمراہ کرنے اور بہکانے والے کو خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو شیطان کے نام سے پکارا ہے اور اسی لیے جمع کے صیغے میں شیاطین کا لفظ بھی قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے اور ان شیاطین کے اخوان واعوان کا بھی ذکر آیا ہے۔

﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیَآءُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُوْلٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ ﴾

[سورہ البقرہ: ۲۵۷/۲]

﴿ وَ کَذَالِكَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیَاطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ [الانعام: ۱۱۲/۶]

جو لوگ اپنی نفسانی خواہشات سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ عقل و تدبر اور بصیرت و بینائی سے کام لیتے ہیں وہ شیطانی اغوا سے محفوظ اور نیکی و راست کرداری کی صراطِ مستقیم پر قائم رہ کر فوز و فلاح سے ہمکنار اور رضائے الٰہی کے حصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔لیکن جو لوگ جذبات نفسانی اور اغوائے شیطانی کے معمول و مغلوب بن کر عقل و دانائی سے جدا ہو جاتے ہیں وہ نقصان و خسران میں مبتلا ہو کر ناکام و نامراد اور دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں:

﴿ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ ﴾
[بنی اسرائیل:۱۷/۹،۱۰]

﴿ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۝ ﴾ [الانعام:۶/۱۱۹]

﴿ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ [آل عمرن:۳/۷]

پس ثابت ہوا کہ کامیاب و با مراد ہونے کے لیے بیجا خواہشات نفسانی اور اغوائے شیطانی سے بچنے، چوکس رہنے اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم سے جدا نہ ہونے کی سخت ضرورت ہے۔

﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ [البقرہ:۲/۲۵۶]

فوز و فلاح تک پہنچانے والی صراطِ مستقیم سے واقف اور اس پر گامزن ہونے کے لیے ضرورت ہے کہ انسان فہم و فراست سے کام لے کر کلامِ الٰہی یعنی قرآن مجید میں غور و فکر و تدبر کرے اور ہر ایک ضرورت کے وقت قرآن مجید ہی کے ذریعہ روشنی اور ہدایت کا جویا ہو۔

خوش عقیدگی اور اسلاف پرستی

خوش عقیدگی اور حسن ظن انسان کی صفاتِ حسنہ میں شامل اور بدگمانی عیوب و رذائل میں شمار ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ ﴾ [الحجرات:۴۹/۱۲]

”ایمان والو! بہت سے شکوک وشبہات پیدا کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض شکوک گناہ ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے تجسس میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کو پیٹھ پیچھے برا کہا کرے۔“

﴿ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾ [فصلت: ۴۱/۲۳]

”اور اے کافرو! یہی تو وہ تمھاری بدگمانی تھی جو تم نے اپنے رب کی نسبت کی اور تمھاری اسی بدگمانی نے تم کو برباد کیا اور تم نقصان رسیدوں میں ہوئے۔“

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

« اِیَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِیْثِ » [1]

نیز ارشاد فرمایا کہ:

﴿ ظَنَّ الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا ...... ﴾

لیکن اسی خوش عقیدگی اور حسن ظن کی حدود کو مدِ نظر نہ رکھنے سے انسان شیطان کا کھلونا بن کر بڑی بڑی رذالتوں حتی کہ شرک جیسے گناہ عظیم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان کسی شخص کی خوبیوں سے واقف ہو کر اور بہت سی خوبیوں کو بھی بلا تحقیق اس شخص میں فرض کر لیتا اور کبھی ایسی باتوں کو بھی اس سے منسوب کر دیتا ہے جن کا منسوب کرنا کفر اور شرک صریح ہوتا ہے حسن ظن یا خوش عقیدگی اپنی حد سے متجاوز ہو کر ہمیشہ آباء پرستی اور اسلاف پرستی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور قرآن مجید نے اسی آباء پرستی اور اسلاف پرستی کو سب سے زیادہ مذموم و معیوب اور انسان کی انتہائی نالائقی اور پاجی پن قرار دیا ہے۔ حسن ظن اور اسلاف پرستی میں فرق نہ کرنا سب سے بڑی گمراہی اور بے راہ روی ہے۔ اسی اسلاف پرستی نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر لوگوں کو آمادہ کیا۔ اسی اسلاف پرستی نے انبیاء علیہم السلام کو لوگوں سے اللہ اور اللہ کا بیٹا کہلوایا۔ اسی اسلاف

[1] بخاری، کتاب الادب، باب ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ...... ﴾ رقم الحدیث: ۶۰۶۶؛ مسلم، کتاب البر والصلۃ: باب تحریم الظن والتجسس، رقم الحدیث: ۲۵۶۳

پرستی نے یہودیوں کو مسیح علیہ السلام کا دشمن بنایا اور اسی اسلاف پرستی کی بدولت عیسائیوں نے مسیح کو ابن اللہ کہا۔ یہی اسلاف پرستی تھی، جس نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو بعض جاہلوں سے نبی اور بعض سے نعوذ باللہ خدا کہلوایا اور اسی اسلاف پرستی نے سید شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی انگلی سے عزرائیل علیہ السلام فرشتہ کی آنکھ پھوڑ واڈالی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت بھی لوگوں نے مافوق البشریت باتوں کا اعتقاد کرکے اپنے لیے بہت سی مشکلات پیدا کر لی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت جب کوئی بات بیان کی جاتی ہے جس میں بشریت اور کسی عام انسانی کمزوری کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان رفیع کے خلاف تصور کرکے ایسی دوراز کار تاویلوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو عقل اور اسلام کے سراسر خلاف ہوتی ہیں حالانکہ اس بات پر غور کرنا چاہیے تھا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی جبکہ بشر ہونے اور بشریت کے تقاضوں سے جدا نہ ہونے کا بالتصریح قرآن مجید میں اعلان کیا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وحی الٰہی اور احکام دین کے علاوہ اور باتوں میں تمھاری ہی مانند ایک انسان ہوں تو کسی دوسرے میں مافوق البشریت طاقتوں کا یقین کرنا کہاں جائز ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے خوارق عادات اور معجزات و کرامات کو کمال اسلام اور کسی شخص کے برگزیدہ الٰہی ہونے کی دلیل سمجھ رکھا ہے حالانکہ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامتیں ہمیشہ کافروں، مشرکوں اور شریروں کے مقابلہ میں اتمام حجت کے طور پر ظاہر ہوئی ہیں اور منکرین پر عذاب الٰہی کے وارد ہونے کا موجب بنی ہیں۔ مسلمانوں اور مومنوں کے لیے تو کبھی ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوئی اور نہ ان چیزوں کو اللہ و رسول نے کسی شخص کے نیک اور پرہیزگار ہونے کا معیار قرار دیا۔ اصل نیکی اور حقیقی کامیابی تو احکام الٰہی کی پابندی میں ہے نہ خارق عادت اور غیر معمولی باتوں کی نمائش میں۔ اگر ایسا ہوتا تو عرب کے تمام کاہن ہندوستان کے تمام جوگی اور موجودہ یورپ کے تمام مسمرائزر خاصانِ خاص اور اولیاء اللہ میں شمار ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ

میں تشریف لائے تو لوگوں کو دیکھا کہ وہ تابیر نخل کرتے یعنی نر کھجور کے پھول کو مادہ کھجوروں کے پھولوں پر جھاڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا ''تم لوگ یہ کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا ''ہم ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا کہ'' اگر تم نہ کرو تو بہتر ہے''۔ انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ اس سال پھل کم آیا۔ آپ نے پھل کم آنے کا حال سن کر فرمایا کہ:

« اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهِ وَ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ رَّائِي فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ » ❶

'' میں ایک بشر ہوں جب میں تم کو تمھارے دین کی کوئی بات بتاؤں ،تو اس کو مان لو اور جب اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو سمجھ لو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں۔''

دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

« اِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا وَّ لَا تُوَاخِذُوْنِيْ بِالظَّنِّ وَ لٰكِنْ اِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ شَيْئًا فَخُذُوْا بِهِ فَاِنِّيْ لَمْ اَكْذِبْ عَلَى اللّٰهِ » ❷

'' میں نے ایک قیاس کیا تھا تم مجھ سے اس قیاس کے متعلق مواخذہ نہ کرو لیکن ہاں جب میں کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہوں تو اسے مان لو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھتا۔''

ایک اور روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ الفاظ بھی فرمائے کہ:

« اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ » ❸

'' تم اپنے دنیاوی امور کو زیادہ جاننے والے ہو۔''

---

❶ مسلم، كتاب الفضائل : باب وجوب امتثال ما قاله شرعاً...... رقم الحديث: ۲۳۶۲

❷ مسلم، حواله سابق، رقم الحديث: ۲۳۶۱

❸ مسلم، حواله سابق، رقم الحديث: ۲۳۶۳

پس جب کہ رسول اللہ ﷺ جو سید اولادِ آدم علیہ السلام اور جامع جمیع کمالات انسانیہ تھے ایک بشر ہونے کا اقرار کرتے اور دنیوی کاموں کے متعلق اپنی غلط اور صحیح دونوں باتوں کے امکان کا اعلان فرماتے ہیں تو کسی دوسرے کی نسبت ہرگز ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بشریت سے بالاتر اور ہر قسم کی کمزوریوں سے مصئون و مامون ہے۔

باب ششم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرامین الٰہیہ

رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے

﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ...... ﴾

[الفتح:٤٨/٢٨]

"اللہ تو وہ ہے جس نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق اور ہدایت دے کر بھیجا کہ اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے، محمد اللہ کے رسول ہیں......"

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ ﴾ [الجمعة :٦٢/٢]

"اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس نے مکہ والوں میں انہیں میں سے رسول بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو آلائش گناہ سے پاک کرتا اور ان کو قران مجید اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔"

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ۝ ﴾ [الاحزاب:٣٣/٤٥]

''اے نبی ! ہم نے تجھ کو توحید الٰہی کی گواہی اورمؤمنوں کو رضائے الٰہی کی خوشخبری دینے والا اور کافروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور اپنے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ اور تاریکی کو دور کرنے والا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے تو مؤمنوں کو یہ بشارت دیدے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔''

۞ ﴿ وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [السبا: ٣٤/٢٨]

''اوراے رسولؐ ! ہم نے تجھ کو دنیا بھر کے تمام لوگوں کے لیے بشیر(خوشخبری دینے والا) ونذیر(ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہےمگر اکثر لوگ اس بات کونہیں جانتے۔''

۞ ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾

[فاطر: ٣٥/٢٤]

''اے رسولؐ ! ہم نے تجھ کوحق وحکمت کے ساتھ نیکوں کو جنت کی خوشخبری سنانے والا اور بدوں کو دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اورکوئی قوم ایسی نہیں گزری کہ اس میں کوئی رسول یعنی گنہگاروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا نہ آچکا ہو۔''

۞ ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ [الاعراف: ٧/١٥٨]

''اے رسولؐ ! کہہ دے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر ہو کر آیا ہوں جس کے لیے آسمان وزمین کی حکومت ہے اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ کہ خود رسول بھی اللہ اور کلام اللہ پر ایمان رکھتا ہے اورتم رسول کی

پیروی کرو تا کہ ہدایت یافتہ بن جاؤ۔"

﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [آل عمران :۳/۱۳۲]

"اور اے مؤمنو! اللہ اور رسولؐ کی فرمانبرداری اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔"

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴾ [محمد :۴۷/۳۳]

"اے مؤمنو! اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور نافرمان بن کر اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔"

﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ [التغابن :۶۴/۱۲]

"اور لوگو! اللہ اور رسول کے فرمانبردار بن جاؤ اور اگر تم انحراف (سرکشی) اختیار کرو گے تو ہمارے رسول کا کام تو ہمارے احکام کا صاف صاف پہنچا دینا ہے۔"

﴿ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ [المائدہ:۵/۹۲]

"اور مسلمانو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچو اگر تم انحراف (سرکشی) اللہ و رسول کی اطاعت سے منحرف ہو جاؤ گے تو یاد رکھو کہ ہمارے رسول کا کام تو ہمارے احکام کا صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے۔"

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

[النساء :۴/۵۹]

"اے مؤمنو! اللہ اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں سے تمہارے فرمانروا ہوں ان

کی بھی فرمانبرداری کرو اور اگر تم اپنے اس سردار سے کسی معاملہ میں جھگڑا کرو تو تمہارے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے کا ثبوت یہ ہوگا کہ تم اس معاملہ کو اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو (یعنی انہی کی طرف لوٹا دو) اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہی بہتر بھی ہوگا اور اس کا نتیجہ بھی اچھا ہوگا۔"

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ۝ ﴾ [سورہ آل عمران:۳/۳۱]

"اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تا کہ اللہ بھی تم کو دوست رکھے اور تمہارے گناہوں کو معاف کرے اور اللہ غفور و رحیم ہے اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اگر انکار کریں تو پھر اللہ تو منکروں کو دوست نہیں رکھتا۔"

﴿ وَ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ [الحشر: ع:۵۹/۷]

"اور مسلمانو! رسول جو کچھ تم کو دے وہ لے لو اور جس چیز سے روکے اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ شدید العقاب ہے۔"

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ ﴾ [الفتح:۴۸/۱۰]

"اے رسول! جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں وہ گویا اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔"

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ [النساء:۴/۶۹]

"اور جو لوگ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری اختیار کریں گے وہ نبیوں، صدیقوں

اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام ہوئے ہیں اور یہ لوگ کیسے اچھے رفیق ہیں۔''

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

[النساء: ٤/١١٥]

'' اور جو کوئی ہدایت کے ہویدا ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے طریق کو چھوڑ کر دوسرا طریق اختیار کر لے۔ تو اس نے جو طریق اختیار کیا ہے ہم اس کو اسی طرف متوجہ رکھیں گے۔ اور اس کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور دوزخ تو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔''

﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴾ [التوبة: ٩/٦٣]

'' کیا ان کو اس بات کی خبر نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہ بہت بڑی ذلت و رسوائی ہے۔''

﴿ وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴾ [فاطر: ٣٥/٢٥]

'' اور اے رسول! اگر یہ کفار تیری تکذیب کرتے ہیں تو جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی تکذیب کی تھی جب کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلے دلائل اور صحائف اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔''

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب: ٣٣/٢١]

'' مسلمانو! تمہارے واسطے رسول اللہ کا طرزِ عمل پیروی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

﴿ وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْا فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ [فاطر: ٣٥/٤]

''اور اے رسول! اگر یہ لوگ تیری تکذیب کرتے ہیں تو تجھ سے پہلے رسولوں کی بھی تکذیب ہوتی رہی ہے اور سارے کام اللہ ہی کی طرف رجوع کیے جائیں گے۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [المائدة: ٥/٦٧]

''اے رسول! تجھ پر تیرے رب کی طرف سے جو کچھ نازل ہوا ہے تو اس کی تبلیغ کر دے یعنی لوگوں تک احکام الٰہی پہنچا دے اور اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو گویا اپنے فرض رسالت ہی کو پورا نہ کیا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو لوگوں کے حملوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راستہ نہیں دکھایا کرتا۔''

﴿ وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِىْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۞ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَ سَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾

[الفرقان ٢٥/٤١]

''اور اے رسول! یہ کفار ناہنجار جب تجھ کو دیکھتے ہیں تیری ہنسی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اگر ہم اپنے بتوں پر ثابت قدم نہ رہتے تو اس نے ہم کو ان سے منحرف کر ہی دیا تھا لیکن عذاب الٰہی دیکھنے کے وقت ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کون انتہائی گمراہی میں مبتلا تھا۔''

﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۞ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴾ [الغاشية: ٨٨/٢١]

’’اے رسول! تو لوگوں کو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ ان پر داروغہ کے طور پر ذمہ دار نہیں بنایا گیا۔‘‘

﴿ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۙ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ ﴾ [الزمر: ۳۹/۱۱-۱۳]

’’اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ مجھ کو تو یہ حکم ملا ہے کہ میں اللہ کے احکام کی فرمانبرداری ملحوظ رکھ کر خالص اسی کی عبادت کروں مجھ کو حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ اور اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے میں تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے روزِ قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔‘‘

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ وَ مِنَ الَّیْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَیْلًا طَوِیْلًا ۝ ﴾ [الانسان: ۷۶/۲۳-۲۶]

’’اے رسول! یقیناً ہم نے ہی تجھ پر قرآن بتدریج نازل کیا ہے پس تو اپنے رب کے حکم کا انتظار کر اور ان لوگوں میں سے کسی بد اعمال ناشکرے کا کہا نہ مان۔اور شام وسحر اپنے رب کا نام یاد کر اور رات کے ایک طویل حصہ میں اپنے رب کے حضور سجدہ وتسبیح کر۔‘‘

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ [الزخرف: ۴۳/۴۴،۴۵]

’’اے رسول! تجھ پر جو وحی کیا گیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہ یقیناً تو سیدھے راستے پر قائم ہے اور یہ قرآن تیرے اور تیری قوم کے لیے نصیحت ہے اور تم سب سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔‘‘

﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾ [الزمر:۳۹/۳۶]

''کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے محمد ﷺ کے لیے کافی نہیں؟ اور تجھ کو اے رسول یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے پھر اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔''

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [الجاثیہ:۴۵/۱۸]

''پھر اے رسول! ہم نے تجھ کو دینِ اسلام کی شاہراہ پر ڈال دیا پس تو اسی راستہ پر گامزن رہ اور بے سمجھ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔''

﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَ مَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾

[الاحقاف:۴۶/۹]

''اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں رسولوں میں کوئی نئی قسم کا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا نہ یہ معلوم کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے اور میں تو نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں۔''

﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَّ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ [سورۃ الشوریٰ:۴۲/۱۵]

''پس اسی لیے اے رسول! لوگوں کو دینِ اسلام کی طرف بلا اور جیسا کہ تجھے حکم

دیا گیا ہے خود بھی اسی دین پر قائم رہ اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے از قسم کتاب جو کچھ نازل کیا ہے میں اس کو مانتا ہوں اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہیں۔ ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہی ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف واپس جانا ہے۔''

﴿ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

[الانعام: ٦/٥٦]

''اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ جن معبودان باطلہ کی تم پرستش کرتے ہو مجھ کو ان کی پرستش سے ممانعت کی گئی ہے۔ جبکہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے کھلی کھلی دلیلیں آگئی ہیں اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین کا فرمانبردار بنوں۔''

﴿ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْۤا اِلَیْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ ﴾ [حم السجدة: ٤١/٦]

''اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں تمہاری ہی مانند ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود وہی اکیلا معبود ہے پس تم اسی کی طرف متوجہ رہو اور اسی سے مغفرت طلب کرو اور مشرکوں کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔''

﴿ وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ ﴾ [الزمر: ٣٩/٦٥]

''اور اے رسول! تیری طرف اور تجھ سے پہلے رسولوں کی طرف وحی بھیجی جاچکی ہے اگر تو شرک کرے گا تو تیرے عمل ضائع ہو جائیں گے اور تو زیاں کاروں میں

سے ہو جائے گا بلکہ تو اللہ ہی کی عبادت کر اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جا۔''

﴿ قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾

[یونس:۱۰/۴۹]

''اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے ہر ایک امت کے لیے ایک وقت متعین ہے جب ان کا وہ وقت آ گیا تو پھر نہ ایک ساعت پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

﴿ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [الاعراف:۷/۱۸۸]

''اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر وہی جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب سے واقف ہوتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو ایمان لانے والوں کے لیے صرف نذیر اور بشیر ہوں۔''

﴿ قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [الانعام:۶/۵۰]

''اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور یہ بھی کہہ دے کہ نہ میں غیب سے واقف ہوں نہ تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ میں فرشتہ ہوں۔ بس میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے۔ اے رسولؐ! ان لوگوں سے کہہ دے کہ کہیں اندھا اور آنکھوں والا

دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ تم کیوں نہیں سوچتے ہو۔''

﴿ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾

[المائدہ: ۵/ ۴۹]

''اور اے رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا ہے اسی کے موافق لوگوں میں حکم دے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان کی طرف سے خوب چوکس رہ کہ کہیں ان باتوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر نازل کی ہیں بعض کے متعلق تجھ کو بہکا نہ دیں۔''

﴿ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ ﴾ [النساء: ۴/ ۱۱۳]

''اور اے رسول! تجھ پر اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ تجھ کو بہکا دیں اور یہ لوگ دوسروں کو نہیں بلکہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور تجھ کو یہ لوگ کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ نے تجھ پر کتاب وحکمت نازل کی ہے اور تجھ کو وہ باتیں بتا دی ہیں جو تجھ کو معلوم نہ تھیں اور تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

﴿ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۝ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ ﴾ [النجم: ۵۳/ ۱۔۴]

''لوگو! قسم ہے نجم (ستارہ) کی جبکہ وہ ٹوٹتا ہے کہ تمہارا صاحب یعنی محمد ﷺ نہ راہِ راست سے بھٹکا اور نہ بہکا اور نہ اپنی خواہش سے کچھ کہتا ہے بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ نازل شدہ وحی ہوتی ہے۔''

﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾

[القلم: ٦٨/٤]

''قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو لکھتے ہیں کہ اے رسول تو ہرگز دیوانہ نہیں اور یقیناً تیرے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا اور بلاشک تیرے اخلاق حسنہ اعلیٰ درجے کے ہیں۔''

مذکورہ آیات کا حاصل مطلب

رسول اللہ ﷺ کا ذکر قرآن مجید کی سینکڑوں آیات میں آیا ہے۔ جن میں سے چند آیات اوپر نقل کی گئی ہیں ان آیات پر غور کرنے سے ذیل کی چند باتیں بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔

- رسول اللہ محمد ﷺ لوگوں کو قرآن مجید یعنی کامل ہدایت نامہ پہنچانے، اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کرنے برے کاموں سے بچانے اور اچھے کاموں کی ترغیب دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔
- اگرچہ آپؐ کے اوّلین اور براہ راست مخاطب آپؐ کے ہموطن عرب لوگ تھے لیکن آپ ﷺ تمام بنی نوعِ انسان کے لیے رسول ہو کر تشریف لائے اور ایسی شریعت لے کر آئے جو باقی تمام شریعتوں سے بہتر، تمام ادیان کی ناسخ اور کامل و مکمل شریعت ہے۔''
- شرارت پیشہ لوگوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کرنے، آپؐ کے ساتھ تمسخر و استہزاء سے پیش آنے اور آپ کو نقصان پہنچانے کی کوششوں میں کمی نہیں کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسکین دینے اور آپ کا دل قوی کرنے کے لیے گزشتہ رسولوں کی طرف توجہ دلائی کہ ان کے ساتھ بھی لوگوں نے اسی قسم کی شرارتیں کی تھیں۔

- آپ ﷺ کی مخالفت اس زمانے کے لوگوں نے اسی طرح کی جیسی کہ ہر ایک نبی کی مخالفت دنیا میں پہلے ہو چکی تھی آپ کو فرض تبلیغ و رسالت سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوششیں مشرکوں اور باپ دادا کی نا معقول مراسم کے باقی رکھنے والوں نے کیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بار بار آپ ﷺ کو ان بد اعمال لوگوں کی شرارت سے خبردار فرما کر ان کی بات نہ ماننے اور ان کی خواہشات پوری نہ کرنے کی تاکید فرمائی اور مشرکوں اور رسالت کے منکروں کو لاجواب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کو جوابات اور دلائل تعلیم فرمائے۔
- اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توحید باری تعالیٰ کے عقیدہ اور احکام الٰہی کی تعمیل میں کوئی کمی یا نقص واقع نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن توحید الٰہی اور تعمیل احکامِ خداوندی کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے خلاف ورزی واقع ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھی ڈرانے اور وعید سنانے میں مستثنیٰ نہیں فرمایا اور احکام شرع کا سب سے پہلا مکلّف رسول اللہ ﷺ ہی کو قرار دیا۔
- ہر شخص کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری لازمی قرار دے کر آپ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیا اور ایک جگہ فرمایا: ﴿ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾[الانفال:۸/۱۷] پھر لوگوں کو توجہ دلائی کہ رسول اللہ ﷺ تم کو جو حکم دیتے ہیں وحی الٰہی کی بنا پر دیتے ہیں اپنے دل سے خود جھوٹ بنا کر اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے پھر یہ بھی بتایا کہ آپؐ دیوانے اور مجنون نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو لوگوں کے لیے نمونہ قرار دیا اور آپ ﷺ کی نافرمانی اور مخالفت کو عذابِ جہنم اور ذلت و رسوائی کا

موجب ٹھہرایا۔

قرآن مجید میں آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کے متواتر اور بکثرت تاکیدی احکام سے یہ شبہ پیدا ہوسکتا تھا کہ آپ کے اندر خدائی صفات موجود ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ ﷺ کی نسبت متعدد مقامات پر صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ آپ اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع کے حاصل کرنے اور کسی ضرر سے بچنے کا بطور خود کوئی اختیار نہیں رکھتے، نہ آپ کے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ آپ ﷺ فرشتہ ہیں، اور نہ آپؐ غیب کی باتیں باختیار خود جانتے ہیں مگر ہاں آپؐ اللہ کے رسول ہیں آپؐ پر وحی نازل ہوتی ہے۔جو غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ آپ کو بتا دیتا ہے وہ آپ کو معلوم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ پہلے گزرے ہوئے رسولوں اور پہلی امتوں کے اکثر حالات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اور آپؐ کی قوم کو بتائے اور سنائے جو پہلے سے مکہ والوں کو معلوم نہ تھے۔اسی طرح آئندہ کی جو باتیں اللہ نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتائیں اور آپ کو معلوم ہوئیں بطور خود آپ کو معلوم نہ تھیں۔ کفار نے اکثر آپؐ سے غیب کی باتوں کے معلوم کرنے کی فرمائش کی آپؐ نے ہمیشہ یہی جواب دیا کہ میں نہیں جانتا، مجھ کو تو وحی کے ذریعے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے بتا دیتا ہے اور میں وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بشر اور بندہ ہونے کو صاف الفاظ میں بیان فرما کہ بہت سے شرکیہ عقائد کی روک تھام اور اس اندیشہ کا انسداد فرما دیا کہ جس طرح پہلی امتوں نے اپنے رسولوں اور نبیوں میں خدائی صفات تجویز کر کے ان کو بجائے خدا معبود بنا لیا تھا اسی طرح مسلمان رسول اللہ ﷺ میں اللہ کریم کی صفات تجویز کر کے توحید الٰہی سے منحرف اور شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو گمراہ اور راہِ راست سے منحرف دیکھ کر بہت بے تاب ہوتے اور ان کو صراطِ مستقیم پر لانے اور مسلمان بنانے کی کوشش میں حد سے

زیادہ محنت اٹھاتے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بار بار آپ ﷺ کو توجہ دلائی اور تسکین فرمائی کہ تمہارا کام تو صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو سنا دینا اور اچھے یا برے کاموں کے نتائج یاد دلا دینا ہے۔ برائیوں سے بچنا اور نیکیوں پر عامل ہونا لوگوں کا کام ہے اگر وہ نصیحت سننے کے بعد بھی اپنی برائی سے باز نہ آئیں تو اس میں تم پر کوئی اعتراض نہیں۔

باوجود اس کے کہ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کی سخت تاکید کی خود رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ صلح و جنگ یا انتظامی معاملات میں مسلمانوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی شریک مشورہ کر لیا کرو اور بعد مشورہ جو رائے آپ کی قائم ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کر لیا کرو۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾

[آل عمران، ع:١٧]

"پس اے رسول! یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تو ان لوگوں کے لیے نرم دل ہے اگر تو سخت مزاج اور سنگدل ہوتا تو یہ لوگ تیرے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے۔ ان کی خطاؤں کو معاف کر اور ان کے لیے مغفرت طلب کر اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا کر پھر جب تو ایک رائے پر قائم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کر، جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ ان کو دوست رکھتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی شانِ رفیع اور مقام بلند کا مفصل اور مدلل تذکرہ میں اپنی استطاعت کے موافق کتاب "حجۃ الاسلام" کے چوتھے باب میں لکھ چکا ہوں اس بیان کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

رسول اللہ ﷺ کے فیضِ صحبت سے جو لوگ فیض یاب ہوئے اور جنھوں نے مسلمان ہو کر براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم پائی ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لیے موجب ہدایت ہونے کی خود گواہی دے کر ان کی نسبت اپنی رضا مندی کا اظہار فرمایا ہے:

❁ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

[التوبة:٩/١٠٠]

"اور مہاجرین و انصار میں سے وہ لوگ جنھوں نے سب سے پہلے ایمان لا کر مسلمان ہونے میں سبقت کی اور وہ لوگ جنھوں نے ان کی پیروی سچے دل سے کی یعنی جو ان سابقون الاوّلون کے بعد خلوص دل سے ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی و مقصد وری ہے۔"

❁ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾ [الفتح:٤٨/٢٩]

"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ

کافروں پر تو بڑے سخت ہیں مگر آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔ تو ان کو رکوع و سجود کی حالت میں دیکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طلبگار ہیں ان کی شناخت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہوتی ہے یہی صفات ان کی توریت میں اور یہی صفات ان کی انجیل میں بھی بیان ہوئی ہیں۔'' پھر فرمایا:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ ﴾ [الحشر: ۵۹/۸]

'' تہی دست مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے گھروں سے نکالے اور اپنی جائیدادوں سے بے دخل کیے گئے ، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طالب ہیں اور اللہ اور رسول کی خدمت و حمایت میں مصروف ہیں۔ یہ بڑے سچے لوگ ہیں۔''

آخر رکوع تک مہاجرین و انصار اور بعد میں ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعلیٰ اخلاق کا ذکر بالتفصیل بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کے اکثر مقامات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف بیان ہوئی ہے یہ صحابہ کرام تمام کے تمام بعد میں آنے والی مسلمان نسلوں کے لیے مقام تکریم اور ان میں سے ہر ایک نجم ہدایت ہے۔

۞ ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾

[البقرہ: ۲/۱۴۳]

'' اور اسی طرح ہم نے تم کو راست رو جماعت بنایا تاکہ تم لوگوں کے سامنے بطور نمونہ پیش کیے جاؤ۔''

۞ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ ﴾ [آل عمران: ۳/۱۱۰]

''لوگوں کے لیے تم بہترین امت منتخب کیے گئے ہو کہ اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو''

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

« اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ » ❶

''میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے کسی کی پیروی کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔''

لیکن خود قرآن مجید اور احادیثِ نبوی سے ثابت ہے کہ ان میں بھی فضیلت و بزرگی کے مدارج اور مراتب ضرور تھے۔ مثلاً: ﴿ سَابِقُوْنَ الاَوَّلُوْنَ﴾ اور ﴿الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾

مہاجر، انصار، اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے حکم سنتے ہی بلا عذر نکل کھڑے ہونے والے اور کسی قدر پیچھے رہ جانے والے۔ صفِ قتال میں انتہائی خطرہ کے وقت بھی ثابت قدم رہنے والے اور اس موقع پر کسی قدر انسانی کمزوری کا بھی اظہار کر دینے والے۔ اصحابِ بدر۔ اصحاب بیعت رضوان، اہل بیت نبوی وغیرہ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ عشرۂ مبشرہ، خلفائے راشدین فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے، اہل مکہ، انصار مدینہ، اصحابِ صفہ وغیرہ کا ذکر احادیث میں بالتفصیل مذکور ہے انفرادی طور پر بھی خاص خاص حضرات کی نسبت خاص خاص صفات رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہیں۔ لیکن کسی صحابی کی نسبت یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ انھوں نے مسلمان

---

❶ مشکاۃ المصابیح(۶۰۰۹) باب مناقب الصحابة رضی اللّٰه عنهم ،قال الشیخ الالبانی فی تعلیقاته "حدیث باطل و اسناده واه جدا کما بینته فی الاحادیث الضعیفة: ۶۰، مشکاة (۳/۱۶۹۶) و قال ابن حزم" هذا خبر مکذوب موضوع باطل" تلخیص الحبیر(۴/۱۹۱) یہ روایت باطل ہے جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا: فضائل صحابہ پر بہت ساری آیات اور احادیث صحیحہ موجود ہیں انھیں چھوڑ کر غیر ثابت روایات کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ کبار آئمہ محدثین نے اپنی مرتب کردہ کتب احادیث میں مناقب صحابہ پر مستقل ابواب قائم کیے ہیں اور کئی ائمہ محدثین نے اس عنوان پر مستقل کتب بھی تالیف کی ہیں۔ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفی اللہ عنہ)

ہونے اور اللہ رسول کی اطاعت قبول کر لینے کے بعد کبھی دانستہ جھوٹ بولا ہو یا تقلید آباء سے متاثر رہ کر اللہ اور رسول کے کسی حکم کے خلاف جمعیۃ الجاہلیہ، اصرار، استکبار، ضد اور ہٹ دھرمی کا اظہار کیا ہو۔ اگر کسی صحابی سے کوئی لغزش و زلت سرزد بھی ہوئی تو وہ اس غلطی پر ہمیشہ قایم نہیں رہے اور انھوں نے ضرور اپنی اصلاح فرمائی۔

کسی صحابی سے دانستہ کوئی گناہ کبیرہ اسلام کے بعد سرزد نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت، عظمت اور اطاعت کے منافی کوئی حرکت کسی صحابی سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم اگر کسی دوسرے شخص کی زبانی کسی صحابی کے پاس پہنچا اور ان کو ثابت ہو گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو انھوں نے فوراً اس کے آگے گردن جھکا دی اور کبھی سرتابی کی جرأت نہیں کی۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی صحبت ایک ایسی اکسیر تھی کہ جس سعید الفطرت اور صحیح الفطرت کو میسر ہوئی وہ کندن بن گیا۔ جو لوگ شقی ازلی اور ناقابلِ اصلاح تھے اور اس رہبر کامل ﷺ کے ہم عصر و ہم وطن اور مخاطب ہونے کے باوجود راہِ راست پر نہ آئے اور ان کی نجات اور شرارت نے اور بھی ترقی کر کے ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ایک کافر اور دوسرے منافق۔ جس طرح کافر رسول اللہ ﷺ کے لیے باعثِ اذیت تھے اسی طرح منافق بھی موجب تکلیف ہوئے۔ دین حق کے آفتاب کی حقیقی ضیاء پاشی نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کافر دشمنوں کو نیست و نابود اور تخم سوخت کر کے چھوڑا اسی طرح منافق دشمنوں کا بھی نام و نشان مٹا دیا اور آپ اپنے فرضِ رسالت کو کما حقہ ادا اور دین اسلام کو کامل و مکمل حالت میں تعلیم فرما چکے تو اللہ تعالیٰ نے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ [المائدہ: ۵/۳] کا مژدہ جانفزا سنا کر آپ کی کامیابی کی تصدیق فرما دی۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کو دنیا کے ہر ملک اور ہر گوشہ میں پہنچا دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نسبت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرما چکا تھا کہ:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ

اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾

[الحج: ۲۲/۴۱]

’’یہ لوگ یعنی صحابہ کرام تو ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں پائیداری اور حکومت عطا کریں تو یہ نماز پڑھیں گے، زکوۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور برے کاموں سے روکیں گے یعنی سب اچھے ہی اچھے کام کریں گے اور کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔‘‘

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ [النور: ۲۴/۵۵]

’’جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو زمین کا خلیفہ یعنی ملکوں کا شہنشاہ بنا دے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو بنایا تھا اور جو دین یعنی اسلام اللہ نے ان کے لیے تجویز کیا ہے اس کو پائدار کر کے رہے گا اور ان کے خوف کو دور کر کے امن سے تبدیل کر دے گا اور اللہ کی عبادت کرتے رہیں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور جو اس احسان الٰہی کے بعد ناشکری کریں گے وہ بدعہد اور گنہگار ہوں گے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک جماعت کو دین اسلام کی پوری تعلیم دے کر اور ان کی تہذیب نفس اور تربیت اخلاق کو تبلیغ اسلام کے لیے حد کامل تک پہنچا کر اور ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ [البقرۃ: ۲/۱۴۳] اور ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ [آل عمران: ۳/۱۱۰] کا مژدہ سنا کر دنیا سے تشریف لے گئے

تھے۔ تمام ملک عرب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اسلام کی روشنی سے منور ہو چکا تھا۔ آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عراق و ایشیائے کوچک و ایران و مصر وغیرہ ممالک میں اسلام کی روشنی پھیلائی۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کو ملک عرب میں کافروں اور منافقوں کی شرارتوں کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان ملکوں میں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کرتے ہوئے انہیں دو گروہوں (کافروں اور منافقوں) کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جس طرح ملک عرب کے کفار اپنے ناقابل اصلاح عناد و سرکشی کی بدولت تلوار کے گھاٹ اترے اسی طرح ان ملکوں کے کفار نابنجار کو تلوار کے ذریعے سیدھا کیا گیا۔

جنگلی چوہے یا لومڑی کے سوراخ پر نفق یا نافقہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جنگلی چوہا اور لومڑی دونوں اپنے سوراخ کے دو راستے رکھتے ہیں تاکہ ایک راستہ سے اگر کوئی دشمن داخل ہو تو وہ دوسرے راستے سے نکل بھاگیں۔ یہی حالت منافق کی ہوتی ہے۔ منافق کو دو کشتیوں کا سوار بھی کہہ سکتے ہیں۔

﴿ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ [البقرہ: ۲/۱۴]

''اور جب مؤمنوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں اور جب اپنے شیطانوں سے علیحدگی میں ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مسلمانوں سے صرف استہزاء کیا کرتے تھے۔''

قرآن کریم میں ان لوگوں کی نامعقول حرکات اور شرارتوں کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اس جگہ صرف اس طرف توجہ دلانی مقصود ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں منافقوں کی شرارتیں نہایت تکلیف دہ اور پریشان کن ثابت ہوئی تھیں اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد سعادت مہد یعنی خلافت راشدہ کے نصف آخر میں منافقوں کے اس دوسرے جھول نے جو یمن و عراق و شام و ایران و مصر وغیرہ کے منافقین پر مشتمل تھا اپنی شرارتوں سے سخت پریشان کیا۔ لیکن ان کی

شرارتیں اور ان کے پیدا کیے ہوئے فسادات اسلام کی اشاعت کے دائرہ کو وسیع ہونے سے نہ روک سکے اور بہت ہی جلد چین کے ساحلوں سے مراقش و ہسپانیہ وفرانس کے ساحلوں تک اس زمانہ کی تمام متمدن دنیا پر خلافتِ اسلامیہ کا پرچم لہرانے لگا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اللہ اور رسول کے احکام کی اطاعت یعنی قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے نتائج اس دنیا میں بھی اس کے سامنے آ گئے اور ثابت ہو گیا کہ نسل انسانی کی اصلاح و فلاح کا صرف ایک ہی بے نقص و نہایت صحیح ذریعہ شریعت اسلام یعنی اللہ و رسول کے احکام کی اتباع ہے۔ اس مضمون کو زیادہ طول دینے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ اسلام کے دشمنوں نے بھی متفقہ طور پر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ رسول اللہ محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرنے والوں نے جس حیرت انگیز اور تعجب خیز سرعت کے ساتھ ساری دنیا اور تمام اقوام و ملل و ادیان پر حکومت و سلطنت اور ہر قسم کی فضیلت و بزرگی حاصل کی۔ اس کی نظیر تاریخ عالم میں ہرگز تلاش نہیں کی جا سکتی۔

جیسا کہ ہر ایک نبی اور ہر ایک رسول کے آنے پر دنیا میں ہدایت و راست روی کی روشنی اپنی پوری شان وعظمت سے جلوہ گر ہو کر اسی نبی کے فوت ہونے کے بعد بتدریج کم ہونے لگتی تھی اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد اس روحانیت میں بتدریج کمی آنا ضروری تھا۔ پہلے نبیوں کے بعد ان کی لائی ہوئی تعلیم بتدریج محرف و مبدل و مسخ ہو کر کچھ عرصہ کے بعد احکام الٰہی اور کلام الٰہی کے علی حالہ باقی نہ رہنے کی وجہ سے دوسرے نبی کا آنا اور نئی شریعت کا نازل ہونا ضروری ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد اگرچہ آپ کے وجود باجود اور فیوض مخصوص سے دنیا محروم ہو گئی لیکن آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپؐ پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ایسا مکمل انتظام فرما دیا کہ کسی خطرہ و اندیشہ کی مطلق گنجائش نہیں رہی۔ پس جبکہ آپ کی لائی ہوئی شریعت ہر قسم کے تغیر و تبدل اور تحریف و تنسیخ سے محفوظ و مامون ہے۔ تو نہ نئی شریعت کے آنے کی ضرورت رہی نہ نئے نبی کے تشریف لانے کی۔ نوع انسان کو فلاح و بہبود اور کامیابی و مقصدوری کے لیے ہمہ

اوقات موقع حاصل ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر جو موجود ہیں عامل اور دین کامل سے مستفیض و مستفید ہو کر سعیدان ازلی میں داخل ہو۔ مسلمانوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو جب تک اپنا نصب العین بنائے رکھا ان کی دنیوی شوکت وعظمت بھی تمام اقوام وملل پر فائق و غالب و قاہر رہی۔ جب کبھی اور جس قدر مسلمانوں کی توجہ قرآن کریم اور تعلیمات قرآنیہ کی جانب سے کم ہوئی اسی قدر ان کا دنیوی اقتدار بھی ضائع ہوا۔ قران مجید اور اصل مذہب سے مسلمان من حیث القوم جس قدر جدا ہوئے اسی قدر منافقوں اور شریروں نے ان کے اتفاق کو اختلاف و افتراق سے تبدیل کر کے ان میں فرقہ بندی اور آپس کی عداوتوں کے طوفان برپا کر دیے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی منافقوں نے طوفان برپا کیے تھے لیکن تعلیماتِ قرآنیہ کی اتباع اور احکام رسول کی فرمانبرداری نے ان طوفانوں پر غالب آ کر اسلام کو کوئی اہم نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کے بعد اور قران مجید کی طرف مسلمانوں کی توجہ کم ہوتی گئی تو منافقوں اور شریروں کے برپا کردہ اور فروشدہ فتنوں میں پھر جان پڑنے لگی۔ یہاں تک کہ ہمارے زمانہ میں مسلمانوں کی ہوا خیزی و بے اقتداری اور قرآن مجید کی طرف سے غفلت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کریم کے پر غور مطالعہ اور مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ تہذیبِ نفس درستیٔ اخلاق، صحت عقیدہ اور اعمال صالحہ کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ یہی انسان کا مقصد زندگی اور انسانی زندگی کا معراج کمال ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مذکورہ تمام چیزیں بدرجہ اتم موجود تھیں، ان کے حالات تاریخ و سیر کی کتابوں کے ذریعہ بالتفصیل ہم کو معلوم ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں بہادر و شمشیرزن سپاہی اور قوی القلب سپہ سالار تھے، تو مجلس مشورت میں دور بین و مآل اندیش مشیر۔ انھوں نے فرمانروا ہو کر انتظام سلطنت اور قیام عدل و داد میں نوشیروانِ عادل کو بھلا دیا تو ملک گیری میں اسکندر یونانی کی شہرت کو مٹا دیا۔ وہ ایک طرف قائم اللیل و صائم النہار تھے، تو دوسری طرف شہسوار و خنجر گزار وہ شگفتہ مزاج اور خوش طبع بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خشوع وخضوع

کے ساتھ عبادتیں اور دعائیں کرنے والے بھی۔ وہ علم و حکمت اور عقل و دانائی کے سمندر تھے تو خطرات و مصائب کے برداشت کرنے میں پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم۔ وہ سادہ لباس اور سادہ غذا استعمال کرنے والے، مگر بادشاہوں اور حکیموں سے زیادہ ذکاوت و باریک بینی رکھنے والے تھے۔ ایرانیوں، رومیوں، یونانیوں اور مصریوں نے ان کو اپنے آپ سے زیادہ مہذب زیادہ شریف، زیادہ صادق القول، زیادہ بہادر، زیادہ عقل مند، زیادہ شفیق علی خلق اللہ اور زیادہ عادل اور رحمدل پا کر ان کی حکومت و سرداری کو تسلیم اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کو اپنے لیے موجب فخر وسعادت سمجھا۔ لیکن کسی قدر حیرت اور حسرت کا مقام ہے کہ اس صحیح اسلام کا مفہوم جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسلام تھا عام طور پر اس قدر مسخ ہو چکا ہے کہ آج جن لوگوں کو پیشوائے دین اور جانشین رسول رب العالمین سمجھا جاتا ہے ان کے اسلام اور صحابہ کرام کے اسلام میں بہت ہی کم حقیقی مناسبت تلاش کی جا سکتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جوں جوں قرآن مجید کی طرف سے مسلمانوں نے کم التفاتی برتی اسلام کے اعمال کا توازن اور عقائد کا تناسب بگڑتا گیا۔ بعض چیزوں پر ضرورت سے زیادہ زور دے دیا گیا اور بعض ضروری چیزوں کو بے توجہی اور کم التفاتی کے ساتھ کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دیا گیا۔ یہی وہ اندرونی فتنہ اور مسلمانوں کے لیے مہلک بیماری تھی جس نے سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ بیرونی فتنے اور آفاقی خطرے وہ تھے جو منافقوں اور کافروں نے برپا کیے۔ جن کی نسبت اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔

مشاجرات واختلافات صحابہ رضی اللہ عنہم

رائے کی غلطی درحقیقت کوئی عیب نہیں، عیب اگر ہے تو یہ ہے کہ انسان اپنی رائے کی غلطی سے واقف ہونے کے بعد بھی اپنی غلط رائے پر اصرار کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق مجلس مشورت منعقد کی۔ اس مجلس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہوئی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا

جائے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان شریروں اور مسلمانوں کے قاتلوں کو قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رائے کو پسند فرمایا کہ اسیرانِ جنگ کو چھوڑ دیا لیکن بعد میں وحی الٰہی سے معلوم ہوا کہ جو رائے اختیار کی گئی ہے وہ مناسب نہ تھی اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تامل اس کا اظہار اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے کے صحیح ہونے کا اعلان فرما دیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورہ انفال کے نویں رکوع میں موجود اور احادیث میں بالتفصیل مذکور ہے۔ [1]

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں کاغذ اور قلم دوات طلب فرمایا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیش کرنا چاہا۔ لیکن چونکہ آپ کو بیماری کی تکلیف تھی۔ آپ کی تکلیف کے خیال سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کاغذ و قلم دوات کی ضرورت نہ سمجھی اور فرمایا کہ: « حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ » [2] چنانچہ اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تسلیم کر لیا اور کاغذ کا منگانا ضروری نہ سمجھا۔ [3]

---

[1] مسلم، کتاب الجهاد: باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر، رقم الحدیث: ۱۷۶۳

[2] اس حدیث پر منکرین حدیث اور شیعہ حضرات اعتراض کرتے ہیں اول الذکر طبقہ اسے انکار حدیث کی دلیل بناتا ہے تو عرض یہ ہے کہ (۱) جب اس بات کو صحیح سمجھدار کر بطور دلیل متعین کیا تو یہ بھی تو حدیث ہی ہے جسے دلیل مانا جا رہا ہے۔ (۲) کتاب اللہ سے مراد پوری شریعت ہے جیسا کہ صحیح البخاری، صحیح مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث "لعن اللّٰه الواشمات" سے عیاں ہے۔ (۳) عمر رضی اللہ عنہ خود حدیثیں بیان کرتے اور ان پر عمل کرتے تھے اس سے انکار حدیث کا فلسفہ کشید کرنا "توجیه القول بما لا یرضا به قائله" کے قبیل سے ہے۔ رافضی حضرات تو وہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلافت علی رضی اللہ عنہ لکھنا چاہتے تھے، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے ''حسبنا کتاب اللہ'' کہہ کر گستاخی کی۔'' عرض ہے (۱) آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو ڈائریکٹ حکم نہ دیا تھا بلکہ سب کو کہا تھا اس میں علی و عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہ کاغذ قلم لے آتے۔ جب وہ نہیں لائے تو ان کے بارے کیا کہتے ہیں۔ (۲) اگر لکھنا ہوتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہی لکھتے جیسا کہ صحیح مسلم و مسند احمد وغیرھما میں حدیث ہے کہ آپ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اپنے بھائی اور باپ کو بلاؤ میں لکھ دوں۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتراض نہیں کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی دلیل ہے کیونکہ یہ جمعرات کا واقعہ تھا اس کے بعد جمعہ، ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن آئے۔ آپ پیر کو فوت ہوئے، آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات پر اعتراض نہیں کیا۔

[3] بخاری۔ کتاب المغازی: باب مرض النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ووفاته، رقم الحدیث: ۴۴۳۲، مسلم، کتاب الوصیة: باب ترك الوصیة لمن لیس له شی یوصی فیه، رقم الحدیث: ۱۶۳۷

- رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اس کو قتل کردوں گا۔ لیکن جس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت: ﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ﴾ [آل عمران: ۱۴۴/۳] پڑھی تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات کو مان لیا اور اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ ❶
- رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انصار رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ ایک امیر انصار میں سے ہوگا اور ایک مہاجرین میں سے۔ مہاجرین کہتے تھے کہ امیر ایک ہی ہوگا اور وہ قریش میں سے ہونا چاہیے۔ یہ اختلاف افہام و تفہیم کے بعد فوراً رفع ہو گیا اور سب نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ❷
- رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی نسبت صحابہ میں اختلاف ہوا۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے تھے کہ اتنی بڑی فوج کا دارالخلافہ سے جدا کرنا مصلحت نہیں ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، خلیفہ اوّل نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس لشکر کی روانگی کا حکم دیا ہے میں اس کو ہرگز نہ روکوں گا۔ اور ضرور روانہ کروں گا چنانچہ سب نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کو مان لیا۔ ❸
- باغ فدک کے معاملہ میں بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف ہوا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث: « نَحْنُ مَعْشَرَ الاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرَثُ مَاتَرَكْنَا صَدَقَةٌ » ''ہم گروہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے جو تقسیم ہو ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' سن کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا صدیق

---

❶ بخاری، کتاب المغازی: باب مرض النبی ﷺ ووفاته، رقم الحدیث: ۴۴۵۲-۴۴۵۴

❷ بخاری، کتاب الحدود: باب رجم الحبلی فی الزنا اذا احصنت، رقم الحدیث: ۶۸۳۰

❸ تاریخ طبری (۲۲۴/۳-۲۲۶) کامل لابن اثیر (۲۲۶/۲) البدایة والنهایة (۳۴۴/۶-۳۴۶)

اکبر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی۔ ❶

- عرب کے بعض قبائل بنی غطفان اور بنی تمیم وغیرہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے لڑنے پر آمادہ ہوئے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شامل تھے، کہا کہ ان لوگوں سے جب کہ وہ توحید ورسالت کا اقرار کرتے اور نماز بھی پڑھتے ہیں ہم کس طرح قتال کر سکتے ہیں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب حقوق اسلام ادا نہ کریں اور اسلام کے تمام ارکان کو نہ مانیں گے ان سے ضرور قتال کیا جائے گا۔ آخر سب نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو مان لیا۔ ❷

- سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اپنے آخری ایام حیات میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنی جانشینی اور مسلمانوں کی امارت و سرداری کے لیے منتخب اور تجویز کیا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا لیکن جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا تو سب نے بخوشی مان لیا اور کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ ❸

- اکثر معاملات میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کچھ اور ہوئی اور کسی دوسرے صحابی کی رائے کچھ اور۔ آخر تحقیق وتفتیش اور شہادتوں کی فراہمی کے بعد جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی اسی کو سب نے بالاتفاق تسلیم کیا اور کسی نے اپنی رائے پر کوئی اصرار نہ کیا۔

- سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر مال غنیمت کی چادر کے متعلق سر منبر اعتراض کیا گیا۔

---

❶ بخاری ، کتاب فرض الخمس : باب فرض الخمس،رقم الحدیث:۳۰۹۲،۳۰۹۳ ، مسلم ، کتاب الجهاد: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لا نورث ما ترکنافهو صدقة "، رقم الحدیث:۱۷۵۹، ولیس فیه "نحن معشرالانبیاء"

❷ بخاری ، کتاب الزکاة : باب وجوب الزکاة ،رقم الحدیث:۱۳۹۹، ۱٤۰۰ ، مسلم ، کتاب الایمان: باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا اله الا الله ، رقم الحدیث : ۲۰

❸ طبقات ابن سعد(۳/٤۲)

آپ نے بلا اظہارِ ملال اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کیا جو سب نے بلا تامل تسلیم کیا۔ایک مرتبہ عورتوں کے مہر کی نسبت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک خاص رائے کا اظہار کیا۔ ایک عورت نے فوراً قرآن مجید کی آیت پڑھ کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے کا غلط ہونا ثابت کیا ، اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عورت کی فقاہت کو قابل داد قرار دے کر اپنی رائے کا غلط ہونا تسلیم کرلیا۔ [1]

- سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالاری سے معزول کردیا لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور تمام وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو اس معزولی کو مناسب نہ سمجھتے تھے مطلق دل تنگ نہ ہوئے اور خلیفہ وقت کے حکم کو بسرو چشم قبول کرکے پہلے سے زیادہ جانفشانیوں میں مصروف رہے۔ [2]
- ملک شام میں وبائے طاعون کے نمودار ہونے کا حال سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خود ملک شام کی طرف جہاں لشکر اسلام مقیم تھا روانہ ہوئے ان کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر سردارانِ لشکر نے استقبال کیا اور سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی کہ جہاں وبا پھیلی ہوئی ہو وہاں نہ جاؤ اور جہاں تم مقیم ہو وہاں وبا پھیل جائے تو وہاں سے نہ بھاگو۔ یہ حدیث سنا کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ یہیں سے واپس چلے جائیں اور طاعونی علاقہ میں داخل نہ ہوں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر وہیں سے واپس چلے آئے۔ [3]
- سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے میں اوّل بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اختلاف تھا۔لیکن پھر سب نے ان کی بیعت پر اتفاق کرلیا۔
- سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور اس کے بعض حصوں کو منہدم کرکے از سرِ نو مضبوط پائیدار تعمیر کیا۔اس پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معترض ہوئے

---

[1] تفسیر ابن کثیر (ص.....) بحوالہ ابی یعلی و سندہ ضعیف منقطع

[2] تاریخ طبری (۲۰۷۵/۴) الاصابۃ (۱۰۰/۲) سیر الصحابۃ (۱۶۸/۲)

[3] بخاری ، کتاب الطب ، باب ما یذکر فی الطاعون ، رقم الحدیث: ۵۷۲۹ ، مسلم ، کتاب السلام: باب الطاعون الطیرۃ والکھانۃ، رقم الحدیث: ۲۲۱۹

لیکن پھر سب متفق ہو گئے۔ ❶

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد ملکوں اور صوبوں کے انتظام اور ذمہ داری کے عہدوں پر مامور ہوکر مدینہ سے باہر چلی گئی تھی۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوت ہو چکے تھے۔ نومسلموں، غلاموں اور غیر ملکیوں کی دارالخلافہ (مدینہ) میں کثرت ہوگئی تھی اور اسی زمانہ میں عیسائی اور یہودی منافقوں نے اپنی منافقانہ شرارتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ ملک عرب میں قبیلہ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پشتینی رقابت و عداوت چلی آتی تھی۔ اسلام نے آ کر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہوکر اسے مٹا دیا تھا۔ رسول اللہؐ کے بعد صدیق اکبر اور فاوق اعظم رضی اللہ عنہما، دونوں خلیفہ نہ اموی تھے نہ ہاشمی، اس لیے مذکورہ رقابت و عداوت جو مردہ ہوچکی تھی مردہ ہی رہی اور کسی منافق کو شرارت پھیلانے کا موقع نہیں ملا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ چونکہ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا منافقوں کو شرارتیں پھیلانے اوردونوں مذکورہ قبیلوں کی پشتینی عداوتوں کے زندہ اور بیدار کرنے کا موقع ملنے لگا جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عموماً متاثر نہ ہوئے لیکن نئی پود اورنومسلم لوگ ضرور متاثر ہوئے اور عبد اللہ بن سبا صنعانی یہودی منافق کی پھیلائی ہوئی شرارتوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک نوبت پہنچائی۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ خلیفہ ہوئے، ان کے اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اس بات پر اختلاف ہوا کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بلا تامل قصاص لیا جائے یا اس معاملہ کو تفتیش و ثبوت کے تمام شرائط پورے اور خلافت کے مستحکم ہونے تک ملتوی رکھا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک باطنی، نیک نیتی اور رضا جوئی الٰہی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس گروہ میں شامل تھیں جو یہ کہتا تھا کہ قاتلان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو فوراً قتل کیا جائے۔ حالانکہ وہ اپنے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھی قاتلانِ

❶ بخاری، کتاب الصلاۃ: باب من بنی مسجداً، رقم الحدیث: ٤٥٠، مسلم، کتاب المساجد: باب فضل بناء المساجد والحث علیها، رقم الحدیث: ٥٣٣

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ میں شامل سمجھتی تھیں۔ بہن کا بھائی کے قتل پر اصرار کرنا خالص رضائے الٰہی کے جذبہ کا تقاضا تھا۔ سیدنا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو جنگ جمل میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا گیا تو فوراً لڑائی سے دست کش ہو گئے۔ ❶

جنگ جمل اور جنگ صفین دونوں لڑائیاں منافقوں کی شرارتوں اور چالاکیوں سے برپا ہوئیں۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ دونوں میں کئی سال تک حالتِ جنگ قائم رہی لیکن مذہبی معاملات میں جب کبھی ضرورت پیش آئی تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس استفتا بھیجتے اور ان کے فتویٰ پر عمل کرتے۔ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ان بزرگوں میں اگر مخالفت بھی تھی تو وہ اسی حد تک تھی اور انہیں معاملات میں تھی جن میں ان کا اختلاف رائے تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی رائے پر صداقت و ایمانداری کے ساتھ قائم تھا ضد اور ہٹ کی بنا پر نہیں۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ جنگ جمل کے بعد جب بصرہ میں داخل ہوئے تو قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے، کیا یہ درست ہے؟ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ یہ بات بالکل بے حقیقت اور غلط ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر آپ مجھ سے یہ وعدہ فرماتے تو سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق، اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو کیوں خلیفہ بننے دیتا اور کیوں ان کی بیعت کرتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ملکی معاملات میں اسی طرح اختلافات رونما ہوئے جیسا کہ انسانوں کی ہر ایک جماعت میں رائے کے اختلاف یا جذبات وخواہشات کے مختلف ہونے سے رونما ہو سکتے اور ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن عقائد اسلام اعمال اسلام اور دینی احکام کے متعلق ان میں ہرگز ہرگز کوئی اختلاف یا گروہ بندی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہدایت نامہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا ہوا خالص اور سادہ اسلام سب کا قبلہ توجہ اور نصب العین تھا۔ دینی عقاید اور تشریعی اعمال کے علاوہ فروعی مسائل

❶ مستدرك حاكم(۳/۳۶۶، ۳۶۷) باسانيد في كلها مقال

اور جدید پیش آمدہ ضرورتوں کے وقت وہ اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے جیسا کہ اجتہاد سے کام لینے کی ان کو اجازت اور فقاہت کے استعمال کرنے کی تاکید تھی۔ اس اجتہاد میں اگر ایک کی رائے دوسرے سے مختلف ہو جاتی تھی تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کو مجرم اور موردِ ملامت قرار نہ دیتا تھا۔ کیونکہ اجتہادی مسائل کے اختلاف کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتے اور اس اختلاف کے ہر ایک پہلو کو جائز سمجھتے تھے۔ جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ان کو بہت سے فروعی غیر اہم مسائل میں جو انسانی زندگی میں نئی نئی لا تعداد اور مجبوریوں کے پیش آنے پر پیدا ہوتے رہتے ہیں مختلف قسم کے احکام دے کر اس اجتہاد کے لیے اصولی تعلیم دے دی تھی اور اسی لیے ایک طرف «اَصْحَابِی كَالنُّجُومِ......» فرما کر دوسری طرف «اختلافِ اُمَّتِی رحمةٌ» فرما دیا تھا۔ [1]

شرک اور تقلید آباء

چونکہ محبت کا شعلہ حسن و احسان سے بھڑکتا ہے اور محبت کا نتیجہ محسن کی اطاعت و رضا جوئی ہے لہٰذا انسان جب کسی کے احسان سے واقف ہو گا تو اس کی دل میں محسن کی محبت اور رضا جوئی پر آمادگی خود بخود پیدا ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اور بڑی کثرت سے لوگوں کو اپنے احسانات یاد دلا کر سمجھایا ہے کہ ہم نے اپنی صفت رحمانیت کے ماتحت تمہارے آرام و راحت کے کیسے کیسے سامان پیدا کیے ہیں۔ ایک بلید الطبع اور کج فہم انسان قرآن مجید میں اس قسم کی آیات کو سرسری اور اس تذکرہ کو غیر ضروری سمجھتا ہے حالانکہ انسان کو طاعت الٰہی اور اطاعتِ رسول کے لیے آمادہ کرنے کا اس سے بڑھ کر دوسرا طریقہ تجویز ہی نہیں کیا جا سکتا۔ نسل انسانی ہمیشہ اپنے حقیقی محسن یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات کو فراموش شدہ حقیقت یا دولاتا رہا۔

---

[1] یہ دونوں روایتیں غیر ثابت ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اسی جذبہ محبت کے بے جا استعمال نے انسان کو اللہ جیسے محسن حقیقی سے غافل کر کے اس کی محبت کو کم اور ماں باپ یا باپ دادا یا اپنی قوم اور قبیلہ کی محبت کو حد سے زیادہ بڑھا کر انسان کو صراطِ مستقیم سے جدا اور گمراہ کیا۔ تمام گناہوں کا منبع اور اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نافرمانی شرک ہے۔ یہ شرک اور دوسرے گناہ عقل سلیم اور فہم مستقیم کی مخالفت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ عقل سلیم یا اسلام کی مخالفت پر سب سے زیادہ جو چیز انسان کو آمادہ کرتی ہے وہ جذبہ محبت کا بے جا استعمال اور باپ دادا کی محبت کو اللہ و رسول کی محبت پر ترجیح دینا ہے جس کو دوسرے الفاظ میں تقلید آباء اور خاندانی عصبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک اور تقلید آباء کی سب سے زیادہ مذمت کی ہے۔ اور بار بار ان دونوں کی برائی اور حقارت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

شرک

چند آیتیں جن میں شرک کا ذکر ہے ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

❁ ﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

[یونس: ۱۰/۱۸]

”مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ معبودان باطلہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اے رسولؐ! تو ان لوگوں سے کہہ دے کہ کیا تم اللہ کو ایسی خبر سنانا چاہتے ہو جس کو نہ وہ آسمان میں پاتا ہے نہ زمین میں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور بالاتر ہے۔“

❁ ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا

نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴾

[الزمر: ۳۹/۳]

''دیکھو یاد رکھو......! خالص عبادت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے اولیا اختیار کر رکھے ہیں ان کا قول ہے کہ ہم ان اولیا کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے نزدیک کردیں گے تو جس بات میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ کردے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جھوٹے ناشکرے کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

❁ ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۞ فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۞ ﴾

[الاحقاف: ۴۶/۲۸]

''اور اے مکہ والو! ......ہم نے تمہارے اردگرد کی بستیوں میں سے کتنی ہی ہلاک کردیں اور اپنی نشانیاں طرح طرح سے دکھائیں تاکہ وہ شرک سے باز آجائیں مگر ان کے باز نہ آنے پر جب ہمارا عذاب آیا تو جن کو انھوں نے تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے اللہ کے سوا اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ انھوں نے ان مشرکوں کی کیوں مدد نہ کی بلکہ وہ ان سے کھوئے گئے اور یہ حقیقت تھی ان کی بہتان بندی اور افترا پردازی کی۔''

❁ ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۞ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۞ ﴾ [یاسین: ۳۶/۷۳]

''اور اللہ کے سوا لوگوں نے دوسرے معبود اس امید پر اختیار کر رکھے ہیں ان کو ان معبودوں سے مدد ملے گی حالانکہ یہ معبودانِ باطلہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکتے بلکہ وہ ان کا لشکر قرار پا کر جواب دہی کے لیے حاظر کیے جائیں گے۔''

❁ ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [الاعراف: ۷/۱۹۴]

''اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ بھی تمہاری ہی مانند بندے ہیں پس اگر تم سچے ہو تو ان کو پکارو اور تہ تمہاری فریاد کو پہنچیں۔''

❁ ﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَ هُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [الشوری: ۴۲/۹]

''کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے لوگوں کو دوست اور کارساز بنا رکھا ہے حالانکہ اللہ ہی کارساز اور وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

❁ ﴿ وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ [القصص: ۲۸/۸۸]

''اور اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہ پکار کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ،اس کی ذات پاک کے سوا تمام چیزیں فانی ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم کو واپس جانا ہے۔''

❁ ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾ [الحج: ۲۲/۸۳]

''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اس کو سنو،تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن شریکوں کو پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے چاہے سب کے سب اس کام کے لیے جمع کیوں نہ ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس چیز کو اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ یہ طالب ومطلوب کیسے کمزور ہیں۔ ان

لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر جیسی کہ چاہیے تھی نہیں جانی۔ اللہ تو یقیناً بڑا زبردست اور سب پر غالب ہے۔''

﴿ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ ﴾ [یونس: ۱۰/۱۰۶]

''اللہ کے سوا کسی دوسرے کو کہ وہ نہ تجھ کو نفع پہنچا سکے نہ نقصان، مت پکار، اور اگر تو ایسا کرے گا تو اس وقت تو ظالموں یعنی مشرکوں میں شمار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اگر تجھ کو کوئی ضرر (نقصان) پہنچائے تو اللہ کے سوا کوئی دوسرا اس کو دور نہیں کر سکتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی بھلائی یا نفع پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روک نہیں سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچائے اور وہ تو بخشنے والا رحیم ہے۔''

﴿ وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۞ ﴾

[الزمر: ۳۹/۸]

''اور جب انسان کو کوئی اذیت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر اس کو پکارتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی نعمت اس کو عطاء فرماتا ہے تو اپنی اس مصیبت کی حالت کو جس کی وجہ سے اس نے اللہ کو پہلے پکارا تھا بھول جاتا ہے اور اللہ کے شریک ٹھہراتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کرے۔ اے رسول! ایسے مشرکوں سے کہہ دے کہ اس کفر کی حالت میں کچھ قدر قلیل فائدہ اٹھالے۔ پھر تو تو دوزخیوں ہی میں ہے۔''

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴾

[البقرہ:۲/۱۶۵]

''اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ وہ اللہ کے سوا دوسروں کواللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہیے اور جو لوگ مؤمن ہیں وہ تو سب سے زیادہ خدا ہی سے محبت رکھتے ہیں اور کاش !ان مشرکوں کو اب معلوم ہو جاتا جو کہ عذاب دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ ہر قسم کی قوت اللہ ہی کے پاس ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

﴿ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴾ [یونس:۱۰/۶۶]

''یاد رکھو کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے ہیں اور ان لوگوں نے کیا طریق اختیار کیا ہے کہ اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں یہ لوگ صرف وہم وگمان کی پیروی اور اٹکل بازیاں کرتے ہیں۔''

﴿ وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴾ [الحج:۲۲/۷۱]

''اور مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا ان شریکوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے لیے نہ تو اللہ نے کوئی دلیل نازل کی اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی معقول واقفیت ہے اور ان مشرکوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

﴿ وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ

الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾ [القصص :۲۸/۶۲]

'' اور جس دن مشرکوں کو اعلان دے کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم نے معبود سمجھ رکھا تھا اور ہر ایک امت میں ایک گواہ یعنی اس امت کا نبی الگ کر لیں گے اور مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو پس اس وقت ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی بات سچ نکلی اور جو افترا پردازیاں وہ کرتے رہے تھے سب اکارت ثابت ہوئیں۔''

۞ ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴾

[الانعام:۹/۱۱۳]

'' نبی اور مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعائیں کریں جب کہ مشرکوں کا دوزخی ہونا ان کو معلوم ہو چکا ہے چاہے یہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔''

۞ ﴿ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ﴾ [الانعام :۶/۸۸]

'' اور اگر (ابراہیم ، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ ،عیسیٰ، الیاس وغیرہ انبیاء علیہم السلام) بھی شرک کرتے تو ان کے تمام نیک اعمول بوجہ شرک کے ضائع ہو جاتے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت بھی عطاء کی تھی۔''

۞ ﴿ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۞ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ﴾ [نوح:۷۱/۲۴]

''اور مشرکین نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے معبودوں کو تم ہرگز نہ چھوڑو نہ ''ود'' کو چھوڑو، نہ ''سواع'' کو اور نہ ''یغوث و یعوق'' ونسر'' کو چھوڑو اور

حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اکثر لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔"

﴿ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ [المائدۃ:۵/۷۲]

"اور مسیح علیہ السلام نے کہا "اے بنی اسرائیل! ......اللہ کی ہی عبادت کرو وہ میرا اور تمہارا رب ہے یقیناً جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا اس پر اللہ نے جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ان مشرکوں کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا۔"

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء:۴/۴۸]

"اللہ تعالیٰ اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے ہرگز معاف نہ کرے گا اور اس شرک کے سوا جس گناہ کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس نے بہت ہی بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔"

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴾ [النساء:۴/۱۱۶]

"اللہ تعالیٰ اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے ہرگز نہ بخشے گا ،ہاں! اس شرک کے سوا اور جس گناہ کو چاہے گا بخش دے گا اور جس شخص نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک گردانا تو یقیناً وہ بہت بڑی لعنتی گمراہی میں بھٹک گیا۔"

قرآن مجید اس قسم کی آیات سے جن میں شرک اور مشرکین کا تذکرہ ہے لبریز ہے نمونہ کے طور پر اوپر کی چند آیات غور وفکر کے لیے کافی ہیں۔

تقلید آباء

اَب باپ دادا کے مراسم اور اسلاف کے ناستودہ طرزِ عمل کی پیروی کے متعلق بھی چند آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

﴿ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾

[الاعراف:۷/۱۷۲تا۱۷۴]

''اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی ذریت کو نکالا اور ان کی جانوں کے مقابلے میں انہیں کو اس طرح سوال کر کے گواہ بنایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ''ہاں تو ہمارا رب ہے اور ہم سب اس حقیقت کے گواہ ہیں'' یہ اس لیے کیا کہ کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم اس بات سے بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ ''شرک پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم تو ان کی ذریت تھے'' جو ان کے بعد آئے اور انہیں کی راہ پر ہو لیے تو کیا ہم کو ان ابتدائی غلط کاروں کے افعال کی سزا میں ہلاک کرتا ہے'' اور اسی طرح ہم اپنی آیتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں کہ لوگ اپنی فطرت اور جبلت کی طرف متوجہ ہوں۔''

﴿ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ لَوْ

شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴾

[المؤمنون:۲۳/۲۴]

"اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔نوح" نے کہا کہ" لوگو! اللہ کی عبادت کرو اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم متقی بننا نہیں چاہتے ،اس کی قوم کے منکر سرداروں نے قوم سے کہا کہ نوح تو تم ہی جیسا ایک آدمی ہے یہ تم پر فضیلت وبرتری حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کو اپنا حکم بھیجنا تھا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا۔نوح جن باتوں کی تعلیم کرتا ہے یہ ہم نے اپنے پہلے دادوں میں نہیں سنیں۔"

﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [الاعراف:۷/۷۰]

"قوم عاد کے لوگوں نے ہود علیہ السلام سے کہا: کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے خدا کی ہی عبادت کریں اور جن بتوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ان کو چھوڑ بیٹھیں۔ پس اگر تو سچا ہے تو جس عذاب سے ڈراتا ہے اسے لے آ (ہم نبٹ لیں گے)۔"

﴿ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴾

[هود:۱۱/۶۲]

"انھوں نے کہا اے" صالح !اس سے پہلے تو تو یقیناً امید گاہ تھا۔یعنی تجھ سے ہم کو بڑی بڑی توقعات تھیں لیکن اب کیا تو ہم کو ان بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے رہے ہیں اور ہم تو اس تعلیم کے متعلق جس کی طرف تو بلاتا ہے شک اور تردد میں ہیں۔"

﴿ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ

قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ [الانبیاء: ۲۱/۵۱تا ۵۴]

''اور ابراہیم کو ہم نے شروع ہی سے ہدایت اور سعادت عطاء کی تھی اور ہم اس بات سے بخوبی واقف تھے، جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ'' یہ مورتیں جن کے لیے تم معتکف ہو کیا حقیقت رکھتی ہیں۔''انھوں نے جواب دیا کہ'' ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔'' ابراہیمؑ نے کہا کہ''تم اور تمہارے باپ دادا بڑی بھاری گمراہی میں مبتلا رہے۔''

۞ ﴿قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝﴾ [الشعراء: ۲۶/۷۲]

'' ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ جب تم ان بتوں کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری فریاد کو سنتے ہیں یا تم کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ''انھوں نے جواب دیا کہ'' ایسا تو نہیں مگر ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے لہٰذا ہم پر ان کی تقلید ضروری ہے۔''

۞ ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴾

[هود: ۱۱/۸۷]

'' انھوں نے کہا کہ اے شعیبؑ کیا تیری نماز تجھ کو یہ حکم کرتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن بتوں کی عبادت کرتے آئے ہیں ہم ان کو ترک کردیں یا اپنے اموال میں اپنے حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں یقیناً تو تو بردبار بھلا آدمی ہے۔''

۞ ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝﴾ [القصص: ۲۸/۳۶]

”جب کہ موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ تو از قسم افترا جادو ہے اور اپنے پہلے باپ دادوں میں ہم نے تو اس قسم کی باتیں نہیں سنیں۔“

﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾

[یونس:۱۰/۷۸]

”فرعون اور اس کے سرداروں نے موسیٰ سے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ جس مسلک پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس سے ہم کو برگشتہ کردے اور ملک میں تم بھائیوں (موسیٰ وہارون) کی بزرگی اور بڑائی قائم ہو حالانکہ ہم تم دونوں پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔“

﴿ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ [الزخرف:۴۳/۲۲تا۲۴]

”بلکہ ان مشرکین نے کہا کہ” ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر کاربند پایا اور ہم انہیں کے نقش قدم پر گامزن رہیں گے“ اور اے رسول! ہم نے تجھ سے پہلے بھی اسی طرح جب کسی بستی میں کوئی رسول بھیجا تو اس بستی کے امراء نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مسلک پر پایا اور ہم انہیں کے نقش قدم کی پیروی کرتے رہیں گے۔“ اس پر ان کے رسول نے کہا کہ جس مسلک پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا اگر میں اس سے زیادہ اچھا اور سیدھا مسلک لے کر آیا ہوں تب بھی تم باپ دادا کا غلط طریقہ نہ چھوڑو گے۔؟“ انھوں نے کہا کہ جس

چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم تو اس کا انکار ہی کرتے رہیں گے۔“

﴿ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴾ [هود: ۱۱/۱۰۹]

”اے رسول! اس بات سے کہ یہ مشرک لوگ بت پرستی کرتے ہیں تو کسی شبہ میں نہ پڑنا جس طرح ان کے باپ دادا پہلے بت پرستی کرتے تھے یہ بھی اسی طرح بت پرستی میں مبتلا ہیں اور ہم ان کو ان کے اعمال بد کی سزا پوری پوری بے کم و کاست دیں گے۔“

﴿ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [الجاثیه: ۴۵/۲۵]

”اور جب ان کے سامنے ہماری آیات بینات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی اور کوئی حجت نہیں ہوتی مگر یہی کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ۔“

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴾ [المائدہ: ۵/۱۰۴]

”اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے رسول کی طرف آؤ یعنی اللہ و رسول کے احکام کو مانو تو جواب دیتے ہیں کہ جس مسلک پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی مسلک ہمارے لیے کافی ہے چاہے ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔“

﴿ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا

عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴾

[البقرہ: ۲/ ۱۷۰]

''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعت اتاری ہے اس کی پیروی کرو۔تو جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔چاہے ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔''

﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾

[النحل: ۱۶/ ۳۵]

''اور مشرک لوگ کہتے ہیں کہ'' اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی دوسری چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے باپ دادا پوجتے اور نہ ہم منشاء الٰہی کے خلاف کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔'' جو لوگ ان مشرکوں سے پہلے گزر چکے ہیں۔انھوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔پس رسولوں کے ذمہ تو احکام الٰہی کا صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے۔''

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴾

[لقمان: ۳۱/ ۲۱]

''اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اس کی پیروی کرو۔تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے چاہے شیطان ان کے بڑوں کو عذاب دوزخ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو۔''

﴿ وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

[الاعراف: ۷/۲۸]

''اور یہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے'' اے رسول! ان سے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کے متعلق بھی وہ باتیں کہتے ہو، جن کی نسبت کچھ نہیں جانتے۔''

﴿ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ ﴾

[الصّٰفّٰت: ۳۷/۷۲]

''ان مشرکین مکہ نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا اور انھیں کے نقش قدم پر متلاشیوں کی طرح دوڑے چلے جا رہے ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور ہم نے ان میں رسول بھیجے تھے جو ان کو بداعمالیوں سے ڈراتے تھے۔''

﴿ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۝ ﴾ [السبا: ۳۷/۴۳]

''اور جب ان مشرکین کو ہماری آیات بینات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو آپس میں کہتے ہیں کہ یہ رسول ایک ایسا آدمی ہے جو تم کو ان معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش تمہارے باپ دادا کرتے تھے اور کہتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ اور افترا پردازی ہے۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ

اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ﴾ [التوبة:۹/۲۳]

"اے مؤمنو! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو محبوب رکھیں تو تم ایسے باپ اور بھائی کو اپنا دوست اور رفیق مت بناؤ۔"

تقلید آباء کے متعلق جو آیات اوپر نقل کی گئی ہیں ان سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نسلِ انسانی کا یہ بہت ہی پرانا مرض ہے اور دنیا میں کوئی امت اور کوئی قوم اس سے نہیں بچی اور تمام انبیاء علیہم السلام کو انسان کی اس بیماری کے مقابلہ میں جدوجہد کرنی پڑی ہے اور شیطان نے انسان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کو راہِ حق اور صراطِ مستقیم سے گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل کی ہو۔ مولویوں، پیروں، فقیروں، استادوں اور خانقاہ نشینوں کی تقلید کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ اسی تقلید آباء میں شامل ہے۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں تقلید آباء کا تذکرہ آیا ہے وہاں اکثر مقامات میں آباء سے یہی لوگ مراد ہیں جیسا کہ سیاق عبارت سے ثابت ہے لیکن قرآن مجید نے مولویوں اور خانقاہ نشینوں کا نام بھی بعض مقامات میں صاف طور پر لے دیا ہے۔ مثلاً:

﴿ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ﴾ [التوبة:۹/۳۱]

﴿ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴾ [المائدة:۵/۶۳]

باب ہفتم

قرآن مجید

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی تعریف اس طرح بیان فرماتا ہے:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ [البقرہ: ۲/۲]

''یہ (قرآن) ایسی کتاب ہے جس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اس کتاب میں متقیوں کے لیے رہنمائی ہے۔''

﴿ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ﴾

[لقمان: ۳۱/۳]

''یہ اسی پُر حکمت کتاب یعنی قرآن مجید کی آیات ہیں جو نیک اعمال لوگوں کے لیے موجب ہدایت و رحمت ہے۔''

﴿ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴾ [غافر: ۴۰/۲]

''یہ فرمان یعنی قرآن اس اللہ کی جانب سے ہے جو عزیز اور علیم ہے۔''

﴿ هٰذَا بَصَآىِٕرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴾

[الجاثیہ: ۴۵/۲۰]

''یہ قرآن لوگوں کے لیے فہم و فراست کی باتوں کا ذخیرہ اور جو اس پر یقین لائیں ان کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔''

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر: ۱۵/۹]

''بے شک ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ بھی ہیں۔''

﴿ وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ﴾ [بنی اسرائیل: ۱۷/۱۴]

''اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے لوگوں کو سمجھایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور سمجھیں۔''

﴿ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴾

[الدهر: ۱۹/۷۶]

''یہ قرآن تو ایک نصیحت نامہ ہے جس شخص کا جی چاہے وہ اپنے رب کی طرف پہنچنے یعنی مقرب الٰہی بننے کا راستہ اختیار کرلے۔''

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴾ [القمر: ۱۷/۵۴]

''اور ہم نے تو قرآن کو لوگوں کے لیے نصیحت یاب ہونے کے لیے آسان کردیا ہے پس کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔''

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴾ [بنی اسرائیل: ۸۲/۱۷]

''اور ہم قرآن کی ایسی آیات نازل کرتے ہیں، جو مومنوں کے لیے تو شفاء اور رحمت ہیں مگر ان سے سرکش نافرمانوں کے نقصان ہی میں اضافہ ہوتا ہے۔''

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴾ [الكهف: ۵۴/۱۸]

''اور ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں طرح طرح سے بیان کیں مگر انسان بہت ہی کچھ جھگڑالو ہے۔''

﴿ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ ﴾

[الانعام: ۱۱۴/۶]

''کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا منصف تلاش کروں حالانکہ اللہ تو وہ ذات پاک ہے جس نے تم لوگوں کی طرف قرآن مجید یعنی مفصل کتاب بھیجی۔''

﴿ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ

يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴾ [طٰہ: ۲۰/۱۱۳]

''اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا جس میں طرح طرح سے ہم نے عذاب کی دھمکیاں دیں تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں یا ان کے دلوں میں نصیحت حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔''

﴿ وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴾

[الانبیاء: ۲۱/۵۰]

''اور یہ قرآن بابرکت نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟''

﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾ [الزخرف: ۴۳/۳،۴]

''ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اس کو سمجھو اور یہ ہمارے یہاں اصل کتاب یعنی لوح محفوظ میں موجود ہے۔ یہ بڑی بلند مرتبہ اور حکمت و دانائی کی کتاب ہے۔''

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾

[بنی اسرائیل: ۱۷/۹۲]

''اور ہم نے لوگوں کے سمجھانے کے لیے ہر قسم کی مثالیں اس قرآن میں بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ قرآن عربی زبان میں ہے اس میں کسی قسم کی کجی اور پیچیدگی نہیں، تاکہ لوگ نصیحت یاب ہو کر پرہیزگاری اختیار کریں۔''

﴿ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ [حم السجدة: ۴۱/۴]

''یہ کتاب قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں عربی زبان میں سمجھدار لوگوں

کے لیے مطلب کو کھول کھول کر بیان کرتی ہیں یہ قرآن مؤمنوں کو خوشخبری سناتا او رمنکروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اکثر لوگوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی گویا وہ اس کو سنتے ہی نہیں۔''

❁ ﴿ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ ﴾ [حم السجدة: ٤١/ ٤٢]

''اور یہ قرآن تو بڑی عالی رتبہ کتاب ہے۔ باطل نہ آگے سے اس کے پاس تک آسکتا ہے، نہ پیچھے سے۔ یہ تو حکیم وحمید اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔''

❁ ﴿ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

[يوسف: ١٢/ ١١١]

''یہ قرآن کوئی بناوٹی اور جھوٹی بات تو ہے نہیں بلکہ یہ تو توریت وانجیل وغیرہ کی تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے۔ تاکہ سرکشوں اور گناہگاروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور نیک اعمال لوگوں کو خوشخبری سنائے۔''

❁ ﴿ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ ﴾

[هود: ١١/ ١]

''یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ جس کے مضامین اور دلائل نہایت محکم اور ثابت شدہ ہیں پھر یہ کہ نہایت تفصیل وتشریح کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور حکیم وخبیر اللہ کی طرف سے ہیں۔''

❁ ﴿ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ [التكوير: ٨١/ ٢٤ تا ٢٦]

''اور یہ قرآن مجید شیطان لعین کی باتیں نہیں ہیں۔ پھر تم اسے چھوڑ کر کدھر چلے جا رہے ہو، یہ قرآن تو تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔''

❁ ﴿ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ

لِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴾ [ابراهيم: ١٤/ ٥٢]

''یہ قرآن لوگوں کے لیے ایک اطلاع نامہ یا اتمام حجت ہے اور اس لیے نازل ہوا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے اور لوگ اس بات سے واقف ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا معبود ہے اور تاکہ عقلمند لوگ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کریں۔''

❀ ﴿ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل: ١٧/ ٩]

''یقیناً یہ قرآن ایسی ہدایت کرتا ہے جو بہت ہی درست اور سیدھی ہے اور نیک عمل کرنے والے مؤمنوں کو بہت بڑے اجر کی بشارت دیتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

❀ ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا ۝ مَاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ۝ ﴾ [الكهف: ١٨/ ١-٢]

''ہر قسم کی حمد اللہ ہی کے لیے ہے۔ جس نے اپنے بندہ (محمدﷺ) پر قرآن مجید نازل کیا اور اس میں کسی قسم کی پیچیدگی باقی نہ رکھی۔ اس قرآن کی تعلیم نہایت صاف اور سیدھی ہے تاکہ اس سخت عذاب سے جو اللہ نے نافرمانوں کے لیے تیار کر رکھا ہے ڈرائے اور نیک اعمال مؤمنوں کو خوش خبری سنائے کہ ان کے لیے بہت ہی اچھا اجر ہے یعنی بہشت جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

❀ ﴿ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي تَكْذِيبٍ ۝ وَاللَّهُ مِنْ وَرَائِهِمْ مُحِيطٌ ۝

﴿ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ ﴾ [البروج:۸۵/۱۹]

’’ کافر لوگ قرآن کے جھٹلانے میں مصروف ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے ۔ان کفار کی تکذیب سے کیا ہوتا ہے قرآن تو بڑی عالی مرتبہ چیز ہے اور لوح محفوظ میں موجود ہے یعنی اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔‘‘

❁ ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ [النساء:۴/۸۲]

’’ کیا لوگ قرآن کے مطالب میں غور و تدبر نہیں کرتے (کہ اس میں کہیں اختلاف و پیچیدگی نہیں) اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت سے اختلاف اور متضاد باتیں پاتے ۔‘‘

❁ ﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾

[الانعام:۶/۵۵]

’’ اور ہم نے ہی اس برکت والی کتاب یعنی قرآن کو نازل کیا ہے لہٰذا اس کتاب کے احکام کی تعمیل کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۔‘‘

❁ ﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَاءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ [الاعراف:۷/۳]

’’ لوگو! یہ قرآن جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے ۔تم اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل کرو اور اس کے سوا دوسرے کارسازوں اور کارفرماؤں کی اتباع نہ کرو ۔مگر حالت یہ ہے کہ تم بہت ہی کم نصیحت یاب ہوتے ہو ۔‘‘

❁ ﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ ﴾

[الاعراف:۷/۲۰۴]

’’ اور لوگو! جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کو توجہ سے کان لگا کر سنا کرو اور خاموش رہا کرو ۔کیا عجب ہے کہ تم پر رحم کیا جائے ۔‘‘

﴿ وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [یونس:۱۰/۳۷]

''یہ قرآن کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی اور اپنی طرف سے بنا لایا ہو بلکہ یہ تو پہلی نازل شدہ کتابوں کی تصدیق اور تفصیل ہے اور اس قرآن کے کتاب الٰہی ہونے میں تو ذرا بھی شک نہیں۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [یونس:۱۰/۵۷]

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی اور یہ نصیحت نامہ بداعتقادیوں یعنی دل کی بیماریوں کی دوا ہے اور ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت اور رحمت ہے۔''

﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾

[الانبیاء:۲۱/۱۰]

''لوگو! ہم نے تمہاری طرف یہ ایسی کتاب بھیجی ہے جس میں تمہارا تذکرہ یعنی تمہاری بداخلاقیوں اور بداعمالیوں کا ذکر بغرض اصلاح کیا گیا ہے۔ کیا تم عقل اور سمجھ سے کام نہ لو گے۔''

﴿ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ [النور:۲۴/۳۴]

''اور ہم نے اس قرآن میں تمہارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ان کے حالات بھی بیان کیے اور پرہیزگاروں کے لیے اس قرآن کو نصیحت نامہ بنا کر بھیجا۔''

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ

نَذِيْرًا ﴾ [الفرقان: ۲۵/۱]

''اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا تاکہ تمام جہانوں کے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والا ہو۔''

﴿ وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ﴾ [البقرہ: ۲/۴۱]

''اے بنی اسرائیل! تم اس قرآن پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور یہ قرآن اس کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم ہی اس کے سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ ہو۔''

﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [المائدہ: ۵/۱۶،۱۵]

''اے اہل کتاب ......! تمہارے پاس ہمارا رسول محمد ﷺ آچکا ہے اور کتاب الٰہی میں سے جو کچھ تم چھپاتے رہے ہو وہ اس میں سے اکثر صاف صاف تم سے بیان کرتا ہے اور اکثر باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے۔ بہر حال اب تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین یعنی قرآن مجید آ گیا۔ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اللہ کی رضا مندی کے خواہاں ہوں ہدایت فرماتا اور سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور ان کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔''

﴿ فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۙ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۙ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ ۞ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۞ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۞ ﴾ [الواقعہ: ۵۶/۷۶]

''ہم ستاروں کے ٹوٹنے کی قسم کھاتے ہیں اور تم سمجھو تو یہ بہت ہی بڑی قسم ہے کہ یہ قرآن بڑا عالی مرتبہ ہے جو کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا موجود ہے، اس لوح محفوظ کو پاک فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا، یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے، کیا تم اس بات سے انکار کرتے ہو اور تم نے تو اپنا یہی روز ینہ مقرر کرلیا ہے کہ تکذیب ہی کرتے رہو گے۔''

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحدید: ۵۷/۹]

''وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن مجید کی کھلی کھلی آیات نازل فرماتا ہے تاکہ تم کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائے اور یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے لیے بہت شفیق ومہربان ہے۔''

﴿ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۞ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞ ﴾ [الحاقة: ۶۹/۴۸ تا ۵۰]

''اور یقیناً یہ قرآن پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ہے اور ہم اس بات کو بھی خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے کچھ لوگ قرآن مجید کی تکذیب بھی کرتے ہیں اور کافروں کے لیے یقیناً یہ قرآن موجب حسرت ہے۔''

﴿ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۞ ﴾ [الزمر: ۳۹/۲۳]

''اللہ تعالیٰ نے بہت اچھا کلام یعنی قرآن مجید نازل کیا۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ جسکی

باتیں ملتی جلتی ہیں اور بار بار دہرائی گئی ہیں، اس قرآن کے سننے سے ان لوگوں کے جسم کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان لوگوں کے جسم اور دل یادالٰہی کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت نامہ ہے اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کو تو پھر کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں۔''

قرآن مجید میں اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں عام لوگوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صفات بیان فرمائی ہیں۔اب ذیل میں وہ آیات نقل کی جاتی ہے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خود جناب محمد ﷺ کو مخاطب کر کے قرآن مجید کی تعریف بیان فرمائی ہے:

❁ ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ ﴾ [الدهر: ۲۳/۷٦]

''اے رسول! بلاشک ہم نے ہی یہ قرآن تجھ پر بتدریج نازل کیا ہے۔''

❁ ﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ ﴾

[آل عمران: ۵۸/۳]

''اے رسول!...... یہ جو ہم تجھ کو پڑھ کر سناتے ہیں یہ آیات الٰہی ہیں اور جچا تلا بیان ہے۔''

❁ ﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ [النحل: ۱٦/٤٤]

''اور اے رسول.....! ہم نے تیری طرف یہ نصیحت و یاددہانی یعنی کتاب مجید بھیجی تاکہ تو اس ہدایت نامہ کو جو لوگوں کے لیے نازل ہوا کھول کھول کر انہیں سمجھا دے اور تاکہ وہ غور وفکر کریں۔''

❁ ﴿ وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ [النحل: ۱٦/٦٤]

''اور اے رسول......! ہم نے تجھ پر یہ قرآن مجید اس لیے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں کو وہ باتیں، جن میں وہ اختلاف کر رہے ہیں، اچھی طرح سمجھا دے اور یہ قرآن مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

❁ ﴿ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [ص:۱۶/۸۹]

''اور اے رسول! ہم نے تجھ پر یہ کتاب (قرآن مجید) نازل کی جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرنے والی ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔''

❁ ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ [ص:۳۸/۲۹]

''اے رسول......! یہ مبارک کتاب اس لیے تیری طرف بھیجی گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات میں غور و تدبر کریں اور عقلمند لوگ نصیحت یاب ہوں۔''

❁ ﴿ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴾ [ص:۳۸/۶۸]

''اے رسول......! ان لوگوں سے کہہ دے کہ قرآن مجید کا نازل ہونا بھی بڑا عظیم الشان واقعہ ہے مگر تم اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔''

❁ ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾

[الحشر:۵۹/۲۱]

''اے رسول......! اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو دیکھتا کہ وہ پہاڑ خوف الٰہی سے دب جاتا اور ریزہ ریزہ ہو گیا ہوتا اور یہ تمثیلیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کچھ سوچیں اور غور و فکر کریں۔''

❁ ﴿ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ

بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴿ [ق: ۵۰/۴۵]

''اے رسول......! یہ لوگ جو باتیں بناتے ہیں ہم ان سے خوب واقف ہیں اور ان پر تیری کوئی زبردستی نہیں بس تیرا تو یہی کام ہے کہ جو شخص ہمارے عذاب سے خائف ہو اس کو قرآن مجید کے ذریعہ نصیحت کرے۔''

❀ ﴿ اِتَّبِعْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴾ [الانعام: ۶/۱۰۶]

''اے رسول......! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر وحی کیا گیا ہے اس کو یعنی قرآن کی پیروی کر، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مشرکین سے کنارہ کش ہو کر رہنا چاہیے۔''

❀ ﴿ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا ﴾ [الانعام: ۶/۹۲]

''اور اے رسول......! ہم نے اس برکت والی کتاب یعنی قرآن مجید کو جو پہلی نازل شدہ کتب کی تصدیق کرتا ہے اس لیے نازل کیا کہ تو مکہ والوں اور اس کے اردگرد والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے۔''

❀ ﴿ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ فِیْهِ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ﴾ [الشوریٰ: ۴۲/۷]

''اور اے رسول......! اسی طرح ہم نے تیری طرف قرآن عربی زبان میں وحی کیا تاکہ تو مکہ والوں اور مکہ کے اردگرد رہنے والوں کو ڈرائے اور روز قیامت سے خوف دلائے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ قیامت کے دن کچھ لوگ جنت میں ہوں گے اور کچھ دوزخ میں۔''

❀ ﴿ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴾ [الانعام:٦/١١٤]

''اور اے رسول......! اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ قرآن حقیقتاً تیرے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے پس تو کہیں شک کرنے والوں میں نہ ہوجانا۔''

﴿ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الاعراف:٧/٢]

''اے رسول......! یہ کتاب (قرآن مجید) تجھ پر اس لیے نازل کی گئی ہے کہ تو اس کے ذریعہ کفار کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور مؤمنوں کے لیے یہ کتاب نصیحت ہو، پس اس کتاب سے تجھ کو دل تنگ نہ ہونا چاہیے۔''

﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [النحل:١٦/١٠٢]

''اے رسول......! ان لوگوں سے کہہ دے کہ اس قرآن کو میرے رب کی طرف سے روح القدس یعنی جبرائیل نے حق و راستی کے ساتھ پہنچایا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لے آئے وہ ثابت قدم رہیں اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و بشارت ہو۔''

﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ﴾ [هود:١١/٤٩]

''اے رسول......! یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو ہم نے تجھ پر وحی کے ذریعے ظاہر کیا ہے اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو، اور تیری قوم کے لوگ ان سے ناواقف تھے۔''

﴿ وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

[هود:١١/١٢٠]

''اور اے رسول......! ہم تجھ سے اور رسولوں کے حالات اس لیے بیان کرتے ہیں کہ ان حالات کو سن کر تیرا دل مضبوط ہو اور ان حالات میں جو تم سے بیان کیے گئے حق کا اظہار بھی ہے اور مؤمنوں کے لیے وعظ ونصیحت بھی۔''

﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَ إِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾ [یوسف:۱۲/۳]

''اے رسول......! تیری طرف بذریعہ وحی یہ قرآن بھیج کر ہم تجھ کو نہایت ہی اچھا بیان سناتے ہیں اور تو اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے یقیناً بے خبر تھا۔''

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ [الرعد:۱۳/۱]

''اے رسول......! یہ قرآن مجید کی آیات ہیں اور تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل ہوا ہے وہ یقیناً سچ اور حق ہے لیکن اکثر لوگ ایسے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔''

﴿ وَ كَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴾

[الرعد:۱۳/۳۷]

''اور جس طرح ہم نے توریت وانجیل وغیرہ پہلی کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں دستور العمل بنا کر بھیجا اور اے رسول......! اگر اس کے بعد بھی کہ تیرے پاس صحیح علم آچکا ہے، تو ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرے گا تو پھر اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی تیرا حمایتی ہوگا نہ پناہ دہندہ۔''

﴿ قُلْ إِنَّمَآ أَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى إِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [الاعراف:۷/۲۰۳]

''اے رسول......! کہہ دے کہ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی

طرف سے دانائی کی باتوں کا مجموعہ ہے اور مؤمنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ ﴾ [ابراهيم: ۱/۱۴]

''اے رسول......! یہ کتاب (قرآن مجید) ہم نے تجھ پر اس لیے نازل کی ہے کہ تو لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی یعنی زبردست خوبیوں والے الہٰ کے راستہ کی طرف لائے۔''

﴿ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ [الزخرف: ۴۳/۴۳]

''اے رسول......! قرآن مجید جو تیری طرف وحی کیا گیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہیے یقیناً تو سیدھے راستے پر ہے اور یقیناً یہ قرآن تیرے اور تیری قوم کے لیے نصیحت ہے اور تم سب سے اس کی بابت بازپرس ہونی ہے۔''

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ [يونس: ۱۰/۳۸]

''کیا یہ لوگ قرآن مجید کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کو رسول نے خود بنا لیا ہے۔ اے رسول......! ان لوگوں سے کہہ دے کہ تم سچے ہو تو قرآن کی سورتوں کی مانند ایک سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو اپنی مدد کے لیے بلا لو۔''

﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل: ۱۷/۸۹]

''اے رسول......! ان لوگوں سے کہہ دے کہ اگر جن و انس سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند کوئی کلام بنا لائیں تو وہ اس کی مانند بنا کر نہیں لا سکتے، چاہے وہ ایک دوسرے کے کیسے ہی مددگار کیوں نہ ہوں اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کیں مگر اکثر لوگ ناشکری یعنی انکار کیے بغیر نہ رہے۔''

❁ ﴿ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل: ۱۷/۱۰۶]

''اور اے رسول......! ہم نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس لیے بھیجا کہ تو اس کو مختلف اوقات میں مناسب وقفوں کے بعد لوگوں کو پڑھ کر سنائے اور اسی مصلحت سے ہم نے اسے بتدریج نازل کیا۔ اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دے کہ تم قرآن کو مانو یا نہ مانو مگر ان لوگوں کے سامنے جن کو پہلی آسمانی کتابوں کا علم ہے جب یہ قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرتے اور کہتے ہیں کہ ''ہمارا رب پاک و بے عیب ہے اور ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی چاہیے تھا یعنی اس قرآن کی نسبت پہلی کتابوں میں جو پیشین گوئیاں تھیں وہ سچی ثابت ہوئیں۔''

❁ ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ﴾ [یونس: ۱۰/۱۰۹، ۱۱۰]

''اے رسول......! ان لوگوں سے کہہ دے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف

سے حق بات یعنی قرآنی تعلیم آ گئی بس جو کوئی سیدھا راستہ اختیار کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا اور جو کوئی گمراہ ہو گا وہ خود ہی گمراہی سے نقصان اٹھائے گا اور ان سے کہہ دے کہ میں تمہارے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہوں اور اے رسول ......! تیری طرف جو وحی آتی ہے تو اسی کی پیروی کیے جا اور صبر سے کام لے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

۞ ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَ مَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴾

[الزمر: ۳۹/ ۴۱]

''اے رسول......! یہ کتاب ہم نے تجھ پر لوگوں کی ہدایت کے لیے حق و حکمت کے ساتھ نازل کی ہے پس جو کوئی ہدایت یاب ہوا تو اپنی جان کے لیے اور جو گمراہ ہوا اس نے خود ہی اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور تو ان کے افعال و اعمال کا ذمہ دار نہیں۔''

۞ ﴿ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۗ ﴾ [طٰہٰ: ۲۰/ ۲]

''اے رسول......! ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ تو مشقت میں مبتلا ہو بلکہ یہ قرآن تو اللہ سے ڈرنے والے کے لیے ایک نصیحت ہے جو زمین اور بلند آسمانوں کے خالق کی طرف سے نازل ہوا ہے۔''

۞ ﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۗ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۗ ﴾ [السجدۃ: ۳۲/ ۲-۳]

''اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ اس قرآن کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اے رسول! کیا یہ لوگ اس قرآن کی نسبت کہتے ہیں کہ تو نے اپنی طرف

سے بنا لیا ہے ان کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ یہ تو تیرے رب کی طرف سے آئی ہوئی حق وراستی ہے تا کہ تو ان لوگوں کو جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا عذاب الٰہی سے ڈرائے ممکن ہے کہ وہ ہدایت پا کر راہِ راست پر آ جائیں۔‘‘

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝ يَّسْمَعُ اٰيَاتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ ﴾

[الجاثیہ: ۴۵/۸،۷]

’’اے رسول! ہم اپنے یہ احکام تجھ کو حق وحکمت کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں پس اللہ اور اس کے احکام کے بعد یہ لوگ اور کون سی بات مانیں گے ہر ایک بہتان باندھنے والے بدکار پر افسوس ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کے احکام اس کے سامنے پڑھے جاتے ہیں تو وہ ان کو سن کر اس طرح از راہ تکبر نافرمانی پر اصرار کرتا ہے کہ گویا اس نے احکام الٰہی کو سنا ہی نہ تھا پس اے رسول اسے لوگوں کو عذاب الیم کی بشارت سنا دے۔‘‘

﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ۝ فَمَنْ شَاۗءَ ذَكَرَهٗ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۢ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ۝ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ۝ ﴾ [عبس: ۸۰/۱۱ تا ۱۶]

’’دیکھو خبردار ہو کر سنو کہ یہ قرآن ایک نصیحت و یاد دہانی ہے پس جس کا جی چاہے وہ اس پر غور کرے وہ لوح محفوظ میں عزت والے اوراق میں موجود ہے جو اونچے مقام پر رکھے ہوئے ہیں نہایت ستھرے ہیں ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں۔‘‘

﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ ﴾ [حم السجدہ: ۴۱/۴۴]

’’اے رسول! ان لوگوں سے کہہ دو کہ مؤمنوں کے لیے تو یہ قرآن ہدایت اور

روحانی بیماریوں کا علاج ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے حق میں یہ کانوں کی ناشنوائی اور آنکھوں کی نابینائی ہے۔''

﴿ وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴾ [کھف: ۱۸/۲۷]

''اور اے رسول! جو کتاب کہ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوئی ہے اس کو پڑھ کہ تیرے رب کی باتوں کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اور تُو اپنے رب کے سوا کوئی جائے پناہ بھی نہیں پا سکتا۔''

﴿ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴾

[القلم:٦٨/٥١]

''اور اے رسول! یہ کافر لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو اپنی تیز تیز نگاہوں سے اس طرح گھورتے ہیں کہ تجھ کو راہ مستقیم سے پھسلا دیں گے اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے حالانکہ یہ قرآن جو تم ان کو سناتے ہو تمام جہان کے لوگوں کے لیے پند و نصیحت ہے۔''

﴿ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴾ [النساء: ٤/١١٣]

''اور اے رسول!...... اللہ نے تجھ پر کتاب یعنی قرآن مجید نازل کیا اور فہم سلیم عطاء کیا اور تجھ کو وہ باتیں بتائیں جو پہلے تجھ کو معلوم نہ تھیں اور تیرے اوپر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔''

﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾

[البقرة:٢١/٩٧]

''اے رسول......! ان لوگوں سے کہہ دے کہ جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو (اللہ اس کا دشمن ہے) اور جبرائیل نے تو اللہ کے حکم سے یہ قرآن تیرے دل پر نازل کیا ہے۔ یہ قرآن ان کتب سماویہ کی، جو اس سے پہلے نازل ہوئیں تصدیق کرتا ہے اور مؤمنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔''

❁ ﴿ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ [یونس: ۱۰/ ۱۵]

''اور اے رسول......! جب ہمارے صاف صاف احکام ان لوگوں کے سامنے پڑھے جاتے ہیں تو جو لوگ ہمارے روبرو پیش ہونے کی توقع نہیں رکھتے تجھ سے کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اسی میں تغیر و تبدل کردو تو ان سے کہہ دے کہ میری تو یہ مجال نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی تبدیلی اس میں کر سکوں، میری طرف تو جو کچھ وحی کیا جاتا ہے اسی کی پیروی کرتا ہوں میں گر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھ کو بڑے دن یعنی روز قیامت کے عذاب سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔''

❁ ﴿ وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ ﴾ [بنی اسرائیل: ۱۷/ ۴۵]

''اور اے رسول......! جب تو قرآن پڑھتا ہے ہم تیرے اور منکرین آخرت کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حائل کردیتے اور ان کے دلوں پر غلاف ڈال دیتے ہیں کہ وہ سمجھ نہ سکیں اور وہ کانوں سے اونچا سننے لگتے ہیں اور جب تو اپنے اکیلے الٰہ

کا ذکر کرتا ہے تو وہ کفار از راہِ نفرت پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگتے ہیں۔''

﴿ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ [المائدة: ٥/٤٧]

''اور اے رسول......! ہم نے تجھ پر کتاب برحق نازل کی جو پہلی نازل شدہ کتب سماویہ کے مضامین کی مصدق اور محافظ ہے، تجھ پر جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے اسی کے موافق ان لوگوں میں حکم نافذ کر اور اپنے پاس آئے ہوئے حق کو چھوڑ کر ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔''

قرآن مجید کے مضامین

قرآن مجید کو بار بار تلاوت کرنے اور غور و تدبر کے ساتھ سوچنے سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید انسان کو اس کی انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچا کر ہر قسم کے عیب و رزالت سے بچاتا اور ہر قسم کے صفات حسنہ سے متصف کر کے دنیا و آخرت یعنی دونوں جہان میں کامیاب و فائز المرام اور مقبول بارگاہ الٰہی بنانا چاہتا ہے۔ اسی مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید انسان کو دنیا میں فرمانروا اور آخرت میں بہشت بریں کا وارث بنانے کی بہترین تدابیر بتاتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ مختصر الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن انسان کی زندگی کو کامیاب زندگی بنانا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدائشی طور پر دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں شرافت و بزرگی عطاء کی ہے:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾

[بنی اسرائیل:۱۷/۷۰]

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت و بزرگی عطاء کی اور خشکی و تری میں ان کو سواریاں دیں اور پاکیزہ چیزیں عطاء کیں اور ہماری جس قدر مخلوقات ہے ان میں سے اکثر پر ہم نے بنی آدم کو فضیلت برتری عطاء کی ہے۔''

انسان کی اس فضیلت و بزرگی کا باعث فطرتِ انسانی کی وہ استعداد ہے جو اس کو اپنے رب کی معرفت کا اہل بنا کر اس کی طاعت پر آمادہ کرتی ہے۔

﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا﴾ [الاعراف:۷/۱۷۲]

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ [الذاريات: ٥٦/٥١]

ایک جگہ فرمایا:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ ﴾ [الحجرات: ١٣/٤٩]

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرنا اور خود بندہ ہونے کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لانا اور اس کی نافرمانی سے بچنا اور اس کے عذاب سے جو نافرمانی کا نتیجہ ہے ڈرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے بدی اور نافرمانی الٰہی کی ترغیب دینے والے محرکین سے متاثر ہونے کے بعد انسان اپنے فطری جذبوں کو مردہ بنا کر طاغوتی راہ اختیار کر لیتا ہے جس سے ہلاکت و نامرادی اور خسران اور ناکامی کا مستحق بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کے تقاضوں اور پیدائشی پاک جذبوں کو بیدار کرنے کے لیے وہ حقیقت جسے گمراہ ہو کر انسان فراموش کر دیتا ہے اسے یاد دلائی ہے اور اسی لیے قرآن مجید اور تعلیمات قرآنیہ کا نام ذکر تذکرہ اور تذکیر ہے۔

انسان کو ناکام و نامراد بنانے اور چوپایوں سے زیادہ ذلیل و گمراہ کرنے والی بداعمالیوں کی جڑ انسان کا اپنے خالق، رب اور معبود سے غافل اور بے پروا ہو جانا ہے۔ اس اکیلے معبود برحق سے غافل رہنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ معبودانِ باطلہ کے آگے اپنی گردن جھکا کر اپنے تمام انسانی مجد و شرف کو برباد کرنے کے بعد انواع و اقسام کی گمراہیوں میں مبتلا ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتا ہے، اسی ام الجرائم کو شرک کہتے ہیں اور نوع انسان کا پشتینی دشمن شیطان سب سے زیادہ اسی شرک میں انسان کو مبتلا کرنے کی کوشش کرتا اور اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے ہرگز نہ بخشے جانے کی وعید فرمائی اور اسی کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔

① قرآن مجید نے سب سے زیادہ شرک کی مذمت اور توحید باری تعالیٰ کی تعلیم کو مد نظر رکھا ہے اور اس خاص مضمون کو نہایت ہی دلنشین اور موثر پیرایوں میں بار بار بیان فرمایا ہے قرآن مجید کا کوئی پارہ اور کوئی ورق ایسا نہیں جو شرک کی برائی۔ مشرکین

کی مذمت اور ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت اور توحید الٰہی کے دلائل سے خالی ہو۔

② قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی ہستی باری تعالیٰ کا یقین دلانے اور انسان کی تمام تر توجہ ہمہ اوقات اللہ تعالیٰ کی جانب مائل رکھنے سے کسی مقام پر غافل نہیں۔ قرآن مجید کا کوئی ایک صفحہ بھی ایسا تلاش نہیں کیا جا سکتا جس میں متعدد مرتبہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف پر اثر اور مدلل طور پر توجہ نہ دلائی گئی ہو اور انسان کو با خدا بنانے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔

③ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے سمجھانے اور یقین دلانے کے لیے قرآن مجید میں قسم قسم کے زبردست دلائل بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت، خالقیت، ربوبیت، مالکیت، رحمانیت وغیرہ صفات حسنہ کاملہ کے ثبوت میں نظام عالم اور پیش پا افتادہ اشیاء اور ان کے تغیرات و حالات سے نہایت لطیف اور زبردست دلائل ایسے جامع و مانع الفاظ میں پیش کیے گئے ہیں کہ ان سے زیادہ دلنشین الفاظ اور لطیف پیرایہ کا تلاش کرنا ممکن نہیں۔ ہواؤں کے چلنے، بادلوں کے برسنے، بجلی کے چمکنے، دریاؤں کے بہنے، پہاڑوں سے پانی کے نکلنے، سمندروں میں کشتیوں کے چلنے، چوپایوں سے انسان کے نفع اٹھانے، درختوں سے پھلوں کے پیدا ہونے، کھیتوں کے لہلہانے، اونٹ اور گھوڑے سے سواری کا کام لیے جانے، سمندروں اور ریگستانوں میں انسان کے سفر کرنے چاند سورج اور ستاروں کے طلوع وغروب ہونے، دن اور رات کے آنے جانے، موسموں کے تبدیل ہونے وغیرہ مظاہر قدرت کی طرف توجہ دلا کر ہستی باری تعالیٰ اور دوسرے اہم مسائل پر ایسے ایسے زبردست دلائل مرتب فرما دیے ہیں کہ عام لوگ اور عالم دونوں یکساں متاثر ہو کر لطف اٹھا سکتے ہیں۔

④ شرک کی برائی اور مشرک کو بے پردہ کرنے کے لیے معقولی دلائل کی کثرت کے ساتھ ہی ان بدنتائج کی طرف بھی بار بار توجہ دلائی ہے جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے رہے ہیں کہیں عاد وثمود کی بربادی کہیں لوطیوں کی تباہی، کہیں فرعون اور فرعونیوں

کی غرقابی کا تذکرہ ہے کہیں طوفان نوح کا حال سنایا ہے تو کہیں رعد اور زلزلہ کا عذاب یاد دلایا ہے۔

⑤ شرک وتوحید کی برائی بھلائی ثابت کرنے کے بعد بطور استفہام فطرت انسانی کو اس طرح بیدار کیا ہے کہ بتاؤ تو سہی روشنی اور تاریکی کو یکساں کہا جا سکتا ہے؟ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتا ہے؟ کیا کھاری پانی اور میٹھے پانی کا مزا ایک بتایا جا سکتا ہے؟ کہیں مردہ اور زندہ برابر ہو سکتا ہے؟ کیا دھوپ اور سایہ میں کوئی فرق نہیں؟ پھر مشرکوں کو للکارا ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ پیش کرو۔ کہیں ہمدردانہ لہجہ میں توجہ دلائی ہے کہ تم عقل وفہم سے کیوں کام نہیں لیتے۔ کہیں فرمایا ہے کہ آنکھیں رکھتے ہو مگر ان سے دیکھتے کیوں نہیں۔ کان ہیں مگر ان سے سنتے کیوں نہیں، دل ہیں مگر ان سے سمجھتے کیوں نہیں، بتاؤ تو سہی مؤمن اور کافر یا مشرک اور مؤحد کو کیسے ہم رتبہ قرار دیا جا سکتا ہے۔''

⑥ تمام دلائل اور عواقب ونتائج سننے کے بعد بھی مشرک کو نجاست شرک سے جو چیز جدا نہیں ہونے دیتی اور شیطانی اصرار یا ابلیسی تکبر واستکبار پر آمادہ کر کے توحید الٰہی اور طاعتِ معبود کی طرف متوجہ نہیں ہوتے دیتی وہ تقلید آباء اور خلف کا اپنے سلف کے نقش قدم پر آنکھیں بند کر کے چلنا اور اللہ تعالیٰ کی عطاء کی ہوئی عقل و فراست اور فہم و ذکاء سے کام نہ لینا ہے لہٰذا قرآن مجید میں بار بار اور بتکرار باپ دادا کے اعمال و افعال کی اندھی تقلید کو برا کہا گیا ہے اور اس مضمون کو نہایت زبردست دلائل سے مدلل کر کے مکمل کیا گیا اور عقل وفہم سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے۔

⑦ غلط کار اور بد اعمال شخص کو جب اس کی زشتیٔ اعمال سے خبردار کیا جاتا ہے تو وہ اپنی غلط کاری سے واقف و آگاہ ہونے کے بعد تقلید آباء کا سہارا ڈھونڈتا اور اپنے بزرگوں کے اعمال کو بطور سند پیش کر کے مفتی فراست اور قاضی عقل کی حکومت سے باہر آکر بغاوت کا اعلان کر دیتا اور اپنے ہر ایک نامعقول و ناپاپستہ فعل کو

درست قرار دے کر کسی شخص کو اس بات کا مستحق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ اس کے برے کاموں کی برائی اس کے سامنے بدلائل ثابت کر کے اس کو راست روی کی ترغیب دے۔ اسی کا نام تکبر، اصرار عزت و شقاق، حمیۃ الجاہلیہ ضد اور ہٹ ہے۔ چونکہ متکبر حقیقت کے خلاف اپنے اندر بڑائی اور کبریائی کا غلط خیال قائم کر کے نصیحت گر کی نصیحت سننے اور عقل و فراست کے کام میں لانے سے انکار کرتا ہے لہٰذا قرآن مجید میں جتنی مرتبہ شرک کا ذکر آیا ہے اس کی برابر اس سے بھی زیادہ مرتبہ کبر و غرور کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ متکبروں اور مغروروں کو بار بار ان کے بدانجام سے ڈرایا گیا ہے اور اس دنیا میں متکبروں نے جو ذلتیں سہی انھیں یاد دلایا گیا ہے۔

⑧ کبر و غرور چونکہ عقل و فہم سے انسان کو جدا کر دیتا اور مغرور انسان اپنی بڑائی اور بزرگی کے خیال میں پختہ ہو کر دوسروں کو چشم حقارت سے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے لہٰذا وہ انجام ونتائج سے بے پروا ہو کر دوسروں کے حقوق غصب کرتے اور کمزوریوں پر ظلم وستم توڑنے اور ہر قسم کے مخالفِ انسانیت اعمال و افعال پر دلیر ہو جاتا ہے لہٰذا قرآن مجید میں ظلم وستم، قتل و غارت، دختر کشی، فحش و زنا، ہر قسم کی بے حیائی، دوسروں کو بدی اور برائی کی ترغیب دینا، بھلائیوں اور نیکیوں سے روکنا، نیک لوگوں کے ساتھ ہنسی دل لگی اور تمسخر اور استہزا سے پیش آنا، اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چلنا، مال و دولت اور کنبہ والوں کی کثرت پر فخر کر کے کمزوروں اور مفلسوں کو تنگ کرنا۔ قول وقسم اور وعدہ کو توڑ دینا وغیرہ بداعمالیوں کی بدلائل مذمت بیان کر کے لوگوں کو راست کرداری اور راست روی کی مخصوص انداز میں ترغیب دی گئی ہے۔

⑨ طاقتور، دولتمند اور جتھے والے بداعمال لوگ جو عموماً با اثر اور صاحب اقتدار ہوتے ہیں کبر و غرور میں مبتلا ہوتے اور داعیان حق کے مقابلہ میں اپنی طاقت و دولت کو کام میں لاتے اور مالی و جانی ایذا رسانی کے علاوہ تحقیر و استہزاء سے بھی نیک اور

راست کردار لوگوں کو ستاتے رہتے ہیں لیکن جب ان بد اعمالیوں کی طاقت پر ستارانِ حق کے مقابلہ میں کمزور ہو جاتی ہے اور با خدا لوگوں کی جمعیت ترقی پا کر ان آباء پرست معاندین کو مغلوب کر لیتی ہے تو ان کا دلی عناد اور بھی زیادہ ترقی کر جاتا ہے اس حالت میں یہ لوگ اپنے آپ کو کمزور پا کر بظاہر حق پرستوں کی جمعیت میں شامل اور اعلانیہ بد اعمالیوں سے مجتنب رہ کر درپردہ اس با خدا جمعیت کو منتشر کرنے اور نقصان پہنچانے کی تدبیروں میں مصروف ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے اور دنیا میں کم و بیش ہر زمانہ میں ان منافقوں کا وجود پایا گیا ہے اور منافقوں ہی کی بدولت دور رس اور دیرپا فسادات جو قوموں کی بربادی کا باعث ہوتے ہیں پیدا ہوتے رہے ہیں۔قرآن مجید نے ان منافقوں کے عاداتِ بد اور خصائل ذمیمہ کو بھی خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے اور ان کی شرارتوں سے بچنے اور چوکس رہنے کی تاکید فرما کر لوگوں کو منافقت کی پلیدی سے دور و مہجور رہنے کی ترغیب دی ہے۔ اس خاص مضمون کے ہر ایک پہلو پر قرآن شریف نے مختلف مقامات میں خوب اچھی طرح مکمل روشنی ڈالی ہے۔

(۱۰) مشرک، متکبر، جامد مقلد اور منافق کے اعمال چونکہ معقولیت اور دلیل و برہان سے بے تعلق و بے نیاز ہوتے ہیں لہٰذا قرآن مجید نے ایک دو جگہ نہیں سینکڑوں جگہ لوگوں کو عقل، فہم، تدبر، تفکر، شعور، فقاہت، عدل وغیرہ سے کام لینے اور بد اعمالیوں کے نتائج بد سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے اور کوئی بھی ایسی فرمائش نہیں کی جس کا پورا کرنا فطرت انسانی یا عدل و عقل کے خلاف ہو اور موجب خیر نہ ہو۔انسانی فطرت کے تقاضے کو کچلنے اور مالا یطاق بوجھ ڈالنے والا کوئی بھی حکم قرآن مجید نے انسان کو نہیں دیا اور بداعمال و بدعقاید لوگوں کو بے شمار مرتبہ عقل کے حکم بنانے اور عقل کی موافق فیصلہ کرنے کی دعوت دی اور بار بار ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [البقرۃ: ۱۱۱/۱] کا اعلان کیا ہے۔

(۱۱) قرآن مجید نے کفار و مشرکین کا ذکر کرتے اور ان کی بد اعمالیوں کی طرف تفصیلی

طور پر توجہ دلاتے ہوئے بار بار ان کو الزام دیا ہے کہ تمہارے اعمال کسی دلیل و برہان سے موید نہیں اور اغوائے شیطانی یا تقلید آباء نے تم کو عقل و دانائی سے محروم کر کے فضائل انسانی سے تہی دست اور انسانیت کا دشمن بنا دیا ہے، کہیں کہیں اعتراض کا پیرایہ نہایت ہی عجیب اور بے حد لطیف اختیار کر کے فرمایا ہے کہ ﴿اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ﴾۔

⑫ دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی بد اعمالیوں اور عقیدہ کی خرابیوں سے واقف ہو کر اصلیت و حقیقت کو بخوبی سمجھ جاتے ہیں، ان کے دل میں نیکیوں سے نفرت اور نیک لوگوں کی عداوت نہیں ہوتی لیکن وہ اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کرنے کو اپنی بے عزتی جانتے اور اپنی بد اعمالی پر قائم رہنے کو مقتضائے وضعداری سمجھتے ہیں ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ باخدا اور راست کردار لوگوں کو مفلس و نادار اور ضعیف و کمزور دیکھ کر ان کی جماعت میں شامل ہونا اپنی عزت اور مرتبہ کے خلاف سمجھ کر اپنی بد اعمالی پر قائم رہتے ہیں لہٰذا قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اس مدعا کو ثابت اور واشگاف طور پر بیان کیا ہے کہ عزت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہیں وہ دنیا میں انجام کار رذلیل و رسوا ہوتے اور متقیوں کا انجام ہمیشہ بخیر ہوا کرتا ہے۔ ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[الاعراف:۷/۱۲۸]

⑬ بد اعمال لوگوں کے انجام کی خرابی کو ذہن نشین کرانے اور ثبوت میں استقراری نتیجہ کے ذریعہ یقین پیدا کرنے کے لیے قرآن مجید نے ترغیب دی ہے کہ سیر و سفر اختیار کرو مختلف ملکوں اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاؤ وہاں کے آثار قدیمہ اور تباہ شدہ اقوام کے نشانات دیکھو اور تحقیق کرو کہ کن کن بد اعمالیوں کی پاداش میں کس کس طرح بڑی بڑی طاقتور قومیں اور بڑے بڑے صاحبِ جاہ و حشم لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر برباد ہوئے ان ان کا مال و لشکر اور دولت و حکومت اور عز و جاہ کچھ بھی کام نہ آ سکا بلکہ ذلیل و خوار ہو کر کتے کی موت مرے۔ بعض

مغضوب اقوام اور بعض بد اعمال افراد کا تفصیلی حال یاد دلا کر ان کے بعض آثار و نشانات کی طرف بھی توجہ دلائی جو عبرت آموزی کے لیے دنیا میں موجود ہیں پھر قرآن نے اس بات کو بھی نمایاں طور پر ظاہر اور ثابت کر دیا ہے کہ دنیا میں ہر ایک چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے چونکہ اس طرح انسان زیادہ متاثر ہو سکتا ہے اور اپنے انجام کو سنوارنے اور اس پر غور کرنے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے لہٰذا قرآن مجید میں نصیحت گری اور رہبری کے اس خاص پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور یہ خاص مضمون قرآن مجید کے اکثر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

⑭ بد اعمالیوں کے بد نتائج کی طرف توجہ نہ کر کے انجام و نتیجہ سے غافل رہنا ہی برائی پر قائم رہنے اور اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہونے کا سبب ہوتا ہے لہٰذا قرآن مجید نے بد اعمالیوں کے ان بد نتائج کی طرف جو دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں جس قدر یاد دہانی کی ہے اس سے بدر جہا زیادہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پانے اور یوم آخر، یوم عظیم، روز جزا یا قیامت میں ذرہ ذرہ اعمال کا حساب دینے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس دنیا میں اسباب و نتائج کے درمیان جو بدیہی تعلق ہر شخص کو نظر آتا ہے اسی کو قرآن مجید نے قیامت اور جنت و دوزخ کے برحق ہونے کی دلیل ٹھہرا کر روزِ جزا پر ایمان لانے کو ضروری بتایا اور تمام بد اعمالیوں کی بنیاد روزِ جزا پر ایمان نہ لانا قرار دیا ہے۔

⑮ روزِ جزا پر ایمان لے آنے اور بد اعمالیوں کے بد نتائج کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی ایک ضدی آدمی اپنی بد اعمالیوں کو خیر باد کہنے اور اپنی حالت میں تغیر و اصلاح پیدا کرنے سے انکار کر سکتا ہے کیونکہ وہاں تمام مصائب کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے جو اس دنیا میں انسان پر وارد ہو سکتے ہیں اور جن کا خاتمہ موت پر ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک ضدی مزاج متکبر انسان کے راہ راست پر لانے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا قرآن مجید نے دوزخ اور اس کے ناقابل برداشت اور دنیوی

ایذاؤں سے کہیں زیادہ الیم وعظیم عذابوں کی طرف بخوبی توجہ دلائی ہے جس کے تصور سے انسان کا اصرار واستکبار پاش پاش، ریزہ ریزہ اور اس کا زہرہ پگھل کر آب آب ہوسکتا ہے۔

(۱۶) تمام باتوں کو سوچتے سمجھتے اور جانتے پہچانتے ہوئے بھی کبھی کبھی انسان اپنی خواہشات نفس کا مغلوب ہوکر اندھا ہو جاتا ہے جیسا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض مشہور طبیب اور اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر جو اغذیہ و ادویہ کے خواص سے واقف اور امراض کی ہلاکت آفرینیوں سے باخبر ہوتے ہیں، بعض اوقات خود کسی مرض میں مبتلا اور خواہش نفس سے مجبور ہو کر انھیں مضر غذاوں کو کھا لیتے ہیں جو دوسرے اسی قسم کے مریضوں کو وہ ہرگز نہ کھانے دیتے۔ جو شخص اپنے نفس پر قابو نہ رکھ کر اس کی خواہشات کے آگے آگے بہہ نکلتا ہے اس کے اعمال عقل اور سمجھ کی رہبری سے محروم ہو کر اس کو ہلاکت و نامرادی کی جانب لے جاتے ہیں لہٰذا قرآن مجید نے اھواء اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے بار بار روکا اور طرح طرح سے سمجھایا ہے کہ عقل و دانائی کے خلاف نہ اپنی خواہشات کی پیروی کرو نہ دوسروں کی خلاف عقل خواہشات کو پورا کرو۔

(۱۷) بعض اوقات انسان مال و دولت کے لالچ یا اپنی روزی فراہم کرنے کی کوشش میں بہت سے ایسے کام کر گزرتا ہے جو اس کے ضمیر کے خلاف ہوتے ہیں۔نوکر اپنے آقا کی رضا جوئی میں، دکاندار اپنے گاہکوں کو خوش کرنے کے لیے، سوداگر اپنے مال کو جلد اور زیادہ نفع پر فروخت کرنے کی غرض سے اپنے عقیدہ کے خلاف کام کرتا اور بسا اوقات بد اعمال لوگوں کو بد اعمال یقین کرتے ہوئے بھی ان کی جماعت میں شامل رہتا ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی اس کمزوری کا علاج مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت کی طرف بار بار توجہ دلا کر روزی کی تنگی وفراخی کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا اور مال و دولت کی کمی و زیادتی کو مشیت ایزدی ہی پر منحصر رکھ کر انسان کو راستی، خیر اور بھلائی کے اعلان پر دلیر اور بے خوف بنا دیا

ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ ہر ملک ہر زمانے اور ہر قوم میں مسلسل پائی جاتی ہے کہ:

بناداں آں چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند ❶

⑱ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ کمزور اور ضعیف و ناتواں لوگ طاقتوروں کے خوف سے کسی حقیقت اور کلمہ خیر کو زبان تک نہیں لا سکتے اور تبلیغ حق سے باز رہ جاتے ہیں۔ قرآن مجید ایسے کمزوروں کے دلوں کو بار بار مضبوط اور طاقتور بناتا ہے اور بد دلائل سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہیے، تمام طاقتوں کا مالک اور تمام طاقتوروں پر قاہر صرف اللہ تعالیٰ ہے، حق کے اعلان اور صداقت کی تائید میں کسی بادشاہ، کسی لشکر، کسی جتھے اور کسی قوم سے ہرگز ہرگز مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ اس مضمون کو قرآن مجید نے جس خوبی، بلند آہنگی اور زبردست دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے دنیا کی کسی دوسری کتاب میں اس کی مثال نہ ملے گی۔

⑲ شریروں اور بد معاشوں کی کثرت ان کے سامان جنگ کی افراط قلیل التعداد خواہاں امن اور بے ساز و سامان داعیان حق کو مرعوب کر کے میدان میں نکلنے اور اشرار نابکار کو مقابلہ کے لیے للکارنے سے باز رکھ سکتی ہے لہٰذا قرآن مجید نے ایمان اور بہادری کو لازم و ملزوم ثابت کر کے سمجھایا ہے کہ بد اعمال لوگ اور منکرین حق جو اپنی شرارتوں سے باز نہیں رہنا چاہتے۔ وہ فہم و جزا سے بیگانہ اور روز قیامت کے منکر ہونے کی وجہ سے بزدل اور مؤمنوں کے برابر ہرگز بہادر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان کی کثرتِ تعداد سے قلیل التعداد مؤمنوں کو مرعوب ہونے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ بزدلی و نامرادی کو قرآن مجید نے نہایت قابلِ ملامت عیب اور شرک کا مترادف قرار دیا ہے۔

---

❶ روزی محض عقل و خرد اور ہوشیاری و چالاکی سے ہی سے نہیں آتی بلکہ قسمت سے ملتی ہے جس کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے۔ نادان کو وہ (اللہ) روزی اس طرح دیتا ہے کہ دانا آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ اس کو اس قدر دولت کیسے مل گئی حالانکہ وہ اس قابل نہ تھا بلکہ احمق و بے وقوف و بے ہنر آدمی تھا۔

⑳ پند و نصیحت کی تمام باتیں اور عقل و دانائی کی طرف متوجہ کرنے کی تمام کوششیں جب بیکار ثابت ہو جاتی ہیں اور شریروں ، بدمعاشوں اور بد اعمال سرکشوں کی شرارتیں امن و امان کو غارت کر کے داعیان حق کے لیے تبلیغ حق کے تمام راستے بند اور عقاید و اعمال کی آزادی کو فنا کر دیتی ہیں تو ایسی حالت میں حق پرستوں اور نوع انسان کے ہمدردوں کا سب سے پہلا کام فساد و بدامنی کے عناصر کو برباد اور بدمعاشوں کو قتل کر کے امن وسکون کی فضا کا پیدا کر دینا ہوتا ہے۔ اور کام ہر ایک عبادت اور ہر ایک نیکی پر فضیلت رکھتا ہے جس سے کسی صاحب عقل و ہوش انسان کو انکار نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس مضمون کو مفصل اور مدلل طور پر بیان فرما کر قتال فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی زبردست ترغیب دی ہے اوران لوگوں کو جو اس سب سے زیادہ ضروری کام میں اپنی جانیں صرف کر دیں سب سے زیادہ کامیاب و بامراد بتایا ہے۔

㉑ میدان جنگ میں ہنگامہ کارزار برپا کر کے کامیابی حاصل کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری وجود ایک ایسے سپہ سالار کا ہے جس کے احکام کی تعمیل بلا چوں و چرا کی جائے لہٰذا قرآن مجید نے لوگوں کو اپنے سپہ سالار کے احکام کی تعمیل کرنے اور عدول حکمی سے بچنے کی تاکید فرما کر فرمانبرداری اور نافرمانی کی برائیاں مفصل و مدلل طور پر بیان فرمائی ہیں۔

㉒ شریروں فسادیوں اور بدمعاشوں کے مقابلہ میں سر بکف ہو کر میدان میں نکلنے سے اس دنیوی زندگی کی محبت منع کر سکتی اور عیش وعشرت کی عادت صعوبات جنگ کے برداشت کرنے سے باز رکھ سکتی ہے لہٰذا قرآن مجید نے انسان کو بہادر اور صعوبت کش بننے کی مدلل اور زبردست ترغیب دے کر اس بات کا یقین دلایا ہے کہ ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر اور اس کی زندگی کی مدت محدود اور متعین ہے جس میں کمی بیش نہیں ہوتی اس تصور کے بعد انسان میں خطرات کے مقام پر کھڑے رہنے اور صفِ قتال سے پیچھے نہ ہٹنے کی استعداد خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

(۴۳) ماں باپ، اولاد، بھائی بہن، خاندانی بزرگ اور قریبی رشتہ داروں کی محبت جس کو خون کا جوش کہا جاتا ہے، انسان کو مجبور کرنے کے لیے بڑی زبردست طاقت ہے اور دنیا کی ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک میں ہمیشہ اس زبردست طاقت نے اپنی ہستی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اسی طاقت سے ہمیشہ تقلید جامد اور شرک و گمراہی کی جڑوں کو پانی ملتا رہا ہے۔ قرآن مجید نے ایک طرف تو رشتہ داروں کی محبت اور ان کے حقوق کو تسلیم کر کے ان حقوق کی بجا آوری اور فطرت انسانی کی رعایت کو مدنظر رکھا ہے دوسری طرف حق و صداقت توحید باری تعالیٰ اور رضائے الٰہی کے مقابلہ میں ماں باپ اولاد اور بھائی بہن وغیرہ تمام رشتہ داروں کو ناقابل التفات قرار دے کر انسان کو حمایت حق کے لیے شمشیر برہنہ بنا دیا ہے۔

(۴۴) شر اور فساد کے مٹانے کی کوشش میں انسان اپنی جان کو معرض خطر میں ڈالنے سے اس لیے بھی باز رہ سکتا ہے کہ جب خود میں ہی نہ ہوا تو شر و فساد کے مٹ جانے اور امن و امان کے دنیا میں قائم ہونے سے مجھ کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے لہٰذا میں اپنی جان گنوا کر شر و فساد کو کیوں مٹاؤں اور خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو کیوں فائدہ پہنچاؤں۔ اس خیالِ خام کی تردید و اصلاح میں قرآن مجید نے روزِ جزا اور اخروی نتائج کی طرف توجہ دلانے کے علاوہ ایثار و قربانی کی حقیقت کے سمجھانے اور ایثار کو بہترین اعمال ثابت کرنے میں نہایت مدلل اور مؤثر طرز کلام اختیار فرمایا ہے۔

(۴۵) شر و فساد کے عنصر کو مغلوب اور ملکی فضا میں امن و امان کی استعداد پیدا کرنے کے بعد امن و امان کے باقی رکھنے اور انسانی معاشرت کو خوشگوار بنانے کے لیے ضرورت ہے کہ آپس کے تعلقات اور معاملات میں ہر ایک انسان کے حقوق محفوظ ہوں اور کوئی کسی کے مال، جان اور عزت کو بے جا نقصان نہ پہنچا سکے لہٰذا قرآن مجید نے ایک طرف لوگوں کو عدل و انصاف قائم رکھنے کی ترغیب دی اور دوسری طرف ایک کامل و مکمل نظام سلطنت پیش کر کے انسانی ضروریات کے ہر ایک شعبہ کے لیے اصولی قوانین پیش کر دیے جن سے بہتر قوانین پیش کر دیے جن سے بہتر قوانین و آئین نہ تجویز کیے

جا سکتے ہیں نہ ان میں کسی قسم کا عیب اب تک ثابت کیا جا سکا ہے۔

۲۶ آئین سلطنت اور قوانین حکومت جو امن و امان کے قیام اور نظم سلطنت کے استحکام کا موجب ہیں ان کے نفاذ نگرانی اور عملدرآمد کے لیے بھی ایک آمر یا امیر یا سلطان کی ضرورت ہے قرآن مجید نے اس کا نام اولو الامر یا خلیفہ تجویز فرما کر اس کی اطاعت کو لازمی قرار دیا ہے۔

۲۷ پر امن حکومت اور انتظام سلطنت سے بھی جرائم اور بد اعمالیوں کا بکلی انسداد نہیں ہو سکتا لہٰذا قرآن مجید نے تقویٰ، خشیت الٰہی ، دل کی پرہیز گاری اور نیت و ارادہ کی نیکی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے ارادوں سے واقف نیتوں سے آگاہ اور ان پر عذاب وثواب مرتب فرماتا ہے۔ قرآن کریم کے اس اہتمام نے گناہوں اور بد اعمالیوں کو بیخ و بن سے فنا کر دینے کا سامان بہم پہنچا دیا ہے۔

۲۸ جنت کی نعمتوں اور راحتوں نیز دوزخ کے عذابوں کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں بکثرت آیا ہے اور اس تذکرہ کا ہونا اس لیے ضروری تھا کہ برائیوں سے بچنے اور نیکیوں کے کرنے کی ترغیب ہو اور اس دنیا کی راحتوں کا گرویدہ ہو کر انسان آخرت سے غافل اور رضائے الٰہی کے کاموں میں محنتوں اور مصیبتوں سے جی چرانے کی طرف مائل نہ ہو جائے۔

۲۹ لوگوں میں فساد اور بد امنی پیدا ہونے کے اسباب میں نسلی امتیاز اور قبائلی عصبیت کو ہمیشہ نمایاں درجہ حاصل رہا ہے ۔ قرآن مجید نے شعوب و قبائل کے امتیاز کو تسلیم کرتے ہوئے اس امتیاز کے اس پہلو کو جو باعث فساد ہوتا ہے بالکل فنا کر دیا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ قبائل کا الگ الگ ہونا وہی حیثیت رکھتا ہے جو اشخاص و افراد کے الگ الگ نام رکھے جانے کی حیثیت ہے۔ جس طرح ہر شخص اپنے جدا جدا نام سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح قبیلے الگ الگ ناموں سے تعبیر کیے جا سکتے ہیں لیکن محض کسی قبیلہ یا کسی خاندان سے متعلق ہونے کے سبب کوئی شخص عزت و

تکریم کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم نے اعمال نیک کو باعث تکریم قرار دے کر خاندانی اور نسلی تفاخر کی جڑ کاٹ دی اور ترقی کا راستہ ہر انسان کے لیے یکساں کھلا رکھا جس کو طاقتور اور قابو یافتہ لوگ کمزوروں کے لیے ہمیشہ مسدود کرتے چلے آتے تھے۔

۳۰ آپس میں کامل اتفاق اور سچی محبت پیدا ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ ایک شخص دوسرے کے حقوق پر غاصبانہ طور پر قابض ہونے سے پرہیز نہ کرے، قرآن مجید نے ہر ایک شخص کے انسانی و فطری حقوق اس کو دلا کر نا اتفاقی اور بغض و کینہ کی جڑ کاٹ دی پھر فرمانبردار اور نیک لوگوں کو آپس میں محبت اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ زندگی بسر کرنے اور ایک دوسرے کی ہمدردی و نفع رسانی میں سرگرم رہنے کی تاکید فرما کر باخدا انسانوں کے لیے اس دنیوی زندگی کو بھی جنتی زندگی بنا دیا ہے اور اسی لیے سب کو بھائی بھائی بنا دینے کا ذکر فرما کر اس کو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ثابت کیا ہے۔

۳۱ آپس کی محبت و ہمدردی کچھ زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتی اگر وہ صرف زبانی جمع خرچ تک محدود ہو لہٰذا قرآن مجید نے بار بار تاکید فرمائی کہ امراء اور صاحب استطاعت لوگ غریبوں اور مفلسوں کی مالی امداد کریں، یہ امداد مختلف طریقوں سے ہوسکتی ہے۔ مثلاً: کسی کو کچھ عرصہ کے لیے قرض دے کر اس کا رکا ہوا کام چلا دینا اور پھر جب وہ واپس دینے کے قابل ہو جائے تو اپنا دیا ہوا اصل قرضہ واپس لے لینا، بھوکے کو کھانا کھلانا، مسکین اور یتیم کی ضرورتوں کو پورا کرنا، مسافروں کی امداد کرنا، غازیوں کے لیے سامان جنگ اور ضروری چیزیں فراہم کر دینا، اپنے محسنوں بالخصوص ماں باپ کی خدمت کرنا، اپنی آمدنی کا ایک مقررہ حصہ مرکزی خزانہ میں جمع کرنا تاکہ وہ امیر یا خلیفہ کے زیر اہتمام ایسے کاموں میں خرچ ہو وغیرہ وغیرہ۔

۳۲ اتفاق و اتحاد کے قائم اور باقی رکھنے کے لیے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ آپس میں محبت حاضر و غایب یکساں رہے، اس میں کسی فریب اور بناوٹ کو مطلق دخل نہ ہو، لہٰذا جس طرح تمسخر اور بد زبانی وغیرہ سے منع کیا اس طرح غیبت، چغل خوری، بہتان بندی وغیرہ سے قرآن مجید نے بتاکید منع فرمایا اور ان افعال ناپایستہ

کی شناعت کو ثابت کر کے ان کے بدنتائج سے ڈرایا ہے۔

(۳۳) صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید مسلمانوں اور با خدا لوگوں میں اتفاق و محبت پیدا کرنے اور اس کے قائم رکھنے کی تدبیریں بتاتا ہے بلکہ قرآن مجید بے راہ رو اور غلط کار لوگوں کے ساتھ بھی انسانیت اور شرافت برتاؤ کی تاکید فرماتا ہے۔ قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ مشرکوں کے معبودانِ باطلہ کو بھی بدزبانی سے یاد نہ کرو کیونکہ اس طرح وہ مشرک بھی بدزبانی سے پیش آئیں گے اور فساد پیدا ہوگا۔ بداعمال لوگوں سے مباحثہ یا مناظرہ کرو تو تہذیب اور شرافت کو ہاتھ سے نہ جانے دو بلکہ ان کے ساتھ اس نرمی و محبت سے پیش آؤ کہ تمہارے حسن اخلاق کے گرویدہ ہو کر تمہاری دوستی کے خواہاں بن جائیں، کفار کے ساتھ جو معاہدے کیے گئے ہوں ان کو پورا کرنا ضروری ہے، پھر حکم دیا کہ اگر تم کو کفار کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہے تب بھی ان کے ساتھ بے انصافی کا برتاؤ اور خلاف عدل کوئی کام ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

(۳۴) کفار و اشرار کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب سے یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ جماعت مسلمین کو بھی بعض اوقات اس طرز عمل سے نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا قرآن مجید نے صاف طور پر یہ بھی بتا دیا کہ کفار و اشرار سے بہ حسن اخلاق پیش آنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم ان سے ایسی دوستیاں اور یارانے قائم کرو جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکے بلکہ اگر تم نے کفار و اشرار سے ایسے تعلقات رکھے جن سے مسلمانوں کی جماعت کو نقصان پہنچ سکے تو پھر تم بھی انھیں کفار میں شمار کیے جاؤ گے۔

(۳۵) ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں سے بہ حسن سلوک پیش آنے کی تاکید کے علاوہ شوہر اور بیوی کے تعلقات، خانگی پیچیدگیوں اور معاشرت کی باریک و دقیق گتھیوں کے سلجھانے کے لیے بھی قرآن مجید نے نہایت ہی عاقلانہ اور بے حد نفع رساں ہدایات بیان فرمائی ہیں اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ نزول قرآن سے پیشتر دنیا اس راحت رساں معاشرتی زندگی سے محروم تھی۔

(۳۶) دنیا میں انسانوں کی رہبری و ہدایت کے لیے بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ہادی آتے رہے، ان پیغمبروں اور ہادیوں کے بعد ان کے امتی لوگوں نے اصل ہدایت اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو فراموش کر کے تقلید آباء کے جذبہ مشؤمہ اور نسلی عصبیت کو ترقی دے کر خود ان ہادیوں ہی میں خدائی صفات اور مافوق البشریت الٰہی طاقتیں تجویز کیں اور شرک کی گمراہی وظلمت میں گرفتار ہو گئے۔ قرآن مجید نے اس خطرہ کی روک تھام کا بھی کافی سامان بہم پہنچا دیا اور متعدد مرتبہ جناب محمد ﷺ کے انسان اور بشر رسول ہونے کا اعلان کر کے ان باتوں کی طرف توجہ دلائی جو دوسرے انسانوں کی طرح آپؐ میں بھی پائی جاتی تھیں۔

۳۷) خاتم النبیین محمد ﷺ کی عبدیت اور بشریت کا یقین دلا دینے کے بعد اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں اس حقیقت سے غافل نہ ہو جائیں کہ آپ ﷺ تمام جہان کے لوگوں کے لیے معلم، مزکی اور امراض روحانی کے طبیب بن کر آئے ہیں اور آپؐ کی زندگی نوع انسان کے لیے اسوۂ حسنہ اور قابل اقتداء نمونہ ہے لہٰذا قرآن مجید نے بار بار اس طرف توجہ دلائی کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر ایک حکم ماننا ضروری اور آپ ﷺ کا ہر ایک قول وفعل قابل تقلید ہے یعنی قرآن مجید کے اوامر ونواہی کی تعمیل کے ساتھ ہی نہ آپ ﷺ کے اوامر ونواہی کی تعمیل بھی از بس ضروری ہے اور آپ ﷺ کے ارشادات کی فرمانبرداری احکام الٰہی کی فرمانبرداری ہے۔

۳۸) اللہ تعالیٰ نے خود جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ان کی ذات کے متعلق جو جو حکم دیے اور آپ ﷺ کے بعض کاموں میں نکتہ چینی فرما کر جس طرح اصلاح وتربیت فرمائی قرآن مجید میں وہ تمام الفاظ وفقرات بھی موجود ومحفوظ ہیں اور یہ ایک نہایت زبردست دلیل اس بات کی ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب اور نہایت محفوظ ہدایت نامہ ہے۔

۳۹) کلام الٰہی اور سنت نبوی (دین اسلام) کی اشاعت وتبلیغ کو قرآن مجید نے نہایت ضروری کام ٹھہرا کر اس کے متعلق پُر اثر ترغیبیں اور نہایت مفید اور ضروری ہدایات بیان فرمائیں اور ہر ایک مسلمان کو مبلغ اسلام قرار دینے کے علاوہ ایک ایسی جماعت

کا قیام ضروری قرار دیا ہے جس کی زندگی کا خصوصی مقصد تبلیغ و تعلیم ہو۔

(۴۰) اسی طرح امانت و دیانت، صلح جوئی، صدق و صفا، رضا بالقضا، طہارت و پاکیزگی، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حقوق ہمسایہ، سعی و کوشش وصعوبت کشی کی ترغیب اور یاس و ناامیدی کی مذمت وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ اگر ان سب کی طرف اشارہ کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو جائے لہٰذا انھیں چند اشارات پر جو تعلیم قرآنیہ کی نسبت نامکمل طور پر لکھے گئے اکتفا کیا جاتا ہے۔

مضامین قرآنی کی ترتیب

گزشتہ فصل میں بیان کیے ہوئے مضامین و مطالب اور ان کے سوا اور بھی بہت سے ضروری مقاصد قرآن شریف کے ہر حصہ میں بالکل اسی طرح بکھرے ہوئے ہیں جیسے آسمان پر ستارے بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں قرآن شریف کے تیس پاروں میں سے ایک پارہ بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں تمام مذکورہ مطالب و مضامین میں سے ہر ایک مقصد و مضمون کی کچھ نہ کچھ آیات موجود نہ ہوں۔قرآن مجید نے کسی ایک مضمون کو شروع کر کے ایک ہی جگہ ختم اور تمام نہیں کر دیا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جس مضمون کا جو حصہ جہاں بیان ہوا ہے وہ اپنی جگہ کامل اور نفع رساں ہے اور محتاج بالغیر نہیں۔ اگر ایک مضمون ایک ہی جگہ پورا اور تمام ہو جاتا اور قرآن مجید کے دوسرے حصوں میں وہ مضمون نہ پایا جاتا تو اس طرح قران مجید کے خاص خاص پارے خاص خاص حیثیتوں کے ہوتے اور ایک پارہ کی تلاوت بعض ضروری باتیں یاد دلاتی تو بعض دوسری ضروری باتوں سے بالکل بے تعلق رہتی حالانکہ قرآن مجید کا ہرایک پارہ جو روزانہ تلاوت میں آتا ہے تمام ضروری باتیں ہر روز یاد دلا دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص تیس دن میں قرآن مجید کے تیس پارے ختم کرے تو تیس مرتبہ ضروری اور اہم مضامین کے مختلف حصے زیر توجہ آجاتے ہیں۔ جو مضمون جس قدر زیادہ ضروری اور اہم ہے قرآن مجید میں اس کا ذکر اسی قدر زیادہ مرتبہ اور زیادہ اہتمام سے کیا گیا ہے، جو مضامین جس قدر کم ضروری ہیں اسی قدر

قرآن مجید میں ان کا ذکر کم آیا ہے جن مضامین پر زیادہ غور و خوض کی زیادہ ضرورت ہے ان مضامین کو قرآن مجید نے ایک ہی قسم کے الفاظ میں بار بار بیان فرمایا ہے، جن مضامین پر غور و خوض کی زیادہ ضرورت نہیں مگر ہیں وہ ضروری مضامین۔ انکو حصص اور اقسام میں منقسم کر کے متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے۔ جس طرح لوگوں نے آسمان کے ستاروں پر اعتراض کر کے اپنی حماقت کا ثبوت پیش کیا ہے اسی طرح انھوں نے قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں کی ترتیب پر اعتراض کر کے اپنی بے بصیرتی کا پردہ چاک کیا ہے، آج اگر یہ ممکن ہو کہ آسمان کے ایک درجہ کی روشنی والے تارے آسمان کے ایک حصہ میں اور اسی طرح تیسری چوتھی پانچویں وغیرہ اقسام کو آسمان کے جدا جدا حصوں میں انسانی ترتیب و اہتمام کے موافق تبدیل کر دیا جائے تو علم ہیئت کے جاننے والے جانتے ہیں کہ نہ یہ موجودہ نظام شمسی اپنی حالت پر قائم رہ سکتا ہے نہ رات دن کے موجودہ اوقات کا نظام اور موسموں کے تغیر و تبدیلی کی یہ باقاعدگی برقرار رہ سکتی ہے پس آسمان کے ستاروں کی ترتیب جس طرح ہماری رائے اور تجویز سے وراء الوراء ہے اسی طرح قرآن مجید کی ترتیب ہماری محدود و ناقص رائے سے بالاتر ہے، جس رب کریم نے آسمان اور ستارے بنائے اسی مالک الملک نے قرآن مجید نازل کیا، جس طرح ریگستان اور سمندروں کے سفر اور اندھیری راتوں میں آسمان کے ستاروں سے ہم راستہ معلوم کرتے اور منزل پر پہنچتے ہیں اسی طرح قرآن مجید کی آیتوں سے جہل و گمراہی کی ظلمت میں ہم صراط مستقیم کا پتہ لگا سکتے ہیں۔

تدبر فی القرآن کے متعلق بعض اشارات

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور ملک عرب کے اس مرکزی شہر (مکہ) میں سب سے پہلے شائع ہوا جس کو اپنی زبان کی خوبی و فصاحت پر فخر تھا اور ان فصحاء و بلغاء عرب (قریش) کو سب سے پہلے سنایا گیا جن کو اپنی قادر الکلامی اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا اور ہر ایک۔ غیر عرب کو وہ کج مج زبان یعنی عجم کہتے تھے لیکن یہ ثابت شدہ

حقیقت ہے کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیے اور قرآن مجید کے بلیغ و محکم ادائے بیان کے مقابلہ میں عاجز و درماندہ رہ کر اس کی خوبی کے قائل ہو گئے۔ پس ایسے فصیح و بلیغ کلام سمجھنے میں آج اگر ہم کو کوئی دقت پیش آئے یا الفاظ کے مفہوم کو معلوم و متعین کرنے میں کوئی دشواری لاحق ہو تو یقیناً اس کا سبب قرآن کی زبان اور ادائے بیان کا سقم تو ہرگز نہیں کیونکہ اسکی فصاحت اور قادر الکلامی تو مسلمہ ہے بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے فہم اور ہماری ہی زبان دانی کا قصور ہے لہٰذا ہم کو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ہی زبان اور اس کے محاورات کی تبدیلیوں کے ناگزیر ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کے کسی لفظ یا محاورہ کا مطلب سمجھنے میں خود قرآن مجید ہی سے لغات و مصطلحات کی کتاب کا بھی کام لینا چاہیے اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے اس آیت اور اس لفظ کے معانی کی تلاش کرنی چاہیے کیونکہ قرآن مجید نے نہایت بلند آہنگی سے یہ دعوی کیا ہے کہ:

﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾

[النساء: ۴/۸۲]

''اور اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی غیر کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پاتے۔''

قرآن مجید کا یہ دعوی اسکے سب سے پہلے مخاطبوں میں جو اہل زبان تھے بخوبی شائع ہو کر سب کو مسلم ہو چکا ہے، بنا بریں یہ غیر ممکن ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات بعض کی تردید کریں یا قرآن مجید کسی چیز کو ایک جگہ اچھا اور دوسری جگہ برا بتائے۔

قرآن مجید قیامت تک کے لیے بنی نوع انسان کی رہبری و ہدایت کا کام انجام دینے والا ہدایت نامہ اور تغیر و تبدل سے بالکل محفوظ، مصئون کتاب ہے۔ نوع انسان کے حالات و ضروریات کی مسلسل تبدیلیاں، مختلف ملکوں کی آب و ہوا، ضروریات زندگی، معاشرت اور تمدن کا اختلاف، اقوام و قبائل کا عروج و زوال وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ اس ہدایت نامہ کی اہمیت و ضرورت کو کسی وقت کسی جگہ اور کسی حالت میں بھی کم نہیں کر

سکیں اور قرآن مجید آج تک کسی قوم، کسی ملک اور کسی زمانہ میں بھی اپنے منصب رہنمائی میں عاجز و درماندہ ثابت نہیں ہوا لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کے اندر بعض آیات ایسی بھی ہوں کہ اپنے مفہوم و مطالب کے اعتبار سے عام نگاہوں میں ان کا کوئی ایک مفہوم محدود و متعین نہ کیا جا سکے۔ ایسی آیات کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں متشابہات ہے۔ ان متشابہات کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور ان کا تعلق کسی اصولی عمل اصولی عقیدہ اور اصولی مسئلہ سے بھی نہیں ہے۔ ان آیات سے عموماً فروعی اور ذوقی مسائل متعلق ہوا کرتے ہیں۔ ان کا ہمیشہ غیر متشابہ (محکمات) کے ماتحت رکھنا یعنی محکمات کی روشنی میں ان کے معانی متعین کرنا ازبس ضروری ہے یہی متشابہ آیات ہیں جو مذکورہ تغیرات سے پیدا شدہ ضرورتوں کے وقت حسبِ موقع اور حسبِ ضرورت مناسب رہبری کرتی رہتی ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ ایک آیت جو متشابہات میں داخل سمجھی جاتی تھی کسی زمانے میں حالات و واقعات نے اس کو محکم آیات میں شامل کر دیا یعنی اس کا مفہوم نہایت روشن اور نمایاں طور پر سب کے سامنے آ کر قطعی اور یقینی ہو گیا۔ ایسا بھی ہوتا رہا ہے کہ ایک آیت کسی زمانے میں محکم سمجھی جاتی تھی مگر آئندہ کسی وقت بعض حالات و واقعات نے رونما ہو کر اس آیت کے متشابہ ہونے کی طرف توجہ دلا دی اور وہ متشابہ آیات میں شمار ہونے لگی، اسی لیے قرآن مجید نے آیات کی محکم و متشابہ دو قسمیں تو بتا دیں لیکن ان کی تعداد الگ الگ محدود و متعین نہیں کی۔ قرآن مجید پر جس قدر غور و تدبر کیا جائے جس قدر اس کو زیادہ پڑھا جائے اسی قدر زیادہ لطف حاصل ہوتا اور عقل و خرد کو تقویت و روشنی میسر ہوتی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پر غور و تدبر کرتے رہنے کی بار بار تاکید فرمائی اور قرآن مجید کے بار بار پڑھتے رہنے کا حکم دیا اور اس کا نام قرآن یعنی بار بار پڑھے جانے کے قابل کتاب رکھا ہے۔

قرآن مجید کی قریباً ہر زمانے اور ہر اسلامی ملک میں تفسیریں لکھی گئی ہیں ہر ایک تفسیر جس زمانے اور جس ملک میں لکھی گئی وہ عموماً اس زمانے اور اس ملک والوں کے لیے مناسب اور مفید چیز ثابت ہوئی کیونکہ مفسر کے سامنے اپنے ہی ملک اور اپنے ہی زمانے

کی ضروریات تھیں اور اس کے غور و تدبر کا دائرہ انھیں ضروریات کے حسب حال تھا پس جس طرح ہر پیش آمدہ ضرورت کے لیے قرآن مجید پر تدبر کرنا موجب انجاح حاجت ثابت ہوا اسی طرح پیش آئندہ ضرورتوں کے لیے بھی تدبر فی القرآن ہی سے کافی و وافی ہدایت حاصل ہوتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کو ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے سوا کوئی دوسری کتاب اس صفت عالیہ سے متصف بھی نہیں ہوسکتی تھی۔

پرانے مفسروں کی لکھی ہوئی تفسیر کی کتابوں اور ان کے ماخوذ مطالب و معانی کو قران مجید کے اصل الفاظ کی طرح ناقابل تبدیل سمجھ کر کسی اضافہ یا تغیر کو ناجائز سمجھنا گویا تدبر فی القرآن کے دروازہ کو مقفل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے غیر محدود و فیوض و برکات کو محدود و متعین کر کے لوگوں کو قرآن مجید کی طرف سے غافل اور بے پروا بنا دینا ہے۔ جو لوگ تقلید آباء کے جزبہ مشؤمہ سے متاثر ہیں وہ اپنے کسی پرانے مولوی یا پیر یا بزرگ کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف بلکہ اس تفسیر سے زائد کوئی ایسی نئی بات جو نئی پیش آمدہ ضرورت کو پورا کرنے والی ہو اور غور و تدبر کے بعد کسی کی سمجھ میں آئی ہو، سننا پسند نہیں کرتے اور اپنے پرانے مفسر کی کسر شان اور بےعزتی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بات قرآن مجید کی مجموعی تعلیم، قرآن مجید کی زبان، محاورات عرب، قرآن مجید کے سیاق عبارت اصول اسلام اور سنت رسول اللہ کے خلاف نہیں ہوتی۔ بلکہ قرآن مجید کی شان وعظمت پر دال اور اسکے کلام الٰہی ہونے کا ایک ثبوت ہوتی ہے۔

قرآن مجید پر فکر و تدبر کرنے میں سب سے زیادہ اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے سمجھنے میں خود قرآن مجید ہی سے مدد لی جائے۔ پھر سنن ثابتہ اور احادیث صحیحہ کو پیش نظر رکھا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہوا اور آپ ہی کے ذریعہ امت کو پہنچا، آپ ﷺ نے جس آیت کا جو مفہوم متعین فرمایا دیا وہ یقیناً سب سے بہتر اور منشائے الٰہی کے عین موافق ہے جس میں چون و چرا کی مطلق گنجائش نہیں، قرآن مجید پر تدبر کرنے اور اس کے مفہوم ومطالب تک پہنچنے کے لیے اصول تفسیر کی کتابوں میں ضروری ہدایت علماء نے

نہایت مفصل اور مدلل طور پر بیان فرما دی ہیں اور انھیں کتابوں میں تفسیر بالرائے کی حقیقت جس کی احادیث میں مذمت بیان کی گئی ہے، تفصیلی طور پر مذکور ہے۔ تفسیر بالرائے اور تدبر فی القرآن کے امتیاز اور حدود فاصل کو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔

اس لطیف نکتہ کا بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر نبی ﷺ نے بیان نہیں فرمائی۔ خلفائے راشدین سے بھی پورے قرآن مجید کی تفسیر منقول و مدون اور محفوظ و موجود نہیں۔ فقہ، حدیث، تصوف، علم کلام، علم فرائض وغیرہ کے اماموں میں جو امام کسی خاص اسلامی گروہ کے پیشوا و مقتدا اور صاحب جماعت یا صاحب مذہب کہلاتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور جن لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیریں لکھی ہیں چاہے وہ کیسے ہی محترم اور واجب التکریم کیوں نہ ہوں ان میں سے کوئی بھی کسی گروہ اور کسی ملک یا مذہب کا پیشوا و مقتدا نہیں مانا گیا۔ یہ قدرتی اہتمام درحقیقت آیت: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ [الحجر: ۱۵/ ۹] کی ایک نمایاں صداقت ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید کی ہر ایک اعتبار سے حفاظت منظور تھی لہٰذا اس نے تدبر فی القرآن کی سہولت اور موقع کو کسی وقت ضائع نہیں ہونے دیا۔ مثلاً: اگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا امام شافعی رحمہ اللہ یا شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ یا خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ قرآن مجید کی کوئی ایسی ہی تفسیر لکھ جاتے جیسی امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھ گئے ہیں تو شافعیوں یا حنفیوں یا سروردیوں یا چشتیوں میں سے ہر ایک شخص اپنے امام کی لکھی ہوئی تفسیر کے ایک ایک لفظ کو سراسر درست وراست اور ناقابل تردید سمجھ کر اور قرآن مجید میں غور و تدبر کرنے سے فارغ و مطمئن ہوکر شاید تدبر فی القرآن کو گناہ عظیم قرار دیتا اور اس طرح اپنے امام کی لکھی ہوئی تفسیر کے مقابلہ میں قرآن مجید ان لوگوں کی نگاہ میں ایک غیرضروری اور ناقابل التفات چیز ہوکر رہ جاتا ہے۔ فتدبروا۔

باب ہشتم

قرآن اور تفسیر قرآن

قرآن فہم انسان کے لیے آسان کتاب ہے

مسلمانوں میں جس طرح اور بہت سے غلط اور غیر اسلامی عقیدے اسلامی جامہ پہن کر داخل ہو گئے ہیں اسی طرح ایک یہ خیال نہ صرف جاہلوں بلکہ اکثر پڑھے لکھے اور عالم کہلانے والے لوگوں میں بھی شائع ہو کر راسخ ہو چکا ہے کہ قرآن مجید کا سمجھنا یعنی عربی زبان جاننے اور قرآن مجید کے الفاظ کا مفہوم سمجھتے ہوئے بھی آیاتِ قرآنی کے مطالب سے واقف ہو کر قرآن مجید سے فائدہ اٹھانا بے حد دشوار بلکہ غیر ممکن ہے اور کوئی بہت ہی بڑا جید عالم جو تمام بڑی بڑی تفسیروں کا بالاستیعاب مطالعہ کر چکا ہو، مشکل ہی سے کسی آیت کے صحیح مفہوم سے آشنا ہو سکتا ہے، متوسط درجہ کے مولوی یا کسی عام پڑھے لکھے شخص کا کیا حوصلہ ہے کہ قرآن مجید کی کسی آیت کا مطلب سمجھ سکے اور کسی عقیدہ کی تائید یا تردید میں کوئی آیت پیش کر سکے۔ اس غلط اور گمراہ کن عقیدہ کی ہمہ گیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب لوگوں کو کسی مسئلہ کی نسبت تحقیق کرتے ہوئے قرآن مجید کی کسی آیت کے تلاش کرنے کا خیال نہیں آتا۔ ہندوستان کے کئی شہروں میں ایسے مذہبی ادارات قائم ہیں جہاں روزانہ بکثرت استفتے آتے اور ان پر فتوے لکھے جاتے ہیں۔ ان ہزار ہا فتوؤں میں جو ہر ہفتے مفتیوں کے قلم سے صادر ہوتے ہیں بمشکل کوئی ایک یا دو فتوے تلاش کیے جا سکتے ہیں جن میں قرآن مجید کی کسی آیت کا کوئی حوالہ موجود ہو ورنہ عام طور پر فقہی کتابوں کے حوالوں پر فتوؤں کی بنیاد قائم کی جاتی ہے گویا ان کی کتابوں ہی کو قرآن مجید کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت

کرو لیکن اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر صرف اللہ اور رسول سے فیصلہ کراؤ یعنی قرآن و حدیث کو حَکَم بناؤ:

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

[النساء: ۴/۵۹]

یہ بات آج کل کسی سے پوشیدہ نہیں کہ کسی اختلافی مسئلہ کی نسبت اگر مفتیوں سے فتویٰ حاصل کیا جاتا ہے تو اس فتوے میں کنز، قدوری، عالمگیری وغیرہ کے حوالے اور الفاظ تو موجود ہوتے ہیں لیکن نہیں ہوتا تو قرآن و حدیث ہی کا کوئی حوالہ اور تذکرہ نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ نجیب آباد کی جامع مسجد میں نماز عشاء کے وقت کسی شخص نے دوسرے نمازیوں کی موجودگی میں مجھ سے کوئی بات دریافت کی، میں نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھ کر سنا دی اور ایک حدیث (جس کے الفاظ مجھ کو صحیح طور پر یاد نہ تھے) کا مفہوم اپنے الفاظ میں پیش کر دیا۔ دوسرے روز اتفاقاً کسی نے پھر کوئی بات دریافت کی اور میں نے اس روز بھی اسی طرح جواب دیا۔ تیسرے روز ان نمازیوں میں سے ایک دوست میرے پاس آئے اور فرمانے لگے کہ ''فلاں صاحب تیری نسبت برا خیال ظاہر کر رہے تھے۔'' میں نے کہا کہ ''ان کا خیال صحیح ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مجھ کو اچھی طرح پہچان لیا ہے۔'' فرمانے لگے کہ ''ان کے بدعقیدہ ہونے کا سبب سننے کے قابل ہے۔'' میں نے کہا ''فرمایئے۔'' انھوں نے فرمایا کہ ''گزشتہ دو روز تجھ سے مسجد میں بعض باتیں پوچھی گئیں اور تو نے دونوں مرتبہ قرآن اور حدیث کے حوالوں سے جواب دیا۔ بس یہی چیز ان کو زیادہ ناگوار گزری۔ چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہر ایک بات کے جواب میں قرآن اور حدیث ہی کو لے بیٹھنا اور کسی امام یا کسی فقہ کی کتاب یا کسی بڑے بوڑھے پرانے مولوی کے قول کا حوالہ نہ دینا بڑی معیوب بات اور انتہا درجہ کی

گستاخی ہے'' میں نے عرض کیا کہ'' مفتی نہیں ہوں جو کچھ مجھ کو معلوم تھا معمولی طور پر جواباً عرض کر دیا ہے۔ انھوں نے غلطی سے مجھ کو مفتی سمجھ لیا ہے۔''

جو لوگ قرآن مجید کو پڑھ اور سمجھ ہی نہیں سکتے وہ تو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے جو پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھتے ہیں انھوں نے یہ کہہ کر کہ قرآن مجید کو ائمہ مجتہدین اور پرانے مفسرین ہی خوب سمجھ سکتے تھے اور ان بزرگوں کی سمجھی ہوئی باتوں میں کوئی اضافہ یا ترمیم مقبول نہیں، تدبر فی القرآن ہی سے عملاً انکار اور رائے و قیاس کے ذریعے ترتیب دیے ہوئے فتووں کے مقابلہ میں قرآن مجید کو معناً بیکار قرار دے دیا اور اس طرح امت مسلمہ نے قرآن مجید سے دوری و مہجوری اختیار کر لی:

﴿وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾

[الفرقان: ۲۵/ ۳۰]

''اور رسول اللہ محمد ﷺ نے جناب الٰہی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میری امت نے اس قرآن کو مہجور (اپنے آپ سے دور کیا ہوا) قرار دے لیا۔''

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود قرآن مجید کی نسبت فرماتا ہے کہ:

﴿وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [القمر: ۵۵/ ۲۲]

''اور ہم نے قرآن مجید کو لوگوں کے نصیحت حاصل کرنے کے لیے بہت ہی آسان کر دیا ہے، پس کوئی ہے جو نصیحت یاب ہو۔''

سورۃ القمر میں اس آیت کو صرف ایک ہی مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اور بغرض تاکید بتکرار فرمایا:

﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾

[مریم: ۱۹/ ۹۷]

''پس اے رسول! ہم نے اس قرآن کو تیری زبان یعنی عربی زبان میں اس لیے آسان کر دیا ہے کہ تو اس قرآن کے ذریعے متقی لوگوں کو خوشخبری سنائے۔ اور جھگڑالو لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائے۔''

﴿ وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

[الزمر: ۳۹/۲۷]

''اور ہم نے لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس قرآن میں تمام اقسام کی مثالیں بیان فرما دی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں، یہ قرآن صاف اور سلیس عربی زبان میں ہے، اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں تاکہ لوگ اس کو سمجھ کر اللہ سے ڈریں۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے بلا اشتباہ ثابت ہے کہ جو شخص سمجھنے کی کوشش کرے اس کے لیے قرآن مجید کا سمجھنا دشوار نہیں بلکہ بہت ہی آسان ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو قرآن مجید میں تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ [سورہ عنکبوت: ۲۹/۶۹]

مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب رحمہ اللہ شہید فرماتے ہیں

سیدنا و مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں کیا خوب فرماتے ہیں کہ:

''اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ و رسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے، اس کو بڑا علم چاہیے، ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے۔ سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں سو یہ بات بہت غلط ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف و صریح ہیں، ان کا سمجھنا مشکل نہیں، چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَ مَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

[البقرہ: ۲/۹۹]

"بے شک ہم نے تیری طرف کھلی باتیں اتاریں اور اس سے وہی منکر ہوتے ہیں جو بے حکم (نافرمان لوگ ہیں)۔"

یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں بلکہ ان پر چلنا مشکل ہے، اس واسطے کہ نفس کو حکم برداری کسی کی بُری لگتی ہے۔ سو اس لیے جو لوگ بے حکم ہیں وہ ان سے انکار کرتے ہیں اور اللہ و رسول کا کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہیے کیونکہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتانے اور جاہلوں کو سمجھانے اور بے علموں کو علم سکھانے آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں فرمایا ہے کہ:

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [الجمعة: ٦٢/٢]

"اور اللہ وہ ہے کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں اور بے شک تھے وہ پہلے سے صریح گمراہی میں۔"

یعنی یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا کہ اس نے بے خبروں کو خبردار کیا اور ناپاکوں کو پاک اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقلمند اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر۔ سو جو کوئی یہ آیت سن کر پھر یہ کہنے لگے کہ پیغمبر کی بات سوائے عالموں کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا سو اس نے اس آیت کا انکار کیا ہے اور اس نعمت کی قدر نہ سمجھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جاہل لوگ ان کا کلام سمجھ کر عالم ہو جاتے ہیں اور گمراہ لوگ ان کی راہ چل کر بزرگ بن جاتے ہیں۔ اس بات کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک بڑا حکیم ہو اور ایک بہت بیمار، پھر کوئی شخص اس بیمار سے کہے کہ فلاں حکیم کے پاس جا اور اس کا علاج کرا اور وہ بیمار یہ جواب دے کہ اس کے پاس جانا اور اس سے علاج کرانا تو بڑے بڑے تندرستوں کا کام مجھ سے کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ میں سخت بیمار ہوں۔ سو وہ

بیمار احمق ہے اور اس حکیم کی حکمت کا انکار کرتا ہے اس واسطے کہ حکیم تو بیماروں ہی کے علاج کے واسطے ہے۔ جو تندرستوں ہی کا علاج کرے اور انھیں کو اس کی دوا سے فائدہ ہو اور بیماروں کو کچھ فائدہ نہ ہو تو وہ حکیم کا ہے کا۔ غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اس کو اللہ ورسول کا کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہیے اور جو بہت گنہگار ہو اس کو اللہ ورسول کی راہ چلنے میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے، سو یہ ہر خاص و عام کو چاہیے کہ اللہ ورسول ہی کے کلام تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں اور اسی پر چلیں اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں۔'' انتہی کلامہ

تفسیریں کس طرح لکھی گئیں؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں قرآن مجید کو لوگ پڑھتے سمجھتے اور نصیحت یاب ہوتے رہے۔ قرآن مجید کے بعض بعض الفاظ یا بعض آیات کے متعلق کسی قدر تشریحی جملے بھی حسب ضرورت قرآن شریف پڑھاتے وقت شاگردوں کو زبانی سنا دیے جاتے تھے لیکن ان لوگوں کو نہ کسی مرتب و مدون تفسیر کی ضرورت پیش آئی نہ کوئی تفسیر لکھی گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس قسم کے تشریحی جملے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے زیادہ فرمائے لیکن نہ انھوں نے ان تشریحی یا تفسیری جملوں کو لکھا نہ ان کے زمانے میں ان کا کوئی شاگرد ان لفظوں اور جملوں کو قید تحریر میں لایا۔ تابعین کو بھی قرآن مجید کے ساتھ کسی تفسیر کی کوئی ضرورت پیش نہ آئی۔ تبع تابعین کے زمانہ میں جب کہ عجمی نومسلموں کی کثرت ہو گئی تھی اور عربی زبان نہ جاننے والی قومیں اسلام میں بہت زیادہ داخل ہونے لگیں، جو عربی تمدن، عربی معاشرت، عربی ادائے بیان عربی استعارات، عربی ضرب الامثال اور قریشی خصائل سے ناواقف تھیں، تو تعلیم قرآن کے لیے مذکورہ تفسیری جملوں میں اور زیادہ وسعت ضروری سمجھی گئی اور ان کو کتابوں اور یاداشتوں کی صوت میں لوگوں نے لکھنا شروع کیا اور ان کتابوں اور یاد داشتوں کا مرتب و مدوّن کرنا ایک مستقل فن قرار پایا، جس کا نام تفسیر القرآن رکھا گیا۔ قرآن مجید کی ان تفسیروں کے لکھنے والے

ابتدائی مفسروں میں روح بن عبادہ، وکیع بن جراح، سفیان بن عیینہ، ابی بکر بن ابی شیبہ، اسحاق بن راہویہ، وغیرہ قابل تذکرہ ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی تفسیریں یا یوں کہئے کہ تفسیری یادداشتیں نہایت مختصر اور حجمیا ضخامت میں قرآن مجید سے ہرگز زیادہ نہ تھیں۔ تابعین کے ان شاگردوں نے اپنے استادوں کے اقوال اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی روایتیں خاص خاص آیتوں کی نسبت لکھ لی تھیں۔ ان روایتوں میں سب سے زیادہ روایتیں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تھیں جو ان کے تلامذہ، مجاہد، سعید، طاوس، عکرمہ، عطاء وغیرہ کے ذریعہ سنی گئی تھیں۔ اس قسم کی تفاسیر نہایت ضروری تھیں اور ان سے قرآن مجید کے سمجھنے اور اس پر تدبر کرنے میں بڑی مدد ملی۔ لیکن جب نسلی و خاندانی عصبیت کی لعنت نے بیدار ہوکر بہت سے ملحدوں کو اسلام کے چشمہ صافی میں کدورت پیدا کرنے کا موقع دیا اور انواع و اقسام کے الحادی فرقے پیدا ہوئے اور شریر لوگوں نے جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرنے کی ملعون حرکت شروع کی، تو اس سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی بہت سی تفسیری روایتیں وضع کر کے سیدنا ابن عباس سے منسوب کردی گئیں اور اس طرح فہم قرآن سے لوگوں کو جدا رکھنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ کچھ مدت بعد مفسرین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی کہ اس نے تفسیری جملوں اور تشریحی عبارتوں کی اسناد کو ترک کرکے ہر کس و ناکس کے اقوال کو بلا اسناد درج کرنا اور تفسیروں کی ضخامت کو بڑھانا شروع کردیا جس کسی نے جو بات کسی سے سنی وہی اپنی تفسیر میں درج کردی۔ اس طرح تفسیر کی کتابیں جھوٹی اور سچی، غلط اور صحیح باتوں کا ملغوبہ بن گئیں اور صحیح بات کا غلط بات سے امتیاز کرنا دشوار ہوگیا۔ ان مفسرین کے بعد کی نسل نے آباؤ اسلاف پرستی کے جذبہ سے متاثر ہوکر اور یہ سمجھ کر کہ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے خوب جانچ پڑتال کے بعد ہی لکھا ہوگا اور ان سے غلطی ہرگز نہیں ہوسکتی تھی، ان تفسیروں ہی کو مدار ثبوت اور سند گردان کر ان تفسیروں میں لکھی ہوئی ہر ایک بات کو صحیح یقین کرکے اس کے صحیح ثابت کرنے کی کوشش شروع

کردی اور دلائل کی فراہمی میں مصروف ہو گئے ۔ اس طرح آباء پرستی کی لعنت اور اکابر پرستی کی نحوست نے ان تفسیروں میں الجھا کر قرآن مجید کی طرف سے لوگوں کو بالکل غافل اور بے پروا کردیا۔ اس کے بعد متاخرین میں ایسے مفسر پیدا ہونے شروع ہو گئے کہ انھوں نے قرآن مجید کے اصل مقصد ہدایت اور تہذیب نفس انسانی کو بالکل فراموش کرکے اپنے اپنے ذوق کے موافق آیاتِ قرآنی کو عجیب عجیب باتوں پر محمول کرنا شروع کردیا۔ چنانچہ ان تفسیروں میں بعض ایسی تفسیریں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے کا سارا قرآن علم نحو کی تعلیم و تکمیل کے لیے نازل کیا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا مقصد نزول قرآن کا نہ تھا۔ بعض تفسیروں میں شروع سے لے کر آخر تک ہزارہا عجیب وغریب، کہانیاں اور قصے موجود ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی ہر ایک آیت ایک حکایت یا کہانی کا عنوان ہے بعض مفسروں نے سارے کے سارے قرآن مجید کو اپنے امام کے مخصوص فقہی مذہب کی تائید کے لیے ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کی گویا یہی ایک غرض تھی کہ وہ ان امام صاحب کے قیاس اور رائے کی تائید کرکے اس کو درست ثابت کردے ۔ بعض مفسروں نے اپنی تفسیروں میں فلاسفہ اور حکمائے یونان کے اقوال کا انبار فراہم کردیا۔ بعض نے ساری طاقت اسی کوشش میں صرف کردی ہے کہ ہر آیت کے ذیل میں کوئی عجیب وغریب اور حیرت انگیز بات ضرور ہی درج ہو غرضیکہ تفسیر القرآن کو بازیچہ اطفال بنانے میں کوئی تامل نہیں کیا گیا۔ سب سے زیادہ قابل تعریف اور مستحق تحسین و آفرین وہ مفسر سمجھا جاتا ہے جس کی تفسیر سب سے زیادہ ضخیم اور جسیم ہو۔ بعض تفسیریں کئی کئی سو جلدوں تک طویل ہوگئی ہیں اور ان کے لکھنے والوں کی سب سے بڑی خوبی یہی قرار دی جاتی ہے کہ انھوں نے اتنی بڑی تفسیر لکھی کہ جس کا اوّل سے آخر تک ایک مرتبہ مطالعہ دس برس میں بھی ختم نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید کی نسبت فرماتا ہے:

﴿ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ [حم السجدہ: ۴۱/۳]

''کتاب یعنی قرآن مجید کی آیتیں سمجھ دار لوگوں کے لیے عربی زبان میں کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔''

لیکن ہمارے مفسروں نے ان مفصل آیات قرآنی کی تفصیل وتشریح میں وہ کمال دکھایا کہ قرآن مجید نظروں سے اوجھل اور تفسیر القرآن کا کوہ ہمالیہ قرآن مجید کی جگہ قائم اور استوار ہو گیا۔ اکثر تفسیریں ایسی نظر آتی ہیں کہ ان میں سب کچھ موجود مگر صرف قرآن کی تفسیر ہی مفقود ہے۔ جب تفسیر القرآن کے نام سے ہزار ہا کتابیں تیار ہو گئیں تو پھر ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جنھوں نے حواشی کے نام سے ان تفسیروں کی تفسیریں لکھنی شروع کر دیں جیسا کہ ملاعوض نے تفسیر بیضاوی کا حاشیہ چالیس جلدوں میں لکھا۔

حکایت

کئی سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ مجھ سے ایک دوست نے دریافت کیا کہ ''اردو زبان میں قرآن مجید کا سب سے اچھا ترجمہ کونسا ہے؟ میں نے کہا: ''شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ۔'' فرمانے لگے کہ ''تو نے مولوی نذیر احمد، مرزا حیرت، مولوی فتح محمد خاں جالندھری، مولوی عبد اللہ چکڑالوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی، مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی وغیرہ کے لکھے ہوئے اردو ترجمے...... دیکھے ہیں جن سب کی زبان شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ کی نسبت زیادہ صحیح اور سلیس ہے لیکن میں شاہ رفیع الدین صاحب ہی کے لفظی ترجمہ کو سب سے زیادہ نفع رساں یقین کرتا ہوں پھر انھوں نے دریافت کیا کہ ''اردو تفسیروں میں سب سے بہتر کونسی تفسیر ہے؟'' میں نے کہا ''شاہ عبدالقادر صاحب کی موضح القرآن۔ ان کو معلوم تھا کہ میرے پاس نواب صدیق الحسن خاں صاحب کی اردو تفسیر ترجمان القرآن بھی موجود ہے، فرمانے لگے کہ کیا موضح القرآن کو تو ترجمان القرآن سے بھی بہتر سمجھتا ہے؟'' میں نے کہا ہاں موضح القرآن کو ترجمان القرآن پر فضیلت حاصل ہے اور اگر کوئی ایسی تفسیر۔ ہے

جو موضح القرآن سے بھی زیادہ مختصر ہو تو میں اس کو موضح القرآن سے بہتر سمجھوں گا۔ فرمانے لگے کہ کیا صرف مختصر ہونے کی وجہ سے بہتر سمجھے گا؟'' میں نے کہا ''ہاں اس کا مختصر ہونا ہی ایسی خوبی ہوگی کہ میں اس کو دوسری بڑی بڑی تفسیروں کے مقابلہ میں بہتر تسلیم کروں گا کیونکہ تفسیر جس قدر زیادہ ضخیم اور طویل ہوگی اسی قدر قرآن مجید سے زیادہ دور کردے گی اور جس قدر مختصر ہوگی قرآن مجید سے قریب تر رکھے گی اور قرآن مجید جس قدر ہم سے قریب ہوگا اسی قدر ہم کو بھٹکنے اور غلط راستہ اختیار کرنے سے بچائے گا۔

غلطی سے لوگوں نے تفسیروں کی طوفانی داستانوں کے مطالعہ کرنے کو تدبر فی القرآن سمجھ رکھا ہے حالانکہ تفسیروں کا مطالعہ کرتے وقت وہ مفسر کے مقلد ومعمول ہوتے اور ایک آیت کی تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت خود قرآن مجید کی دوسری آیتوں سے روشنی حاصل کرنے اور اپنے فہم وتدبر کو کام میں لانے کا مطلق موقع نہیں پاتے۔ قرآن مجید میں تدبر کرتے وقت نحو کی کوئی معمولی اور نہایت سلیس کتاب، مفردات راغب، نجوم القرآن، حدیث کی کسی کتاب کے ابواب تفسیر القرآن موجود ہوں اور روزانہ بلاناغہ قرآن کی منزل تلاوت کرنے اور ہر مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے اور مدد طلب کرنے کی عادت ہو تو پھر بہت ہی کم کسی تفسیر کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اور قرآن مجید سے بہت کچھ وہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے جس کے لیے قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ اس سے پہلے بھی اسی کتاب کے کسی باب میں اس قسم کے اشارات درج ہو چکے ہیں۔

تفسیروں میں اسرائیلیات کی کثرت

آج کل آیاتِ قرآنی کی تفسیر وتشریح جب واعظوں کی زبان سے سننے یا وعظ و تذکیر کی کتابوں اور رسالوں میں مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے تو وہی لاطائل اور دور از حکایات واسرائیلیات کا ایک دفتر سامنے کھل جاتا ہے۔ ان اسرائیلیات کو مزے لے لے کر سنایا جاتا۔ مزے لے لے کر سنا جاتا اور بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانے کے واعظوں نے مسلمانوں کو قرآن مجید کی آیات کے مطالب اس طرح سنائے کہ قرآن

مجید سے دوری و مہجوری اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ یہودی و نصرانی نومسلموں نے اسلام میں داخل اور علمائے اسلام میں شامل ہو کر جب تفسیریں لکھنی شروع کیں تو نیک نیتی سے نادانستہ یا بدنیتی سے دانستہ طور پر اس بات کی کوشش کی کہ جس طرح ممکن ہو طالمود کی روائیوں، اسرائیلی انبیاء اور اسرائیلی اقوام سے تعلق رکھنے والی جھوٹی سچی کہانیوں کو قرآن مجید کی کسی نہ کسی آیت پر ضرور چسپاں کر دیں۔ ان اسرائیلیات کا دفتر بے معنی گاؤخورد ہو کر معدوم ہو چکا تھا لیکن قرآن کی مذکورہ تفسیروں میں داخل ہو کر وہ مرا ہوا سانپ آج تک مسلمانوں کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے اور ناعاقبت اندیش مولویوں یعنی عالم نما جاہلوں نے ان اسرائیلیات کو کلام الٰہی کا مرتبہ دے کر خود قرآن مجید ہی کو شرکیہ عقاید کا موید ظاہر کرنے اور آیات قرآنی کے غلط معانی متعین کر کے شرک و بدعت کی تائید میں پیش کرنے کی حرکت ملعونہ سے مطلق پرہیز نہیں کیا:

ہر کس از دست غیر نالہ کند
سعدی از دست خویشتن فریاد

قرآن مجید اور دنیوی عروج و زوال

دنیا:

عام طور پر دنیا کے مفہوم میں انسان کی زندگی اور اس موجود و مشہور عالم کی ہر ایک وہ چیز شامل سمجھی جاتی ہے جس سے انسان اس موجودہ زندگی میں متمتع ہوتا یا ہو سکتا ہے یا کسی قسم کا تعلق رکھتا ہے مثلاً زمین، ، اغات، اموال و زر ب اسباب و عمارات، زن و فرزند ب فوج و لشکر، حکومت و سلطنت، لباس و زینت، حسن صورت، جسمانی قوت، ماکولات و مشروبات سیر و سفر، گھوڑے گاڑیاں اور مختلف اقسام کی سواریاں، تجارت، زراعت، صنعت و حرفت وغیرہ اور ((رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ)) میں لفظ دنیا انھیں معانی میں استعمال ہوا ہے اور قرآن مجید میں حسنات دنیا کے حاصل کرنے کی ترغیب موجود ہے:

﴿ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ۝ وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ۝ ﴾ [صٓ:۳۸/۳۵ تا ۳۸]

"سلیمان علیہ السلام نے دعاء مانگی کہ "اے میرے رب! میری مغفرت فرما اور مجھ کو ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی دوسرے کو ایسی سلطنت نہ مل سکے اور اے خدا، تُو تو بڑا بخشش فرمانے والا ہے چنانچہ ہم نے ہوا کو اس کا مسخر بنا دیا جہاں وہ پہنچنا چاہتا اس کے حسب منشاء ادھر ہی کو نرمی سے چلتی اور معمار وغوطہ خور شیاطین کو بھی اس کا محکوم بنا دیا علاوہ ازیں کچھ ایسے سرکش بھی تھے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے مقید تھے۔"

﴿ وَ حُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝ ﴾ [النمل:۲۷/۱۷]

"اور سلیمان کے روبرو ان کے لشکر جو جنوں آدمیوں اور پرندوں پر مشتمل تھے، جمع کر کے پیش کیے جاتے تھے۔"

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۝ ﴾ [صٓ:۳۸/۱۷]

"ہمارے بندے داؤد کے حالات پر غور کرو جو صاحبِ قوت تھا۔"

﴿ وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ ۝ ﴾

[صٓ:۳۸/۲۰]

"اور ہم نے داؤد کی سلطنت کو بہت مضبوط بنا دیا تھا اور اس کو حکمت اور بحث طلب امور میں فیصلہ کرنے کی قابلیت عطا کی تھی۔"

﴿ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ

السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾

[الاعراف:٧/٩٦]

''اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور متقی بن جاتے تو ہم ان پر برکات کے دروازے آسمان کی طرف سے بھی اور زمین کی طرف سے بھی کھول دیتے لیکن انھوں نے تو ہمارے رسولوں کی تکذیب کی لہٰذا ہم نے ان کو ان کی اس بد اعمالی کے سبب سزا دی۔''

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [المائدہ:٥/٦٦]

''اور اگر یہ اہل کتاب توریت و انجیل اور ان تمام ہدایت ناموں کو جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوئے قائم رکھتے یعنی ہدایاتِ ربانی پر عمل پیرا رہتے تو وہ ضرور فوق و تحت ہر سمت سے رزق پاتے اور کھاتے۔ ان میں ایک گروہ تو میانہ رو ہے اور ان میں سے اکثر بد اعمال ہیں۔''

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ [الانفال:٨/٦٠]

''اور مسلمانو! کفار کے مقابلہ کے لیے جہاں تک تم سے ممکن ہو قوت کے ذریعہ اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے ہر قسم کا سازوسامان تیار رکھو تاکہ اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر اپنی اس تیاری سے ڈر بٹھائے رہو۔''

﴿ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ [القصص:٢٨/٧٧]

''اللہ نے جو کچھ تجھ کو دے رکھا ہے اس میں آخرت کے گھر کا بھی فکر کر اور دنیا میں سے اپنے حصہ کو فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے دوسروں

کے ساتھ احسان کر۔"

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور: ۲۴/۵۵]

"اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور ان کو ضرور ملکوں کی سلطنت و حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت و سلطنت عطا کی تھی۔"

﴿ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴾ [الضحیٰ: ۹۳/۸]

"اور اے رسول! تجھ کو تیرے رب نے مفلس پایا تو پھر غنی کر دیا۔"

﴿ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ [یوسف: ۱۲/۵۵]

"یوسف نے بادشاہِ مصر سے کہا کہ مجھ کو ملک کے خزانہ پر متعین فرما دیجیے (یعنی وزیر خزانہ بنا لیجیے) کیونکہ میں خزانہ کی محافظت اور اس کام سے واقفیت رکھتا ہوں اور اس طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں جگہ عطا کی کہ وہ آزادانہ جہاں چاہیں قیام کریں۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں اور نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔"

یہودیوں پر ذلت و مسکنت کے وارد ہونے، فرعون اور فرعونیوں کے غرق اور اپنے خزانوں باغوں اور مکانوں سے بے دخل ہونے، بنی اسرائیل کو ارض مقدس کی حکومت کا وعدہ ملنے۔ نافرمان و سرکش قوموں کے تباہ و برباد ہونے کے حالت جو قرآن مجید میں بالتفصیل موجود ہیں ان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کا تنگ ہو جانا ور دنیوی سامان کا چھن جانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا اور عذاب ہے جس میں نافرمانوں اور سرکش لوگوں کو مبتلا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اعمال نیک کے نتیجے میں دنیوی

سامانوں کی افزائش و افراط کا بھی تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ نیز انفاق فی سبیل اللہ کے حسنِ عمل کی توفیق پانا بھی مال و دولت اور دنیوی سامانوں کی موجودگی پر منحصر ہے لیکن دوسری طرف قرآن مجید میں دنیا اور دنیوی سامانوں کی مذمت و تحقیر بھی موجود پائی جاتی ہے۔ مثلاً:

﴿ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ [طه: ۲۰/۱۳۱]

’’اور اے رسول ہم نے جوان لوگوں میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو اس دنیوی زندگی کی زیب و زینت کے سامان فائدہ اٹھانے کے لیے دے رکھے ہیں تو ان کی طرف للچائی ہوئی نظریں نہ ڈال۔‘‘

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهٗۤ أَخْلَدَهٗ ۝ ﴾ [الهمزه: ۱۰۴/۳]

’’تباہی ہے ہر ایک عیب چین چغل خور کے لیے جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا اور یہ سمجھا کہ یہ مال اس کے لیے ہمیشہ رہے گا۔‘‘

﴿ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ إِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [انعام: ۶/۳۲]

’’اور اس دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا کے سوا کچھ بھی نہیں اور یقیناً متقیوں کے لیے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔‘‘

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ ﴾

[آل عمران: ۳/۱۴]

’’لوگوں کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورتوں، بیٹوں، چاندی سونے کے بڑے

بڑے ڈھیروں اعلی درجہ کے گھوڑوں مویشیوں اور کھیتی کے ذریعہ اپنی خواہشات کو پورا کریں حالانکہ یہ دنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے اور بہترین ٹھکانا تو اللہ کے یہاں ہے۔''

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴾

[شوری:۴۲/۲۰]

'' جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواہاں ہو تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کردیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہو تو ہم اس کو دنیا میں سے کچھ عطاء کردیں گے لیکن پھر آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔''

﴿ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [البقرۃ:۲:۲۱۲]

'' کافروں کی نگاہ میں یہ دنیا کی زندگی دل پسند ہے اور وہ مؤمنوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں حالانکہ متقی لوگ قیامت کے دن ان کافروں پر فایق اور اعلیٰ مقام پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔''

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [ھود:۱۱/۱۵]

'' جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے خواہاں ہیں ہم ان کے اعمال کا پورا پورا معاوضہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور دنیا مین ان کا کچھ گھاٹا نہیں ہوتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے سوائے دوزخ کے اور کچھ نہ

ہوگا اور ان کے اعمال اکارت اور جو کچھ انھوں نے کیا سب باطل۔''

اعتراض کا جواب اور لفظ دنیا کا صحیح مفہوم

مذکورہ بالا دونوں قسم کی آیات میں بعض لوگوں کو توافق و تطابق پیدا کرنا دشوار معلوم ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید ایک طرف دنیا اور دنیا کے سامانوں کو بے حقیقت و مذموم قرار دیتا ہے اور دوسری طرف دنیا اور دنیوی زندگی کی راحت رساں چیزوں کو انعام الٰہی بتا کر ان کے حصول وصول کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ خدشہ قرآن مجید میں غور و تدبر نہ کرنے اور لفظ دنیا کا اصل مطلب نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔

قرآن مجید اس دنیوی محدود زندگی اور مرنے کے بعد دوسری الی غیر النہایت زندگی دونوں میں انسان کو کامیاب و مقصد ور اور خوش حل و مفلح بننے کی تدابیر سکھاتا ہے۔ اخروی غیر محدود زندگی کے مقابلہ میں یہ دنیوی محدود زندگی یقیناً بہت ہی کم حیثیت اور بے حقیقت نظر آتی ہے اور اسی لیے بعض دوسرے مذاہب نے دنیوی راحتوں کے حاصل کرنے سے لوگوں کو روکا اور اس دنیوی زندگی کے ہر ایک راحت رساں سامان کو اس دوسری وسیع زندگی کی راحت کے لیے رکاوٹ قرار دیا ہے۔ چنانچہ بودھ مذہب کی نفس کشی بعض ہندو فرقوں کا ترک علایق دنیوی کو حسن عمل قرار دینا۔ عیسائیت کی رہبانیت اور خود مسلمان کہلانے والے بعض لوگوں کی چلہ کشیاں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن قرآن مجید ہرگز ہرگز اس عقیدہ کا موید نہیں۔ قرآن مجید اپنے پیرو کو اس دنیا میں بھی کامیاب و معزز و برتر و فرمانبردار رکھنا اور آخرت میں بھی انتہائی عیش و راحت کے مقام میں پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن قرآن مجید اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کرتا کہ یہ دنیوی زندگی اس اخروی زندگی کے مقابلے میں کم حیثیت اور آخرت کے مقابلے میں دنیا بے حقیقت ہے۔ نیز قرآن مجید یہ بھی بتاتا اور سمجھاتا ہے کہ اخروی زندگی اور اخری رنج و راحت اسی محدود دنیوی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے یعنی دنیائے عمل یہی محدود زندگی ہے۔ اس صداقت و حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے قرآن مجید صرف اسی جگہ جہاں دنیوی عیش و راحت اور

اخروی کامرانی میں تضاد و تقابل پیدا ہو جائے دنیاوی سامانوں کو بے حقیقت و مذموم ٹھہراتا اور کسی جگہ دنیوی راحت کو عیش اخروی پر فضیلت نہیں دیتا لیکن فکر آخرت کو مقدم رکھتے ہوئے ہر قسم کے دنیوی ساز و سامان سے متمتع ہونے کی اجازت فدیتا اور اس کے لیے بہترین و بلا ضرر مواقع تجویز کرتا ہے۔قرآن مجید انسانی زندگی کے نصب الاعین کو دنیوی راحتوں تک محدود نہ رکھ کر فلاح دارین کو اس کا منتہائے نظر اور مقصود اعلیٰ قرار دیتا اور آخرت کی کامیابی کو کسی حالت میں بھی فراموش کرنا جائز نہیں سمجھتا۔ اس حقیقت کو ذہن نشین رکھ کر مذکورہ دونوں قسم کی آیتوں اور ان آیتوں کے ماقبل و مابعد کو بھی قرآن مجید میں مطالعہ کرنے سے کوئی تضاد قطعاً باقی نہیں رہ سکتا۔

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ [النساء: ۸۲/۴]

’’کیا یہ لوگ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے اور اگر قرآن مجید اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا اور اللہ کا کلام نہ ہوتا تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف یعنی متضاد باتیں پاتے۔‘‘

مذکورہ بالا حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے مندرجہ ذیل آیات پر بھی ضرور غور کرنا چاہیے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾

[التوبة: ۲۴/۹]

’’اور اے رسول! لوگوں سے کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے کنبے والے اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے

خراب ہونے کا تم کو ڈر ہے اور مکانات جو تم کو پسند ہیں تمہیں اللہ اور رسول اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر منتظر رہو کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ صادر فرمادے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

❁ ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾ [البقرۃ: ۲/۲۰۰]

"لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم کو دنیا ہی میں سب کچھ دیدے ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو دعاء کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی خیر و خوبی عطا کر اور آخرت میں بھی خیر و خوبی مرحمت فرما اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ یہی لوگ ہیں جن کو ان کے اعمال کے نتائج ملیں گے اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔"

❁ ﴿ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوُونَ ۚ﴾

[النحل: ۱۶/۷۵]

"اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک مملوک غلام ہے جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ اس میں سے خفیہ و علانیہ خرچ کرتا ہے، بھلا یہ دونوں برابر کس طرح ہو سکتے ہیں۔"

❁ ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝﴾

[الاعراف: ۷/۳۲]

''ان لوگوں سے دریافت کرو کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی تیار کردہ زیب وزینت کی چیزوں کو اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں کہہ دو کہ یہ چیزیں (انسانوں کے لیے ہیں مگر) خاص کر قیامت کے دن انھیں لوگوں کے لیے ہوں گی جو اس دنیا کی زندگی میں ایمان لائے ہیں۔ اس طرح ہم اپنی آیات جاننے والوں کے لیے مفصل بیان کرتے ہیں۔''

﴿ وَ لَوْلَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ۝ وَ لِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَ زُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝﴾

[الزخرف: ۴۳/ ۳۳]

''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی روش اختیار کرلیں گے تو ہم اللہ کے منکروں کے گھروں کی چھتیں اور ان پر چڑھنے کے زینے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے سب چاندی اور سونے کے بنا دیتے اور یہ سب کچھ اس دنیا کی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہونے کی وجہ سے بے حقیقت ہوتا۔ اور اے رسول! آخرت کی حقیقی مقصد وری تو تیرے رب کے پاس متقیوں ہی کے لیے ہے۔''

انسان کے اندر مال و دولت اور اولاد و حکومت وغیرہ سے زینت، تفاخر اور تکاثر وغیرہ ذہنی کیفیات جب پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ انھیں چیزوں میں لطف حیات اور سرمایہ لذت دیکھنے لگتا ہے اور انھیں کی مذمت قرآن مجید کرتا ہے نہ نفس متاع دنیا کی۔ قرآن مجید نے جہاں کہیں اور حیاتِ دنیوی کی تحقیر و مذمت کی ہے دو حالتوں سے خالی نہیں۔

1 یا تو دُنیوی زندگی کی اس مجنونانہ سرشاری کی مذمت کی ہے جو ہمیشہ انسان کے لیے

طلب مقاصد میں ایک سب سے بڑی روک ثابت ہوئی ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل نے کہا:

﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ [المائدہ:۵/۲۴]

- یا لذائذ دنیوی کی وہ طلب جس نے عین اس وقت کی صدیوں کے بعد قومی آزادی وسروری کی راہ ان پر کھولی گئی تھی، ان سے یہ فرمائش کرائی کہ

﴿ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ﴾ [البقرۃ:۲/.....]

- یا محبت زن و فرزند کی وہ گیرائیاں جو اوائل اسلام میں کمزور دلوں کو راہ ہجرت و جہاد سے روکتی تھیں۔

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ﴾ [آل عمران:۳/۱۴]

- اور یا پھر دنیوی فراخی و طاقت کے اس غرور وطغیان کی مذمت کی ہے جو ہمیشہ دنیا میں انسانی ظلم وفساد کا سب سے بڑا باعث رہا ہے۔

﴿ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ [البقرۃ:۲/۲۰۵]

- اور ظاہر ہے کہ دنیا پرستی کی یہ دونوں حالتیں کسی حال میں بھی محمود نہیں ہوسکتیں علاوہ بریں یہ ظاہری ہے کہ حیات دنیوی کی ایک صورت وہ ہے جو فکر آخرت سے خالی ہوتی ہے اور ایک وہ جو دونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

﴿ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ [البقرۃ:۲/۲۰۱]

قرآن مجید یقیناً پہلی صورت کی مذمت کرتا اور دوسری صورت کا داعی ہے۔ لفظ

دنیا کے قرآنی مفہوم کو مولانا جلال الدین رومی نے ایک شعر میں کوب ادا کیا ہے:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن ❶

انسان اگر دنیوی ساز و سامان کو مقصود بالذات نہ بنائے بلکہ وصول الی المقصود (اکروی سرفرازی) کا ذریعہ اور آلہ تصور کرے تو اس کے لیے دنیا ہرگز وہ دنیا نہیں ہے جس کی مذمت کی گئی ہے ان دنیوی چیزوں کو مقصود بالذات بنا لینا مذموم ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین بادشاہت و حکومت کے باوجود رضائے الٰہی اور فکر آخرت سے غافل نہ تھے لہٰذا ان کی سلطنت و بادشاہت کو وہ دنیا نہیں کہا جا سکتا جس کی قرآن مجید مذمت کرتا ہے۔

اقوام عالم میں مسلم قوم کا صحیح مقام

قرآن مجید چونکہ انسان کو دنیا اور دنیوی ساز و سامان میں مشغول ہو کر آخرت اور حیات اخروی کی فکر سے غافل ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا اور قدم قدم پر عواقب و نتائج کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ پس ایک ایسی قوم جو ہمیشہ انجام و نتائج پر نظر رکھنے کی عادی ہو اس کے اعمال و افعال کا غلطی اور برائی سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے قرآن مجید اپنے متبعین کی نسبت فرماتا ہے کہ:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ [آل عمران: ۳/۱۱۰]

"لوگوں کی رہنمائی کے لیے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں تم ان سب میں بہترین امت ہو کیونکہ تم اچھے کاموں کا حکم کرتے اور برے کاموں سے لوگوں کو منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔"

---

❶ "دنیا کیا ہے اللہ سے غافل ہو جانا جب کہ انسان اپنے بیٹے اور بیوی بچوں کے لیے روزی مہیا کرنے میں ہی لگا رہتا ہے۔ (اور موت کا فرشتہ جان نکالنے کے لیے سر پر پہنچ جاتا ہے)"

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ [البقرہ: ۲/۱۴۳]

''اور اسی طرح ہم نے تم کو مناسب و معتدل قسم کی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تمہارے مقابلہ میں رسول گواہ بنے۔''

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾

[الحج: ۲۲/۴۱]

''ان مسلمانوں کو اگر ہم زمین مں پائیداری عطا کریں گے یعنی ان کو حاکم بنا دیں گے تو یہ نمازیں پڑھیں گے اور زکوۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے لوگوں کو منع کریں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

چونکہ قرآن مجید دنیوی فلاح و اقبال کو اخروی فلاح و کامیابی کیمنافی قرار نہیں دیتا لہٰذا متبعین قرآن کا دنیوی سود و بہبود کے اعتبار سے حسب ظاہر بھی دوسروں کی نسبت صاحب سبقت ہونا لازمی ہے۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ [النور: ۲۴/۵۵]

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل بھی اچھے کیے ان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں خلافت یعنی ملک کی حکومت و سلطنت ضرور عطا کرے گا۔''

﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾

[النساء: ۴/۱۴۱]

''اللہ تعالیٰ کافروں کو مؤمنوں پر ہرگز قابو یافتہ نہ بنائے گا۔''

۞ ﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

[آل عمران: ۳/۱۳۹]

''پست ہمت نہ بنو اور غمگین بھی نہ ہو اگر تم مؤمن ہو تو تم ہی برتر و بالا تر رہو گے۔''

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید اپنے پیرو کو دنیا میں خوار و ذلیل محکوم و غلام بنا کر نہیں رکھنا چاہتا بلکہ اس کو ہر قسم کی دنیوی برتری وفضیلت عطاء کر کے دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ اور ہادی اور خلیفہ یعنی ملکوں پر فرماں روا اور قیام حق کے لیے زمین پر متمکن بنانا چاہتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط اور نا درست ہے کہ قرآن مجید اور اسلام نے خود مسلمانوں کو دنیا میں محکوم و ذلیل اور مفلس و تباہ حال رکھنا تجویز کیا ہے۔ قرآن مجید نے تو ذلت و مسکنت کو اللہ کے غضب اور عذاب الٰہی کی نشانی ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

۞ ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا﴾ [آل عمران: ۳/۱۱۲]

''جہاں کہیں وہ پائے جائیں ذلت ان پر وارد ہے۔''

۞ ﴿وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ﴾

[آل عمران: ۳/۱۱۲]

''اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہیں اور افلاس وتنگدستی ان پر مسلط ہے۔''

۞ ﴿وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾

[البقرہ: ۲/۶۱]

''اور ان پر ذلت ومحتاجی وارد ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہیں۔''

مسلمانوں کی موجودہ تباہ حالی وبربادی کا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کو پس پشت ڈال دیا اور تعلیمات قرآنیہ پر عامل نہیں رہے۔

قرآن مجید اور انفرادی واجتماعی مقاصد

ہر انسان کی رفتار و گفتار و دستار مختلف ہوتی ہے۔ دو آنکھیں، دو کان، ایک ناک، ایک منہ اور دوسرے اعضا اگرچہ سب کو حاصل ہیں لیکن ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں ہر ایک شخص اپنے اپنے چہرہ سے الگ پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی عادات وخصائل وجذبات میں بھی اتفاق کے باوجود اختلاف پایا جاتا ہے۔ آب و ہوا اور ملکوں کے اختلافات نے بھی نوع انسان کو بہت سے گروہوں میں تقسیم کردیا ہے۔ زبانوں کا اختلاف، معاشرت کا اختلاف نیکی بدی کا اختلاف، جسمانی طاقت کے اعتبار سے اختلاف، قوائے دماغیہ وعقلیہ کے اعتبار سے اختلاف، غرضکہ نوعی اتفاق کے باوجود شخصی وانفرادی طور پر بھی اور قومی وملکی واعتقادی اعتبار سے بھی اختلاف موجود ہے۔

﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ﴾ [البقرہ:۲/۲۱۳]

''(ابتدائے افرینش میں سب) لوگ ایک ہی طریق پر تھے پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں مبشر و منذر نبی مبعوث کیے اور ان کے ساتھ سچی کتابیں بھی نازل فرمائیں تاکہ وہ ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔''

﴿ وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ﴾ [یونس:۱۰/۱۹]

''لوگ ابتداً ایک ہی طریق پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا۔''

قرآن مجید دنیا اور نوع انسان کے اس اختلاف کو بخوبی مدنظر رکھتا اور اغراض، مخاطبین مکلفین وغیرہ کی حیثیات کے موافق مختلف احکام صادر فرماتا ہے۔ مثلاً: کوئی حکم شخصی اصلاح کے لیے ہے تو کوئی حکم جماعتوں اور خاندانوں کی تنظیم وتربیت کے لیے، کوئی تدبیر منزل، سیاست مدنیہ اور ملکی اصلاح کی غرض سے ہے تو کسی سے

اصلاح نفس اور روحانی تہذیب مقصود ہے۔ کسی حکم کے مخاطب عوام ہیں تو دوسرے بہت سے احکام کی مخاطب حاکمہ جماعت ہے۔ کسی حکم کی تعمیل کا مطالبہ اگر اصحاب اموال سے ہے تو کسی کا مطالبہ اہل علم سے ہے، کسی حکم کے مکلّف اصحاب اموال خطیرہ ہیں اور کسی کی تکلیف ہر ایک عاقل بالغ مستطیع پر ہے۔ غرض کہ حیثیات مختلف ہیں اور ہر ایک اصلاحی دستور العمل اور ہادی و مصلح کو ان کا لحاظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین رکھ کر قرآن مجید کا پُر غور مطالعہ کیا جائے تو بلا اشتباہ صاف صاف نظر آنے لگتا ہے کہ قرآن مجید میں انفرادی زندگی کی اصلاح کے لیے بھی احکام و قوانین موجود ہیں اور جماعتی و قومی سرفرازی حاصل کرنے کے لیے بھی ہدایات موجود ہیں۔ قرآن مجید انسان کی انفرادی زندگی کو نہایت خوبی کے ساتھ اس مقام تک پہنچا دیتا ہے، جہاں ہمدردی، ایثار، قربانی، جفاکشی، بہادری، اتحاد مصالح جزئیہ پر مصلحت کلی کو ترجیح دینا، اطاعت اولی الامر، فرض منصبی کو پہچاننا اور پورا کرنا، حصول مقصد کے لیے مر مٹنا وغیرہ صفات حسنہ انسان میں حدِ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ ایمان اور اعمال صالحہ اس کے اندر کامل صلاحیت پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ خود غرضی و نفس پرستی کو بکلی معدوم و فنا کر کے اور اپنے وجود سے بے پروا ہو کر اجتماعی و قومی زندگی کے لیے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں وقف کر دے۔

دنیا میں انفرادی زندگی کو قومی زندگی کے لیے فنا کر دینے پر آمادہ ہو جانا ہی اس کی انفرادی زندگی کے لیے سب سے بلند و برتر مقام اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید نے جس وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے دنیا کی کسی مذہبی کتاب نے اس طرح علمی رنگ میں بیان نہیں کیا۔ قرآن مجید نے بالکل فطری اصول پر انفرادی زندگی کی اصلاح کو اجتماعی زندگی کی اصلاح کا ذریعہ قرار دے کر پھر اجتماعی زندگی کے لیے مخصوص احکام بیان فرمائے ہیں (اس جگہ قرآنہ

مجید کی ان تمام آیات کا جو مذکورہ مضمون سے تعلق رکھتی ہیں نقل کرنا دشوار ہے اور صرف دو چار آیات کا نقل کرنا گویا مضمون کو ناقص کر کے دکھانا تھا)

قرآن مجید حکومت، دولت، ثروت، دنیوی عزت و غلبہ کو قوم کی مشترکہ ملکیت قرار دیتا ہے اور اس سے انکار ہی کس کو ہو سکتا ہے حاکم قوم اور محکوم قوم کا فرق و امتیاز سب کی نگاہوں کے سامنے ہے:﴿جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ [المائدہ:۵/۲۰] کے الفاظ پر غور کرو، انبیاء کی نسبت تو فِيْكُمْ کا لفظ استعمال فرمایا لیکن آگے ﴿جَعَلَ فِيْكُمْ مُّلُوْكًا﴾ نہیں فرمایا بلکہ ﴿جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ فرمایا اور یہ فرمانا اس لیے ضروری تھا کہ جس قوم کا بادشاہ ہوتا ہے اس قوم کا ہر فرد گویا بادشاہ بن جاتا ہے اگر افراد علیحدہ علیحدہ اپنے اغراض کو پیش نظر رکھیں اور قومی مشترکہ مقاصد کو نظر انداز کردیں تو کبھی قوم کو کامیابی و سرفرازی حاصل نہیں ہو سکتی (جیسی کہ آج کل مسلمانوں کی حالت دیکھی جا رہی ہے۔ ((اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ))

قرآن مجید نے تو ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾، ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾، ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا﴾، ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾، ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ﴾ وغیرہ دعاؤں میں بھی اجتماعی زندگی کی اہمیت کو فراموش نہیں ہونے دیا۔

آنچہ برماست از ماست

مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ قوم کا بڑا حصہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات سے بالکل ہی متنفر اور بے بہرہ ہے، جو لوگ نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں ان کی نمازیں محض رسمی اور روزے اکثر رسمی ہیں، جن کو جسد بے روح کہنا چاہیے۔ نہ نمازوں میں خشوع ہے نہ ان نمازوں میں تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ کا کوئی اثر پایا جاتا ہے۔ رمضان کے مہینے میں جو لوگ روزے رکھتے ہیں ان میں تنگ مزاجی،

تن پروری، بزدلی، اور بدکلامی تو اکثر نمایاں ہو جاتی ہے لیکن روزہ کی اصل شان بہت کم دیکھی جاتی ہے الا ما شآ اللہ ۔ ایثار قربانی، بے نفسی، قومی نفع کو ذاتی منافع پر ترجیح دینا وغیرہ ضروری صفات کا تو کہیں نام ونشان بھی مسلمانوں میں نہیں پایا جاتا لیکن حیرت ہوتی ہے کہ انھیں مسلمانوں کی زبان سے بار بار یہ اعتراض سننے کا موقع ملتا ہے حالانکہ آیت استخلاف میں نمایاں طور پر صلاحیت کی شرط موجود ہے اور آج کل کے مسلمانوں میں وہ شرط صلاحیت مفقود ۔ بعض لوگ اس خدشہ میں مبتلا ہیں کہ وہ کسی ایک یا چند نیک اور پابند شرع عابد زاہد مسلمانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ لوگ جو پابند شرع اور عبادت گزار ہیں خلیفۃ اللہ فی الارض کیوں نہیں بن جاتے؟ لیکن وہ نہیں سوچتے کہ قرآن مجید نے یہ کہیں نہیں کہا کہ جو شخص احکام اسلامی کا پابند ہوگا وہ انفرادی اور شخصی استحقاق کی بنا پر بادشاہ بن جائے گا یا دولتمند ہو جائے گا ۔ افراد امت میں سے ہر فرد کی حالت اس کے احوال وظروف اور سعی و تدبیر کے مطابق ظہور میں آتی ہے اور اس کے احکام دوسرے ہیں ۔ قرآن مجید نے سلطنت و خلافت کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کا تعلق اجتماعی وقومی زندگی سے ہے یعنی قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر ایک قوم بہ حیثیت قوم کے ان اصول و احکام پر عامل ہوگی تو ضروری ہے کہ اسے قومی عروج و اقبال حاصل ہو جائے اگرچہ منتہائے درجہ اقبال تک پہنچ جانے کے بعد بھی اس میں بکثرت افراد مفلس و قلاش ہو سکتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے بعض فضل وانعام ایسے ہوتے ہیں جو افراد پر نہیں بلکہ صرف جماعتوں پر ہی نازل ہوتے ہیں مثلاً: اولاد انعامات الٰہیہ میں سے ایک بڑی نعمت ہے لیکن کوئی شخص کسی عورت سے شادی نہ کرے اور حالت تجرد میں رہ کر اولاد کا خواہاں ہو تو چاہے وہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا مستحق انعام کیوں نہ ہو اولاد کے انعام الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس نے اس انعام خاص کی ایک لازمی شرط کو پورا نہیں کیا۔ یا مثلاً کسی فوج کے سپاہی کا رعب عام لوگوں کے دلوں میں اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب کہ اس فوج کا ہر سپاہی اپنے افسر کا

فرماں بردار اور آپس میں ایک دوسرے سے برسر جنگ نہ ہو۔ پس یہ کیسے ممکن ہے کہ من حیث القوم مسلمانوں میں سلطنت و فرمانروائی کی قابلیت و صلاحیت موجود نہ ہو اور وہ خلیفہ و فرمانروا بن جائیں۔ آیت استخلاف: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ [النور: ۲۴/ ۵۵] کا ایک یہ مطلب بھی ہے کہ ایمان و اعمال صالحہ میں جو قوم من حیث القوم پوری اتر جاتی ہے اس قوم کو ضرور بالضرور خلافت فی الارض یعنی ملکوں کی سلطنت و حکومت حاصل ہو جاتی ہے چونکہ مسلمان آج کل یہودیوں کی طرح قرآن مجید کے ایک حصہ کو مان کر ایک حصہ کا عملاً انکار کر چکے ہیں لہٰذا اس بد اعمالی کی جو سزا یہودیوں کو دی گئی تھی وہی سزا مسلمانوں کو مل رہی ہے۔ یہودیوں سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ﴾ [البقرہ: ۲/ ۸۵]

''کیا تم کتاب اللہ کے بعض حصہ کو مانتے اور بعض سے انکار کرتے ہو پس تم میں سے جو لوگ اس نالائقی کے مرتکب ہوں ان کی سزا سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ان کو ذلت و رسوائی حاصل ہو اور قیامت کے دن نہایت سخت عذاب میں مبتلا کیے جائیں۔''

آج کل مسلمانوں میں بڑے بزرگ اور اللہ والے وہ لوگ سمجھتے جاتے ہیں جو اپنی تمام اللہ کی فراہم کردہ قوتوں اور استعدادوں کو بیکار و معطل کر کے زاویہ نشین ہو گئے ہیں اور روزی کمانے کے تمام مشاغل ترک کر کے اوراد و وظائف اور چلہ کشیوں میں مصروف ہیں، یہ لوگ متوکل کہلاتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں توکل کے یہ معنی کسی جگہ بیان نہیں ہوئے، قرآن مجید نے توکل کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ مشکلات کے وارد ہونے پر اپنے کام اور کوشش کا ترک نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا کہ وہ ضرور بہتر نتیجہ پیدا کرے

گا۔ چنانچہ ﴿ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ [المائدہ: ۵/ ۲۴] جیسا بزدلانہ جواب دینے والوں کی ہمت بندھاتے ۔ فتح کا یقین دلاتے اور آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ﴿ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی اگر تم مؤمن ہو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور دشمنوں پر چڑھائی کرو۔ اسی طرح آج کل صبر کے معنی مسلمانوں نے یہ سمجھ رکھے ہیں کہ ذلتیں سہہ کر خاموش بیٹھے رہنا حالانکہ صبر کے معنی ہیں مشکلات کا مقابلہ کرنا اور مصائب کو سہہ کر مصروف کار رہنا اور ہمت ہار کر مقابلہ سے منہ نہ موڑنا۔ قرآن مجید صبر کا مفہوم اس طرح سمجھاتا ہے:

❁ ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ أَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [البقرہ: ۲/ ۲۴۹]

''وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہونے کا یقین تھا کہنے لگے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں یعنی ثابت قدم رہنے والے بہادروں کا ساتھی ہے۔''

❁ ﴿ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [البقرہ: ۲/ ۲۵۰]

''اے ہمارے رب! ہم پر صبر (یعنی ثابت قدمی) نازل کر اور معرکہ جنگ میں ہمارے قدم جمائے رکھ اور کافروں کی قوم پر ہم کو فتح عطاء کر۔''

❁ ﴿ فَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَ إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ أَلْفٌ يَّغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ﴾

[الانفال: ۸/ ۶۶]

''اور اگر تم میں سے ایک سو بہادر ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر فتحمند ہوں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار کفار پر اللہ کے حکم سے غالب ہوں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔''

قرآن مجید اپنے متبعین کو پیش آئندہ ضرورتوں کے لیے پہلے سے تیاری کرنے اور مستعد رہنے کا حکم فرماتا ہے مثلاً:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ [الانفال: ۸/۶۰]

''اور تم میں سے جہاں تک ممکن ہو دشمنوں کے مقابلہ کے لیے قوت کے ذریعے اور گھوڑوں کے مستعد رکھنے سے تیاری کرو تاکہ تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو۔''

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾

[الحشر: ۴۲/۴۸]

''اے مؤمنو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا تیاری کی ہے۔''

لیکن مسلمانوں کی حالت آج کل یہ ہے کہ سب سے زیادہ قیمتی اور مکرم و محترم وہ لوگ سمجھے جاتے ہیں جو مسلم قوم کی سود و بہبود اور فلاح و ترقی کی کوشوں سے بالکل بے تعلق اور بے نیاز ہو کر انجام کی طرف سے بے فکر اور راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں جبکہ مسلمانوں کے خیالات وعقاید اور اعمال کی یہ حالت ہو تو نتائج بھی اسی کے مطابق کیوں نہ برآمد ہوں، اس میں اسلام اور تعلیماتِ قرآنیہ پر کیا الزام عاید ہو سکتا ہے؟ فتدبروا۔

ایک اور اعتراض بھی بار بار سننے میں آتا ہے کہ یورپی اقوام مسلمانوں کے مقابلہ میں چیرہ دست اور حکومت و سلطنت کے اعتبار سے صاحب سبقت کیوں ہیں اور مسلمانون کے مقابلہ میں دوسری قوموں کو زیادہ مال و دولت کیوں حاصل ہے؟......

درحقیقت اس سوال کا جواب اوپر آچکا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن مجید اور احکام اسلام سے غفلت و بغاوت اور روگردانی اختیار کر کے من حیث القوم اپنے آپ کو ذلت و مسکنت کا مورد بنا لیا ہے اور محض رسمی واسمی اسلام جس میں کوئی اسلامی حقیقت نہ پائی

جائے وہ نتائج ہرگز پیدا نہیں کرسکتا جن کا وعدہ قرآن مجید نے کیا ہے نیز ابتلا و آزمائش کا آنا اور اس میں پورا اترنا بھی از بس ضروری ہے، جس میں آج کل کے مسلمان ہیٹے ثابت ہو رہے ہیں۔

﴿ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ [العنکبوت: ۲۹/۳]

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی اور ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا پس اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان کے دعوے میں سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں الگ الگ معلوم کرے گا۔''

﴿ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ ﴾ [الملك: ۶۸/۲]

''اللہ وہ ہے جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝ ﴾ [الدھر: ۷۶/۲]

''ہم نے انسان کو مرکب نطفے سے پیدا کیا کہ اس کی آزمائش کریں پس ہم نے اس کو سننے دیکھنے والا بنایا، ہم نے اس کو راستہ بھی دکھایا، اب یا تو وہ شکر کرنے والا ہے یا ناشکرا یعنی وہ چاہے مؤمن بنے چاہے کافر۔''

﴿ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ

مُّصِيبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ [البقرہ:۲/۱۵۵]

''اور ہم تم کو کچھ خوف اور بھوک اور نفوس و اموال اور پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے اور اس آزمائش میں ثابت قدم رہنے والوں کو خوشخبری سنا دو اور یہ ثابت قدم رہنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یعنی اپنے صحیح منتہائے مقصد سے غافل نہیں۔''

۞ ﴿ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ﴾

[الزخرف:۴۳/۳۲]

''اس دنیا کی زندگی میں ہم نے ان میں بعض کے درجوں کو بعض کے مقابلے میں اونچا کیا ہے تاکہ بعض کو بعض اپنا مسخر رکھیں۔''

مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کا یہ غلبہ و استیلا مسلمانوں کے لیے بطور سزا اور بطریق تازیانہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلیں اور وہ چاہیں تو راہِ راست پر گامزن ہو جائیں جیسا کہ بنی اسرائیل کو بھی ان کی بد اعمالیوں کے نتیجہ میں اسی قسم کی سزا ملی تھی جس کی طرف سورہ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں اشارہ ہے کہ:

﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ﴾ [بنی اسرائیل:۱۷/۵]

''پس جب ان دو وعدوں میں سے پہلے کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے خلاف اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیے جو بہت سخت گیر و متشدد تھے پس وہ تمہارے گھر اور شہروں میں پھیل گئے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہی ہونے والا تھا۔''

اسی قسم کے اور بھی بعض اعتراضات جو قرآن مجید کی طرف سے غافل رہنے کے سبب مسلمانوں کی زبان پر آجاتے ہیں باقی ہیں لیکن میں اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی

ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ قرآن مجید ہر ایک اعتراض کا جواب خود دیتا اور ہر خدشہ قرآن مجید ہی کے ذریعہ رفع کیا جا سکتا ہے اس وقت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول کو یاد دلاتا اور اسی قول پر اسی قولِ حق کو ختم کرتا ہوں کہ ((حسبنا کتاب اللہ)) ❶
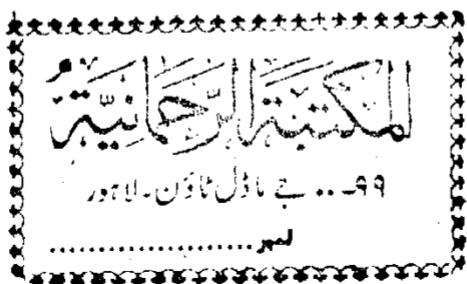
اُمتِ محمدیہ
زوال پذیر کیوں؟
امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رسول اللہ کی زندگی مبارک
میں ہی عروج شروع ہو گیا جو دن بدن لحہ بہ لحہ افزوں تر ہوتا چلا
گیا۔ یہ عروج بہت جلد اقبال کی بلندیوں کو چھونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے
دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ ہر طرف اسلام کی حقانیت و سربلندی کا ڈنکا
بجنے لگا۔ دنیا گروہ در گروہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگی۔ مجاہدین کے دستے صحراؤں'
میدانوں اور دریاؤں و سمندروں میں اپنے گھوڑے ڈالے جہادی پھریرے اڑاتے'
رواں دواں نظر آنے لگے۔ پورا عالم اسلام ایک خلیفہ کے تحت' دنیا پر حکومت کرتے ہوئے
اعلائے کلمۃ اللہ کا فریضہ انجام دینے لگا۔ یوں دشمنانِ اسلام کے پتے مجاہدین کے ہنہناتے گھوڑوں کی
ٹاپوں کی گونج سے پانی ہو جاتے۔ وہ اسلام کے خلاف صف آراء ہونے کی بجائے اس کی عزت و توقیر
کرتے ہوئے اس کی ترویج و اشاعت میں مزاحم ہونے کی بجائے معاون نظر آتے۔
لیکن پھر ایک لحہ ایسا آیا کہ اسلام اور اس کے حاملین دن بدن کمزور ہونے لگے' دنیا کے خطوں سے ان
کا اقتدار ختم ہونے لگا اور معلوم دنیا میں بعض مسلمانوں کے علاقوں پر دشمنان اسلام کا قبضہ ہونے لگا۔ یعنی
امت محمدیہ کے عروج کا خاتمہ ہونے لگا۔ اور پھر بعض اسباب و وجوہات کی بنا پر امت تیزی سے زوال پذیر
ہوتی چلی گئی۔ آخر ایسی زوال پذیر ہوئی کہ عزت و وقار کی جگہ ذلت و پسماندگی اور حقارت و نفرت اس کا
مقدر بن گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ وجوہات و اسباب کیا تھیں۔ اور کیسے امت عروج کے بعد زوال کے اندھے
کنویں میں جا گری؟ اس بات کی نشاندہی مؤرخ اسلام جناب اکبر شاہ خاں نجیب آبادیؒ نے اس
کتاب میں نہایت احسن پیرائے میں کی ہے۔ کتاب پڑھ کر علم ہوتا ہے کہ ہمارے زوال کے ماضی
میں جو اسباب تھے آج بھی ہم انہیں اسباب و علل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسباب، علل،
وجوہات کیوں' کب اور کیسے وقوع پذیر ہوئیں......؟
یہ سب کچھ جاننے کے لیے یہ کتاب لاجواب ہے۔
محمد طاہر نقاش
دارالابلاغ
DARULIBLAGH
کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ